خون بہتا رہا.....

(ایک ولولہ انگیز تاریخی ناول)

رئیس احمد جعفری

NATIONAL SCHOOL
BLOCK 'D' SCHEME NO. 2.
NORTH NAZIMABAD,
KARACHI-33.

ناشر

کتاب منزل

کشمیری بازار لاہور ——— بندر روڈ - کراچی

جملہ حقوق محفوظ

سلسلہ مطبوعات نمبر ۲۳۰

طبع اوّل ... جولائی ۱۹۵۹ء

طبع دوم ... اگست ۱۹۵۹ء

قیمت .... آٹھ روپے

شیخ نیاز احمد پرنٹر و پبلشر نے اپنے علمی پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کے
شیخ غلام علی اینڈ سنز کتاب منزل، کشمیری بازار لاہور سے شائع کی ۔

NATIONAL SCHOOL
BLOCK 'D' SCHEME NO. 2
NORTH NAZIMABAD
KARACHI

اسی مصنّف کے دوسرے تاریخی شہ پارے

۱ - بہادر شاہ ظفر اور اُن کا عہد - مکمل، مفصّل اور مستند تاریخ

۲ - واجد علی شاہ اور ان کا عہد - ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی مکمل تاریخ

۳ - بالاکوٹ - تاریخی ناول۔ حضرت سید احمد شہید کی داستانِ جہاد

۴ - مجاہد - تاریخی ناول، متحدہ ہندوستان کی تاریخ کا ایک خوں چکاں باب

NATIONAL SCHOOL
BLOCK 'D' SCHEME NO. 2,
NORTH NAZIMABAD,
KARACHI-33,

حکیم عبدالواسع ندوی کے نام

ہم تمہیں بھول جائیں یہ بھی غلط
تم ہمیں بھول جاؤ ——— ناممکن

یہ ایک تاریخ ہے!

یہ ایک داستان ہے!

اس عہد کی تاریخ جب مسلمان دین و ملت کی حرمت پر اپنی
زندگی قربان کر دیتے تھے، جب حق و صداقت کی جنگ
میں وہ دیوانہ وار کود پڑتے تھے۔ جب دنیا کی کوئی طاقت
ان کے عزائم میں تزلزل نہیں پیدا کر سکتی تھی۔

ایسی داستان، مستند تاریخ کے پس منظر میں جس کا آغاز
چڑھاؤ ولولہ انگیز بھی ہے، روح پرور بھی، اور سبق آموز بھی،

تا یہ چنگاری فروغِ جاوداں پیدا کرے
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کے قلب و جگر

فہرست

بوڑھا سلیمان ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۹
گھر سے باہر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۹
شکار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۳
پرلطف باتیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳۰
محبت کا تیر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳۵
وہ آنکھیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۴۰
وہ آنکھیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۵۰
عشق کا اصرار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۵۶
اور وہاں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۶۳
جمیلہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۷۲
کسی کی یاد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۷۷
طلحہ کی تدبیر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۸۴
سفر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۹۳
عشق اور شک ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۹۸
دستر خوان پر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۰۶
یہ کون ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۰۹
خوف ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۱۵
ذرا سنئے تو سہی ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۱۹
تین دوست ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲۶
عائشہ اور جمیلہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۳۰
دل کی دل میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۳۴
کوچۂ محبوب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۳۷
بے خودی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۴۵
پوچھ گچھ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۵۰
وعدہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۶۰
بزم خیال ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۶۸
ایک اور مرقع ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۷۴
سناٹا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۸۰
راز و نیاز ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۸۴
ولولۂ جہاد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۹۳
نور الدین زنگی اور صلاح الدینؒ ۲۰۳
صلاح الدین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۱۴
شکست و فتح ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۲۲
دورِ فتوحات ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۲۶
غدار ریجی نالڈ اور رواداد صلاح الدین ۲۴۰
دمشق ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۴۸
صلاح الدین کی ایک جھلک ۲۵۳

وہ قاصد ۲۶۱

رخصتی ملاقات ۲۶۷

ترکِ وطن کا فیصلہ ۲۷۲

عہد شکن ۲۷۷

عائشہ اور کلثوم ۲۸۵

اسحاق ۲۹۴

دورِ مسرت ۲۹۹

اب میں ہوں اور ماتم یکِ شہر آرزو ۳۰۶

حادثہ ۳۱۷

ملاپ - بچھڑنے کے لیے ۳۲۱

شامت ۳۲۵

اکثر شبِ تنہائی میں کچھ دیر پہلے نیند سے ۳۴۰

ہارا ہوا جواری ۳۵۱

نوحۂ زندگی ۳۵۷

اُنکے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت ۳۶۵

پریشانی ۳۷۴

جامِ شہادت ۳۷۸

رنجی نالڈ کے سامنے ۳۹۰

تلوار کا کھیل ۳۹۹

کلثوم رابرٹ کے گھر ۴۰۶

نئی زندگی ۴۱۶

وہ نازک بدن شہسوار . . . ۴۲۱

صلاح الدین کی قسم ۴۲۷

رنجی نالڈ کا غصّہ ۴۳۴

فیصلہ کن معرکہ ۴۴۰

صلاح الدین کی تلوار ۴۴۹

عائشہ ۴۵۵

دلِ بے قرار ۴۶۰

سوال جواب ۴۶۳

دھوکا ۴۶۸

احمد ۴۷۵

دورِ نشاط اور مسرت ۴۸۱

طبریہ اور عکّہ کی فتح ۴۸۳

عسقلان کا سقوط ۴۸۷

فتح بیت المقدس ۴۹۰

وہ غازی، وہ مجاہد، وہ شہید ۵۰۳

بوڑھا سلیمان ۵۰۶

بوڑھا سلیمان

یہ بوڑھا سلیمان بھی عجیب بدقسمت اور آشفتہ بخت آدمی تھا!

جوانی عیش سے کٹی، بڑھاپا مصیبتوں کا گہوارہ بن گیا!

جب وہ جوان تھا تو لوگ اس پر رشک کرتے تھے، مال، دولت کے اعتبار سے زور اور قوت کے اعتبار سے، جاہ و حشمت کے اعتبار سے، حسن و جمال کے اعتبار سے، رعنائی اور بانکپن کے اعتبار سے، شرافت اور انسانیت کے اعتبار سے، غرض جس اعتبار سے دیکھئے وہ یکتا تھا، لیکن جب بڑھاپے کی سرحد میں داخل ہوا، تو قابل رشک نہ رہا، عبرت کا نمونہ بن گیا!

کئی لڑکے ہوئے، لڑکیاں ہوئیں، لیکن کوئی بھی زندہ نہ رہا، آخر میں ایک لڑکا رہ گیا، بچھوٹی آنکھ کا تارا، وہ بھی خدا کے مقدس گھر بیت المقدس کو کافروں (عیسائیوں) کی یورش سے بچاتا ہوا شہید ہو گیا، شاید اس غم میں سلیمان خودکشی کر لیتا، لیکن اسلم موجود تھا! ——— شکل میں بالکل باپ کی تصویر ——— اسلم کو دیکھ کر سلیمان کے دل میں خود بخود زندہ رہنے کی تمنا پیدا ہو جاتی تھی،

کی گود میں بیٹھ جاتا!

اور اسلم کو گود میں بٹھا کر، بوڑھا سلیمان اپنے جوان بیٹے کی جوانمرگی کا غم بھول جاتا، وہ بھی اس کے ساتھ مسکرانے لگتا، ہنسنے لگتا، کھیلنے لگتا ——— بچہ بن جاتا!

اسلم بیمار پڑتا تو سلیمان دیوانہ ہو جاتا، اسلم کسی بات پر روتا تو سلیمان گھر بھر کا دشمن ہو جاتا، اسلم جو چیز مانگتا، سلیمان ہر قیمت پر اس کی فرمائش مہیا کرتا، اسلم کے لئے وہ سب کچھ کر سکتا تھا ——— حتیٰ کہ زندہ رہنے پر بھی مجبور تھا!

اور یہ اسلم بھی اُسے بہت چاہا کرتا تھا۔

اپنی ماں تک سے وہ اتنا مانوس نہ تھا، جتنا سلیمان سے، رات کو اسی کے پاس سوتا، اسی کے بستر پر پیشاب کرتا، اسی کے ہاتھ سے کھانا کھاتا، اسی کے ہاتھ سے پانی پیتا، اسی کے ہاتھ سے کپڑے پہنتا، اسی کے ساتھ بازار جاتا، اسی کے ساتھ گھر میں آتا!

سلیمان اسلم کا ایسا خادم تھا جو ہمزاد کی طرح اس کے ساتھ رہتا، اسلم سے ایک لمحہ کے لئے بھی جُدا نہیں ہوتا تھا!

ایک مرتبہ اسلم سو رہا تھا، سلیمان کو ایک ضروری کام یاد آیا اس نے اپنی بہو سے کہا،

بیٹی ایک بہت ضروری کام سے جا رہا ہوں، گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں آجاؤں گا کیا چلا جاؤں؟

وہ بولی

وہ چاہتا تھا جب تک اسلم جوان نہ ہو جائے، اس وقت تک زندہ رہے
اس وقت تک موت اس کی دہلیز پر قدم نہ رکھ سکے،
اپنے شہید بیٹے کو سلیمان نے مسکراتے ہوئے میدان جنگ کی طرف بھیجا تھا
اس کی ہمت بڑھائی تھی، اُسے ڈھارس دی تھی، اسلام کے راستہ میں فدا ہو جانے کی تلقین کی تھی، دین و مذہب اور قوم و ملت کے لئے ہر قربانی، ہر ایثار پر اُسے آمادہ کیا تھا، لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ وہ بہادری سے لڑتا ہوا میدانِ جنگ میں کام آیا تو اگرچہ اس کی آنکھوں سے آنسو نہیں ٹپکے، اگرچہ اس نے آہ و واویلا نہیں کی، اگرچہ اس نے ماتم و فریاد اور نوحہ و شیون کا سلسلہ شروع نہیں کیا، لیکن اس کی کمر ٹوٹ گئی،

وہ بڑھا ہو گیا۔!
زندگی کی اُمنگ اور ترنگ جاتی رہی،
اب یہ زندگی اُسے بے کیف نظر آتی تھی،
اب اس دنیا سے اس کا جی اُکتا گیا تھا!
اب وہ خوشی اور مسرت کے نام سے بیگانہ ہو گیا تھا!
بارہا اس کا جی چاہا خودکشی کر لے۔!
کئی مرتبہ اس نے زہر خریدا کہ آج رات کو کھا کر سوئے اور صبح مرا ہوا اُٹھایا جائے،
لیکن نہ جانے کیا بات تھی!
جب بھی وہ اس قسم کا ارادہ کرتا اسلم مسکراتا، ہنستا، کھیلتا آتا اور ا

دوست بھی آئے ہیں" بڑے مزے کی صحبت رہے گی۔

سلیمان :- وہ تو میں جانتا ہوں، تم اکیلے ہوتے، جب بھی بڑے مزے کی صحبت رہتی، تم تنہا ایک انجمن پر بھاری ہو لیکن تمہیں کیسے بتاؤں، اس وقت ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں رُک سکتا،

جبریل :- اچھا تو وعدہ کرو، شام کو آؤ گے، کھانا یہیں کھاؤ گے،

سلیمان :- ہاں وعدہ کرتا ہوں —— شام کو آؤں گا،

جبریل :- لیکن اب تم جھوٹ بھی تو بولنے لگے ہو، وعدہ کرتے ہو اور نہیں آتے —— یاد ہے ایک مرتبہ اور میں نے اسی طرح تمہیں گرفتار کیا تھا اور پھر تم آنے کا وعدہ کرکے جو گئے تو آج نظر آتے ہو،

سلیمان :- لیکن اس دفعہ سچا وعدہ کر رہا ہوں! —— ضرور آؤں گا، اس وقت جانے دو۔

جبریل سے جان چھڑا کر سلیمان جلدی جلدی اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا وہ دروازہ پر پہنچا تو رونے کی آواز سُنی، دل دھک سے ہو گیا، ڈرتا ڈرتا گھر میں داخل ہوا، ماں کی گود میں اسلم بری طرح مچل رہا تھا!

سلیمان نے اس کی طرف لپکتے ہوئے کہا،

میں آگیا میرے بچے —— میں آگیا،

لیکن وہ روئے چلا جا رہا تھا!

سلیمان نے اُسے گود میں لیا، پیار کیا، انگور اس کے سامنے ڈھیر کر دیئے اور بڑے محبت بھرے لہجہ میں کہا،

آپ مجھ سے کیا پوچھتے ہیں، ضرور تشریف لے جائیے،

سلیمان نے کہا

چلا تو جاؤں، لیکن جاگ کر یہ لڑکا مجھے پوچھے گا تو کیا کہو گی ؟"

وہ کہنے لگی

کہدوں گی، بابا تمہارے لئے میٹھے میٹھے انگور لینے گئے ہیں۔

بس بہل جائے گا"

سلیمان خوش ہو گیا،

ہاں بیٹی —— وہ انگور بڑے شوق سے کھاتا ہے، ضرور بہل جائے گا،

اور میں بہت سارے لیتا بھی آؤں گا، اس کے لئے !"

مطمئن ہو کر سلیمان گھر سے باہر نکلا، بازار پہنچا، پہلے خوب اچھے سے انگو
لئے، انہیں احتیاط سے رومال میں باندھا، پھر جس کام سے نکلا تھا اس سے
فارغ ہوا، راستہ میں ایک پرانے دوست جبریل مل گئے، کہنے لگے۔

بھئی تم تو اب عید کا چاند ہو گئے ہو، دکھائی ہی نہیں دیتے !

سلیمان نے چلتے چلتے کہا۔

"کیا کروں بھئی کچھ ایسے جنجال میں پھنسا ہوں کہ فرص
ہی نہیں ملتی آج تو فرصت ہے ؟ چلو یہ سامنے رہا ہمارا گھر، ذرا د
بیٹھیں گے —— آؤ

سلیمان :- ضرور چلتا، لیکن اس وقت مجبور ہوں، پھر کسی دن آؤں گا"

جبریل :- جی نہیں آپ کو آج اور ابھی چلنا پڑے گا —— کچھ آ

سلیمان :- ہاں ،

اسلم :- لیکن وہ ہمارے پڑوس میں جو لڑکا رہتا تھا ، وہ تو مر گیا وہ بھی تو بچہ تھا ؟

سلیمان :- (گھبرا کر) ہاں وہ بچہ تھا — نہیں نہیں تم نہیں جانتے "۔

اسلم :- ابا وہ کیوں مر گیا ؟

سلیمان :- (اور زیادہ گھبرا کر) ارے بھئی وہ مرا نہیں —— ہاں وہ مر گیا لیکن تم ——

ابا آپ زندہ رہیں گے ، میں مر جاؤں گا !"

سلیمان نے زور سے اسلم کے منہ پر ایک طمانچہ مارا ، اور بہت زور سے کہا "چپ "

اسلم سہم کر چپ ہو گیا ، اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ، پھر وہ چیخ چیخ کر رونے لگا —— یہ پہلی مار تھی ، جو اس نے اپنے دادا کے ہاتھ سے کھائی تھی ! —— اس دادا کے ہاتھ سے جو صرف پیار کرتا تھا لاڈ کرتا تھا ! —— اسلم کو روتا دیکھ کر سلیمان ضبط نہ کر سکا خود بھی اُسے کلیجہ سے لگا کر رونے لگا اور بڑی دیر تک روتا رہا ، اس کا رونا دیکھ کر اسلم اپنا رونا بھول گیا ، آخر وہ ضبط نہ کر سکا ، اس نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا !

"آپ کیوں رو رہے ہیں ؟"

سلیمان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ،

اب چپ ہو جاؤ میرے بیٹے ــــــــــ اب کبھی نہیں جاؤں گا ،

تمہیں چھوڑ کر !"

انگوروں سے اسلم واقعی بہل گیا ــــــــــ چپ ہو گیا !

جب انگور کھا چکا ، تو سلیمان نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا :-

تبیٹے جب میں مر جاؤں گا ، تب تو مجھے کہاں پائے گا ؟"

اسلم نے ایک نجومی کی طرح پیشین گوئی کی ،

"نہیں آپ نہیں مریں گے !"

سلیمان بولا ، کب تک نہ مروں گا ، بوڑھے ہوتے اسی لئے ہیں کہ مریں ، پکا پھل

گرتا ہی ہے ، اُسے گرنا ہی پڑتا ہے ،

بڑی معصومیت کے ساتھ اسلم نے کہا "کیوں گرتا ہے ؟"

سلیمان بولا ، اس لئے کہ وہ بوڑھا ہو جاتا ہے ، اور جو بوڑھا ہو جاتا ہے وہ

ــــــــــ وہ !

اسلم :- "وہ مر جاتا ہے"

سلیمان :- "ہاں بیٹے وہ مر جاتا ہے"

اسلم :- "اور جو جوان ہوتا ہے وہ ؟"

سلیمان :- "وہ زندہ رہتا ہے"

اسلم :- اور جو بچہ ہوتا ہے ،

سلیمان :- وہ پہلے جوان ہوتا ہے - پھر بوڑھا ہوتا ہے -

اسلم :- پھر مر جاتا ہے ؛

سلیمان نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا،

خدا تجھے ہمیشہ اسی طرح خوش خرم رکھے ——— تجھے دیکھ دیکھ کر میرا پلیوں خون بڑھتا ہے، خون ہی نہیں میری زندگی بھی بڑھتی ہے، زندہ رہنے کی تمنا بھی بڑھتی ہے۔"

یہ اتنا اونچا فلسفہ تھا جو اسلم کی سمجھ سے بالا تھا، لہٰذا بہت جلد اس کا جی اُکتا گیا، گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے اس نے کہا۔

"ابا یہ تو بتایئے، لوگ مرتے کیوں ہیں؟ ——— اور مر کر جاتے کہاں ہیں؟ اور پھر کب واپس آتے ہیں؟

سلیمان نے اُسے پیار کرتے ہوئے کہا،۔

اوہو بیٹے تم نے تو ایک سانس میں اتنے سارے سوالات کر ڈالے، اب میں کس کس کا جواب دوں؟

اسلم:۔ بس یہ بتا دیجئے لوگ مرتے کیوں ہیں؟

سلیمان:۔ سب کو مرنا پڑتا ہے بیٹے، اس لئے کہ خدا کا حکم یہی ہے!

خدا کی عظمت کے آگے اسلم کو سر جھکانا ہی پڑا، وہ کچھ سوچتا رہا، پھر پوچھا

"اور یہ سب لوگ جو مرتے ہیں، مر کر کہاں جاتے ہیں؟

سلیمان:۔" خدا کے پاس ——— "

اسلم:۔" خدا کہاں ہے؟"

سلیمان:۔" آسمان پر"

اسلم:۔" اس دن تو آپ کہہ رہے تھے خدا دل میں رہتا ہے۔"

"میں نے تجھے مارا جو تھا!"
اسلم نے اپنی روہانسی آواز میں پوچھا،
کیوں مارا تھا؟
سلیمان :- تو نے یہ کیوں کہا کہ تو مرجائے گا ——؟ —— نہیں میرے بچے تو نہیں مرے گا، تو زندہ رہے گا! —— ہاں زندہ رہے گا نا؟
اسلم نے اس طرح جیسے زندگی اور موت کی تقسیم اس کے ہاتھ میں ہے،
اشارہ سے اقرار میں گردن ہلائی، اور منہ سے کہا :-
"ہاں زندہ رہوں گا!"
سلیمان نے پھر اسے گلے لگایا اور اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا :-
"تو اس اندھیرے گھر کا اجالا ہے، تو زندہ رہے، تو یہ گھر بھی زندہ رہے گا ورنہ یہ بھی مرجائے گا، مٹ جائے گا —— ویران ہو جائے گا۔ تباہ ہو جائے گا،
—— بیٹے اب ایسی بات نہ کرنا۔"

اسلم نے وعدہ کیا،
"کبھی نہیں کہوں گا، لیکن آپ بھی نہ مریئے گا، آپ اگر مرگئے، تو میں کیا کروں گا؟"
سلیمان نے تسلی دیتے ہوئے کہا،
"اچھا بیٹا میں بھی نہیں مروں گا، زندہ رہوں گا، اب خوش ہوا تو؟"
وہ واقعی خوش ہو گیا تھا، اس نے مسکراتے ہوئے کہا،
"ہاں اب میں خوش ہوں!"

گھر سے باہر

دن آہستہ آہستہ گزرتے رہے ———— !

اسلم کی عمر بھی آہستہ آہستہ بڑھتی رہی !

اور سلیمان ہر روز، پہلے سے زیادہ بوڑھا اور ناتواں ہوتا رہا،

جیسے جیسے اسلم کی عمر بڑھتی جاتی تھی ویسے ویسے سلیمان کی زندگی گھٹتی جا رہی تھی، لیکن وہ اس انقلاب سے خوش تھا، وہ اسی لئے تو زندہ تھا کہ اسلم کو جوان دیکھے، اب وہ جوان ہو رہا تھا، اسلم کو جوان دیکھنے کی کتنی تمنا تھی اُسے ————

اور اب خدا کے فضل سے یہ تمنا پوری ہو رہی تھی، !

دونوں کی محبت اب تک ویسی ہی قائم تھی،

سلیمان کو تو خیر اسلم سے محبت کرنی ہی چاہیئے تھی، لیکن خود اسلم کا یہ حال تھا کہ اگرچہ اس کی تفریح اور دلچسپی کے تمام سامان مہیا تھے، مصاحبوں اور خادموں کا پہرے کا پہرا ہر وقت موجود رہتا تھا، محبت کرنے والی اور جان چھڑکنے والی ماں بھی موجود تھی، لیکن جب تک وہ سلیمان کی آغوش میں نہ پہنچ جاتے اُسے قرار

سلیمان ہنسنے لگا،

ارے بھئی تو بڑا منطقی ہے ——— دیکھو بیٹے جب تو بڑا ہوجائیو تو

یہ باتیں پوچھیو، ابھی سمجھ میں نہیں آئیں گی"

:- میں سمجھ لوں گا، آپ بتا کر تو دیکھئے!

:- اچھا میں بتادوں گا، بھوک بڑے زور کی لگ رہی ہے، پہلے ہم

کھانا کھالیں، پھر بتائیں گے۔

:- پھر یہ بھی بتائیے گا، مرنے کے بعد لوگ واپس کب آتے ہیں؟"

:- ہاں یہ بھی بتا دوں گا ——— ! جو کچھ تو پوچھے گا، سب بتا دوں

کھانا کھانے کے بعد اسلم اپنے سوالات بھول گیا، اور سلیمان ایک الگ کو

میں جا کر، اپنے اس نونہال کے لئے رقت قلب کے ساتھ درازئ عمر کی دعا

کرنے لگا! ——— آنسوؤں سے داڑھی تر تھی اور کانپتے ہوئے لبوں

وہ دعا مانگ رہا تھا،!

سلیمان :- بچہ نہیں تو اور کیا ہے - اٹھارہ ، انیس برس کی عمر بھی کوئی عمر ہوتی ہے !"

اسلم :- نہیں ابا میں اب بچہ نہیں ، ہوشیار ہوں ! جوان ہوں ، !"

سلیمان :- کیسے مان لوں میرے بچے !"

اسلم :" آخر آپ میرے شکار پر جانے سے اس قدر خالف کیوں ہیں ؟ گھوڑے پر بہت اچھی طرح سوار ہو لیتا ہوں ——————

سلیمان :- اور گر بھی تو پڑتا ہوں —————— یہ بھی تو کہہ —— ابھی اسی دن کا واقعہ تو ہے جب تو گھوڑے پر سے گر پڑا تھا"

اسلم :- نہیں ابا جان ، وہ گھوڑے کی خطا نہ تھی ، وہ ہمارا سائیس ہے نا اس نے زین ڈھیلی باندھی تھی ، ورنہ میں نہ گرتا -

سلیمان :- اس طرح کا کوئی اتفاق پھر پیش آسکتا ہے ؟

اسلم :- " اب نہیں پیش آئے گا —— پھر یہی تو دیکھئے میں تیر اندازی بھی اچھی طرح جان گیا ہوں ، تلوار چلانی بھی خوب آتی ہے ، کشتی میں بھی کسی سے دبیل نہیں "

سلیمان (ہنس کر) کب تک اپنے منہ میاں مٹھو بنتا رہے گا بس کر اپنی تعریف زیادہ نہ کیا کر ؟

اسلم :- تو پھر اجازت دے دیجئے ، بہت جی چاہ رہا ہے میرا "

سلیمان :- اچھا ایک شرط سے اجازت دوں گا ؟

اسلم :- فرمایئے وہ شرط کیا ہے ؟

نہ آتا، اس کی ساری دلچسپیاں اور تفریحیں صرف اس وقت تک تھیں جب تک
سلیمان ہیں اور اس میں فصل اور دوری نہ ہو، سلیمان سے دُور رہ کر وہ خوش نہیں
سکتا تھا، کسی دلچسپی اور تفریح میں حصہ نہیں لے سکتا تھا، وہ اب بھی سلیمان کے
ساتھ کھانا کھاتا تھا، اسی کے کمرے میں سوتا تھا، ماں نے لاکھ لاکھ کوشش کی کہ
وہ اندر سویا کرے اور اس کے ساتھ کھایا کرے لیکن وہ ہمیشہ سنی کی ان سنی
کر دیتا، جس طرح ایک ننھا سا بچہ، اپنی ماں کو بے طرح چاہتا ہے، اسی طرح صاحب شعور
و ادراک ہونے کے باوجود اسلم ماں کو، اور ماں سے کہیں زیادہ سلیمان کو چاہتا تھا
ماں کا دکھ ممکن تھا وہ برداشت کر لیتا، لیکن سلیمان کی تکلیف نہیں دیکھ سکتا تھا
ہو سکتا ہے کہ وہ ماں کا دل کبھی الھڑ پنے سے دکھا دے لیکن سلیمان کا دل دکھانے
یہ ناممکن تھا۔

ایک مرتبہ بعض دوستوں کے اصرار سے اس نے شکار کا پروگرام بنایا، چاہتا
تو سلیمان کی اجازت کے بغیر جا سکتا تھا، لیکن وہ سیدھا دادا کے پاس پہنچا اور
ادب سے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا سلیمان نے اس پر ایک نظر ڈالی اور پوچھا!

کیا بات ہے بیٹے؟"

اس نے عرض کیا،

ابا (وہ سلیمان کو ابا ہی کہا کرتا تھا) میں شکار پر جانا چاہتا ہوں ——

سلیمان :۔ شکار پر؟ —— نہیں بھئی مجھے ڈر لگتا ہے! —— میں نہیں
جانے دوں گا!"

اسلم :۔ ڈر کا ہے کا ابا جان؟ کیا میں بچہ ہوں؟"

سلیمان :۔ مغرب سے پہلے واپس آجانا۔"

اسلم :۔ "بہت خوب" یہ شرط مجھے منظور ہے۔!"

سلیمان :۔ ایک بات اور کسی درندہ پر ہاتھ نہ ڈالنا،

اسلم :۔ یہ کیوں ابا جان ؟

سلیمان :۔ بس میرا حکم میری مرضی !

اسلم :۔ بہت خوب اس حکم کی تعمیل بھی صدق دل سے کروں گا !"

دادا سے رخصت ہو کر ماں کے پاس گیا، وہ بیچاری بھی شکار کا نام سُن کر سہم گئی، لیکن اسلم نے اُسے منا لیا اور شکار پر چند دوستوں کے ساتھ روانہ ہو گیا

شکار

راستہ بھٹک کر یہ مختصر سا قافلہ نہ جانے کہاں سے کہاں نکل گیا، یہاں تک کہ شام ہوگئی، اسلم نے اپنے ساتھیوں سے کہا:۔

- اچھا شکار کھیلا آج ہم لوگوں نے ——— نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم،

ایک ساتھی احمد نے کہا،

- پابندیاں بھی تو عاید کر دی تھیں تمہارے دادا جان نے، یہاں نہ جانا وہاں نہ جانا، اس کا شکار نہ کرنا اس کا شکار نہ کرنا، اس طرح بھلا کہیں شکار ملتا ہے شکار گیا اپنی ایسی تیسی میں، اب تو راستہ بھی نہیں مل رہا ہے، اب کیا ہوگا؟

کیا بتاؤں؟ میں خود تمہاری طرح پہلی دفعہ ادھر آیا ہوں، یہ تمہارے دوست طلحہ صاحب بڑے شکاری اور راہ نما بنتے تھے، ان ہی سے پوچھو، شکار کہاں ہے؟ اور راستہ کدھر ہے؟

طلحہ: "بھئی جتنا چاہو برا بھلا کہہ لو، لیکن راستہ تو میں بھول گیا، کیا کروں؟"

اسلم :- تو کیا ہم اسی طرح بھٹکتے پھریں گے ؛

طلحہ :- کیا بتاؤں ؟ چلے چلو کہیں نہ کہیں پہنچ ہی جائیں گے

احمد :- تو پھر کسی سے پوچھ کیوں نہیں لیتے بندۂ خدا ؟"

طلحہ :- کس سے پوچھوں ؟ —— زمین سے یا آسمان سے ؟ یہاں کوئی آدمی ہے بھی ؟"

اسلم :- "یہ تو بہت بُرا ہوا"

طلحہ :- "ہاں بہت بُرا ہوا ، بس ناک کی سیدھ میں چلتے رہو"

اسلم :- کب تک چلتے رہیں ، شام الگ ہوتی جا رہی ہے"

احمد :- اگر رات ہو گئی تو ہم لوگ کہاں ٹھہریں گے ؟"

طلحہ :- مجھے ٹھہرنے کی اتنی فکر نہیں جتنی کھانے کی ہے ، بھوک لگ رہی ہے بڑے زور سے"۔

اسلم :- میرا پیاس کے مارے بُرا حال ہو رہا ہے"۔

احمد :- مجھے بھوک بھی لگی ہے اور پیاس بھی —— کمبخت طلحہ نہ جانے آج ہم لوگوں کی کیا گت بنائے گا"

اسلم :- کان پکڑتا ہوں ، اب اس شخص کی باتوں میں کبھی نہیں آؤں گا !"

طلحہ :- میں نے خود ارادہ کر لیا ہے کہ تم لوگوں کے ساتھ کبھی سیر و شکار کو نہیں نکلوں گا !"

اسلم :- کیوں بھئی ہماری کیا خطا ہے ؟"

طلحہ :- اس سے بڑی خطا کیا ہو گی کہ بالکل بُدھو ہو ، یہ بھی نہیں جانتے شکار

کہاں ملتا ہے؛ اور راستہ کدھر جاتا ہے ؛ ایسے لوگ بھلا اس قابل

ہیں کہ اُن کے ساتھ کہیں جایا جائے؟"

:- لیکن رہنمائی کا دعویٰ تو تم نے کیا تھا!

:- مذاق میں آدمی ہزاروں باتیں کہہ ڈالتا ہے"

م:- ارے تو تم مذاق کر رہے تھے؛ ——— ہم لوگ مذاق ہی مذاق

میں یہاں آئے تھے؛

:- اور کیا ——— سچ میں ادھر کبھی نہیں آیا۔"

:- آخر اس بے تکے مذاق کی کیا ضرورت تھی؟

:- مذاق میں اگر تُک دیکھا جائے تو وہ مذاق ہی کہاں رہا؟

:- آخر ہم لوگ اب کیا کریں؟"

:- میں کیا بتاؤں؟ جو کچھ حشر تم سب کا ہوگا، وہی میرا بھی ہوگا، اب تو

پھنس ہی گئے۔"

لم:- گویا خطا ساری ہماری ہے"۔

:- "ہماری نہیں ——— صرف تمہاری ——— !

لم:- "وہ کیسے"؟

:- "تم مجھے ہمیشہ جھوٹا کہا کرتے تھے ——— کہا کرتے تھے یا نہیں؛

سلم:- "ظاہر ہے جھوٹے کو سچا کون کہے گا"؟

:- "پھر آج میری بات پر کیوں اعتبار کر لیا"؟

سلم:- "واقعی بڑی غلطی ہوئی"

گھاٹ پر پہنچے، آس پاس کئی خیمے ایستادہ تھے اور لوگ کھانے پینے کی تیاریوں میں مشغول تھے!

طلحہ :- خدا کا شکر ہے، محنت سوارت ہوئی، بہت ٹھیک وقت پر ہم پہنچے"

احمد :- "یعنی کھانے کے وقت"

طلحہ :- "اور کیا؟ —— چلو یہ سامنے جو بڑا سا خیمہ نظر آتا ہے، اس طرف چلو، وہاں ابھی مہمانداری ہوگی —— آؤ میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو؟"

خیمہ کے سامنے ایک مرد بزرگ کھڑا ہوا تھا —— سفید داڑھی، سفید لباس سفید عمامہ، ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے وہ کسی کے انتظار میں ہو، طلحہ اور اسلم و احمد کو دیکھ کر وہ گویا ہوا،

"آپ لوگ کہاں سے آرہے ہیں؟"

طلحہ نے جلدی جلدی اپنی سرگذشت سنائی، بوڑھے نے ایک ادائے تمکنت کے ساتھ تبسم کرتے ہوئے کہا۔

"خدا کا شکر کرو کہ یہاں پہنچ گئے، ورنہ ایسے خطرناک راستے پر پڑ گئے تھے کہ نہ جان کی خیر تھی نہ مال کی"

طلحہ :- "یہ کیوں؟"

شیخ :- "اس لئے کہ اس راستہ پر درندوں کا گذر بھی ہوتا رہتا ہے، اور لٹیرے بھی اُدھر سے گذرتے رہتے ہیں، جس کے پلے پڑ جاتے خیر نہیں تھی۔"

اسلم بول پڑا،

"لیکن ہم نہتے نہیں تھے!"

ہو کر بھاگتے ہیں اسلم اور احمد دونوں اس سے ڈرتے ہوئے بولے: "تم ٹھوکریں کھاتے پھرو گے؟"

طلحہ :- تو اب اس غلطی کا تدارک سوچو، ورنہ یہیں ٹھوکریں کھاتے پھرو گے؟

اسلم :- میں مرنے سے نہیں ڈرتا،

طلحہ :- وہ تو معلوم ہے نہیں ڈرتے، ڈرتے ہوتے تو یہاں تک آتے کیوں؟ لیکن
میں تو ڈرتا ہوں، میں نہیں مرنا چاہتا بھائی!"

اسلم :- عجیب مصیبت میں پھنسا دیا تم نے؛ ابا جان نے تاکید کی تھی کہ مغرب سے
پہلے آجانا - اور مغرب کا وقت بھی ہو گیا"

احمد :- اب تو اندھیرا پھیلتا جا رہا ہے، ہمارے پاس نہ مشعل ہے نہ روشنی، اس
اندھیرے میں سفر کیسے جاری رکھیں گے"؟

طلحہ :- گھوڑے الگ تھک گئے ہیں"-

احمد :- اور وہ تمہاری طرح بھوکے بھی ہوں گے"!

اسلم :- تمہیں مذاق کی سوجھی ہے، اور میں پریشان ہوا جا رہا ہوں، ابا جان کی جا
پر بنی ہو گی انتظار میں، اس کمبخت طلحہ نے کہیں کا نہ رکھا"

طلحہ :- "خالی خولی گالیوں سے کیا ہو گا؟ مار لو جی بھر کے"

اسلم :- "جی تو یہی چاہتا ہے"!

طلحہ :- "تو پھر انتظار کاہے کا ہے"؟

یکایک احمد بول پڑا،

"دیکھنا وہ داہنی طرف روشنی سی نظر آ رہی ہے —— ہے نا؟"

اسلم :- "ہاں روشنی تو نظر آ رہی ہے، ضرور وہاں کوئی آبادی ہے!"

ان لوگوں نے گھوڑوں کی باگ ڈور اسی طرف موڑ دی، تھوڑی دیر کے

شیخ مسکرایا، اس نے محبت بھری نظروں سے اسلم کو دیکھا اور کہا :-

"بڑے بہادر معلوم ہوتے ہو ——— کیا نام ہے تمہارا ؟"

اسلم :- مجھے اسلم کہتے ہیں!

شیخ :- اس تلوار سے تم نے کبھی کام بھی لیا ہے میاں صاحبزادے ؟

اسلم :- "لیا بھی ہے اور لے بھی سکتا ہوں ——— ورنہ ہاتھ میں ہوتی کیوں

شیخ :- (مسکرا کر) اچھا بھئی، تم لوگ آج کی رات ہمارے مہمان ہو، صبح ہمارا آدمی تمہیں

شہر تک پہنچا آئے گا ——— آؤ! ———

شیخ نے ایک ملازم سے کہا، گھوڑوں کی رکھوالی کرے، دوسرے کو حکم دیا

کہ اسی وقت ایک مینڈھا ذبح کیا جائے اور فوراً پُرتکلف کھانا تیار کیا جائے

پھر وہ ان سب کو لے کر خیمہ کے مردانہ حصہ میں آیا، اور تپاک و محبت کے ساتھ

باتیں کرنے لگا!

یوں تو شیخ، احمد اور طلحہ سے بھی اخلاق و تپاک کی باتیں کر رہا تھا، لیکن

سے زیادہ مانوس نظر آرہا تھا، باتیں کرتے کرتے اس نے کہا :-

"نہیں دیکھ کر اور تمہاری باتیں سنکر مجھے خوشی ہوئی ہے، کچھ اپنائیت سی محسوس

کرتا ہوں، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تم میرے بچے ہو، جیسے میں تمہارا باپ ہوں

اسلم نے ادب کے ساتھ جواب دیا -

"یہ آپ کی محبت ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ آپ نے جو برتاؤ ہم نووارد

انجان مسافروں کے ساتھ روا رکھا ہے، اس سے میں بھی ایسا ہی محسوس کرتا ہوں

میں کسی غیر جگہ نہیں، اپنے گھر ہی میں ہوں !

شیخ :۔ ہاں بیٹے تم نے اپنے والد کا نام کیا بتایا تھا ؟"

اسلم :۔ شیخ سلیمان ——— میرے والد نہیں دادا ہیں، والد کا تو بہت دن ہوئے، انتقال ہو گیا، جب میں بچہ تھا!"

شیخ :۔ اچھا تو وہ تمہارے دادا ہیں ؛ کیا عمر ہو گی ان کی ؟"

اسلم :۔ ستر برس کے قریب سن ہو گا ان کا!"

شیخ :۔ کیا کرتے ہیں وہ ؟"

اسلم :۔ اب تو کچھ نہیں کرتے۔"

طلحہ :۔ وہ آرام کرتے ہیں۔"

شیخ ہنسنے لگا!

"ہاں بیٹے یہ عمر آرام ہی کی ہوتی ہے!"

اتنے میں ملازم نے آکر اطلاع دی کہ کھانا تیار ہے، شیخ نے کہا :۔

"آؤ چلو کھانا کھا لو"

احمد اور طلحہ فوراً تیار ہو گئے، لیکن اسلم نے طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے کھانے سے انکار کر دیا، لاکھ لاکھ اصرار کیا گیا، مگر وہ کسی طرح بھی کھانے پر تیار نہ ہوا۔

اور ایک یہ ہیں ہمارے دوست اسلم صاحب آج ہی آپ کو فاقہ کی سوجھی ہے۔

احمد :۔ جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی ! اب بھی وقت ہے کھالو کچھ ؟

اسلم :۔ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے !"

طلحہ :۔ لو بھئی خفا ہو گئے حضرت !"

احمد :۔ اب سو رہو تا کہ کھانا اچھی طرح ہضم ہو، صبح ڈٹ کر ناشتہ کرنا ہے، پھر چلنا ہے۔

طلحہ :۔ ہاں چلے جانا تم لوگ !"

احمد :۔ اور تم ———— ؟"

طلحہ :۔ میں تو ابھی چند روز یہاں رہوں گا بھئی !"

احمد :۔ کھانا کھانے کے لئے ؟"

طلحہ :۔ یہی سمجھ لو"

اسلم :۔ بکنے دو، اس شخص کو، چلے گا کیسے نہیں ؟"

احمد :۔ ہاں چلنا تو پڑے گا، نہ چلا تو خود شیخ اگر دھکے دے کر نہ نکال دے تو میرا نام بدل دینا"

اسلم :۔ شیخ بھی حیران رہ گیا ہو گا کہ کیسا بلا کا کھانے والا آگیا ؟

احمد :۔ ہاں اور کیا ؟ ———— میں دیکھ رہا تھا، طلحہ کی بے تابی پر وہ مسکرا بھی رہا تھا، اور ماتھے پر شکنیں بھی پڑی تھیں"

اسلم :۔ وہ تو ہونا ہی چاہیئے"

پُرلطف باتیں

اسلم ان لوگوں کے جانے کے بعد چُپ چاپ بیٹھ گیا، جب یہ لوگ کھانا کھ
کر واپس آئے تو طلحہ نے ہاتھ سے منہ پونچھتے ہوئے کہا:۔

"بڑے مزے کا کھانا تھا! ———

احمد بولا:۔ "ہاں بڑا لذیذ تھا ——— لیکن تم بہت بیہودہ آدمی ہو

طلحہ:۔ یہ کیوں بھائی ؛ کیا کیا میں نے ؟

احمد:۔ بھلا غیر جگہ کوئی اس طرح ندیدہ بن کر کھاتا ہے ؟"

طلحہ:۔ بات تو معقول ہے لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کھانا خود آدمی کو ند
بننے پر مجبور کر دیتا ہے ——— سچ کہنا، گوشت کتنا عمدہ تھا ؛
کلیجی کتنی اچھی تھی ؛ اور وہ ران کی بوٹی ؛ ——— سچ پوچھو تو
جی ابھی تک نہیں بھرا"۔

احمد:۔ یعنی لے تو ابھی اور کھانے کو تیار ہو ؟"

طلحہ:۔ کیوں نہیں ——— ایسا کھانا کہیں روز روز ملتا ہے ؛

طلحہ :- اب اسے آپ مجھ پر اور شیخ صاحب پر چھوڑ دیئے اور سو جائیے چپ
چاپ ــــ ہاں!"

اسلم :- کیوں سو جائیں ؛ نہیں سوتے، ہم تو ابھی جاگیں گے!"

طلحہ :- تو یہ کیوں نہیں کہتے کہ بھوک کے مارے نیند نہیں آ رہی ہے؟"

:- اتنے میں شیخ آ گیا، اُس نے آتے آتے شاید طلحہ کی بات سن لی تھی، داخل
ہوتے ہی کہا :-

"کیسے بھوک کے مارے نیند نہیں آتی؟"

یہ لوگ ہنسنے لگے، شیخ نے اسلم سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا :-

"بیٹے اب طبیعت کیسی ہے؟"

وہ بولا،

"اچھی ہے ــــ یوں ہی ذرا سلمندی سی ہے!"

شیخ :- زیادہ نہیں دو چار لقمے کھاؤ تو توانائی آ جائے گی۔

اسلم :- اگر کھا سکتا تو ضرور کھا لیتا، لیکن فرمائیے، بالکل خواہش نہیں ہے!

شیخ :- ہم بادیہ نشینوں کا کھانا تمہیں اچھا ہی کیا لگتا ؛ ــــ تم نے نہیں
کھایا، ہماری شرم رہ گئی،

طلحہ :- یہ آپ کیا فرماتے ہیں، اتنا لذیذ کھانا میں نے زندگی بھر نہیں کھایا۔

احمد :- ایسی باتیں کر کے ہمیں شرمندہ نہ کیجئے"

اسلم :- مجھے یہاں آ کر جتنی خوشی ہوئی تھی، آپ کی منافرانہ باتوں سے اتنا ہی
ہوا ــــ میں آپ کو اپنا بزرگ سمجھتا ہوں، اور آپ میرے بار

میں ایسے خیالات رکھتے ہیں! ——— ؟

شیخ :- "اچھا بیٹے! میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں، اب تو خوش ہوئے تم ؟"

اسلم مسکرانے لگا۔

شیخ :- "کیا واقعی تم صبح چلے جاؤ گے ؟"

طلحہ :- "جی ہاں یہ ہمارے اسلم صاحب اپنا فیصلہ بدلا نہیں کرتے ——— لاڈلے بیٹے ہیں نا ماں باپ کے!"

شیخ :- یہاں کوئی روز روز تو آنا ہو نہیں سکتا۔ آئے ہو تو دو چار دن رہو، سیر کرو، شکار کھیلو پھر چلے جانا۔ ہاں !

طلحہ :- مجھے تو کوئی عذر نہیں !

شیخ :- "میں تم سے نہیں اسلم سے کہہ رہا ہوں اُسے جواب دینے دو !"

اسلم :- "آپ کا ارشاد سر آنکھوں پر" ———

شیخ :- "تو تم نے میری درخواست مان لی ؟"

اسلم :- عم محترم کل تو میں کسی طرح نہیں رک سکتا، لیکن یہ وعدہ کرتا ہوں کہ پھر چند روز کے لئے ضرور آجاؤں گا، اور انشاء اللہ کئی دن تک آپ کی مہمانی کی لذت حاصل کروں گا۔"

شیخ :- "وعدہ کرتے ہو ؟"

اسلم :- "جی صدق دل سے !"

طلحہ :- "اگر یہ بھول گئے، تو میں یاد دہانی کراؤں گا، مطمئن رہیے۔"

اسلم :- "لیکن تمہیں اپنے ساتھ اب ہرگز نہ لاؤں گا۔"

محبّت کا تیر

اسلم بہت سویرے اُٹھنے کا عادی تھا، سلیمان نے اُسے نماز کا بھی پابند بنا دیا تھا، چنانچہ حسبِ معمول وہ صبح تڑکے بیدار ہو گیا، طلحہ اور احمد بھی سو رہے تھے، حوائج ضروری سے فارغ ہو کر وہ گھاٹ پر گیا، وہاں وضو کیا، اور وہیں ایک گوشہ میں نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا،

اس وقت کا منظر بڑا دلچسپ تھا، سپیدۂ سحر نمودار ہو چکا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، چڑیاں بسیرا لے چکی تھیں اور اب پر پرواز تول رہی تھیں کہ صبح ہو گئی، نشیمن سے نکلیں، اور تلاشِ روزگار میں فضا کا چکر لگانے لگیں نماز پڑھنے کے بعد اسلم وہیں بیٹھ گیا، منظر کی جاذبیت نے اُسے مسحور کر لیا تھا!

جب وہ گھاٹ پر آیا، تو تنہا تھا، لیکن نماز پڑھنے کے بعد اُس نے دیکھا کہ ایک خوبرو اور خوش اندام لڑکی پانی بھر رہی ہے، اسلم کا دل اب تک محبّت کی کسک سے ناواقف تھا، وہ حسین کو حسین سمجھتا تھا، لیکن حسن سے محبت کرنا اُس نے نہیں سیکھا تھا،

شیخ :- (مسکرا کر) یہ کیوں ؟ کیا خطا کی انہوں نے ؟"

اسلم :- "ساری مصیبت کی جڑ یہی ہیں ؟ انہی نے ہمیں بھٹکایا اور پریشان کیا

طلحہ :- "غلطی آدمی ہی سے ہوتی ہے"۔

اسلم :- "اور آدمی کی نشانی یہ بھی ہے کہ وہ غلطی سے تجربہ حاصل کرے"۔

شیخ :- (زور سے ہنس کر) ذہین بہت ذہین بیٹے، اسلم واقعی تم بہت ذہین
لاجواب کر دیا تم نے اپنے ساتھی کو، حالانکہ یہ بھی بڑے چرب زبان وا
ہوئے ہیں !"

طلحہ :- "آپ بھی انہی کا ساتھ دینے لگے، پھر تو واقعی مجھے لاجواب ہونا پڑ
بڑی دیر تک اسی طرح دلچسپ اور پُرلطف باتیں ہوتی رہیں، پھر
اُٹھ گیا، اور یہ لوگ اپنے اپنے بستروں پر سو گئے۔

یہ لڑکی جو تنہا گھاٹ پر پانی بھر رہی تھی، اُسے بڑی حسین نظر آئی، اور ساتھ
ہی ساتھ، نہ جانے کیا بات تھی کہ اس کا جی چاہا اُسے دیکھتا ہی رہے، نظریں نہ
ہٹائے اس کے چہرے سے، پھر جی چاہا اُس کے قریب جائے، اس کے پاس بیٹھے
اس سے باتیں کرے، لیکن ہمّت نہ پڑی، اور وہ لڑکی ایک عرب لڑکی کی طرح
پوری بے پرواتی اور پورے انہماک سے اپنے کام میں لگی رہی، اس نے قطعاً
اس طرف توجہ نہیں کی، کہ کون سامنے ہے اور اُسے دیکھ رہا ہے یا نہیں؟
اور اگر دیکھ رہا ہے تو کیوں؟ کس لئے؟ کس مقصد سے؟

کچھ دیر کے بعد اسلم کو یہ اپنا گھورنا اور دیکھنا خود ہی ناگوار گذرا، اس نے
سوچا میں کیسی حماقت کر رہا ہوں، پھر یہ لڑکی تو حد سے زیادہ سادہ لوح معلوم
ہوتی ہے، لیکن میں تو مرد ہوں سمجھدار ہوں، باشعور ہوں، وہ کام کر رہی ہے
میں بیکار ہوں، کسی نے اگر دیکھ لیا تو یہی کہے گا، یہ عجیب آوارہ منش شخص ہے
جو یہاں بیٹھا معصوم صفت اور نیک سرشت لڑکیوں کو گھور رہا ہے، اور اگر
کہیں میرے میزبان شیخ کو میری اس حرکت کا علم ہوا تو اس کی نظر میں بھی ذلیل
اور رسوا ہو جاؤں گا، کیا رائے قائم کرے گا، وہ میرے اخلاق اور کردار کے بارے
میں؟

یہی سوچتا اور اپنے اُوپر نفرین کرتا وہ اُٹھا اور خیمہ کی طرف واپس چلا
جاتے وقت اس دوشیزہ کے بالکل قریب سے گذرا، دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں
دوشیزہ نے شرما کر نظریں جھکالیں اور وہ اس پر نظرے خوش گذرے ڈالتا اپنے
خیمہ کی طرف بڑھا۔

مشکل سے چند قدم آگے بڑھا ہوگا کہ کان میں دھماکے کی آواز آئی، ایسا معلوم ہوا جیسے تالاب میں کوئی چیز گری ہے، اور گرنے کے ساتھ ہی ایک دل دوز آواز بھی اور یہ آواز کسی مرد کی نہیں، عورت کی تھی،

کہیں یہ وہی تو نہیں؟

کہیں وہی دوشیزہ تو پانی میں نہیں گر پڑی؟

بجلی کی طرح یہ خیال دماغ میں آیا اور وہ خیمہ کی طرف جانے کے بجائے تالاب کی طرف پلٹ پڑا،

اس کا اندیشہ صحیح نکلا!

وہ دوشیزہ نہ جانے کس طرح پانی میں گر پڑی تھی، اور ڈبکیاں کھا رہی تھی، اسلم نے سوچا،

"مجھے اس کی مدد کرنی چاہیئے، یا نہیں——؟

ایک نوجوان اور غیر محرم لڑکی کی مدد، ایک نوجوان اور غیر محرم مرد کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

لیکن اگر میں یہی سوچتا رہا تو وہ ڈوب جائے گی!

کسی کی جان بچانا، ہر اصول سے بالا ہے!!

یہ سوچتے ہی وہ جھم سے تالاب میں کود پڑا، اور تیرتا، پانی کا سینہ چیرتا، تیزی سے دوشیزہ کی طرف بڑھا، وہ کئی غوطے کھا چکی تھی، اور شاید یہ اس کا آخری غوطہ تھا کہ دفعتہً اسلم نے اس کے لمبے لمبے بالوں پر ہاتھ ڈالا، اور اسے اپنی طرف گھسیٹ لیا، اور اسی طرح وہ اسے کھینچتا کنارے پر لے آیا، پھر اسے تالاب سے باہر

عورتوں نے اُسے خیمہ سے باہر کر دیا، یہاں سے اُٹھ کر وہ اس خیمہ میں آیا، جہاں مہمان ٹھہرے ہوئے تھے، اسلم کپڑے بدل چکا تھا، احمد اور طلحہ اب تک سو رہے تھے، اسلم ایک عجیب پریشانی کے عالم میں ٹہل رہا تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ میں نے جو کچھ کیا یہ اچھا تھا یا برا ؟ اس کا انجام کیا ہو گا ؟ شیخ خفا تو نہیں ہو جائے گا کہ میں نے اس کی لڑکی کو تالاب سے نکالا اُس کے بدن میں ہاتھ لگایا، اُسے کاندھے پر لاد کر لایا ؟ اگر وہ خفا ہو گیا، اگر اس نے برا مانا تو میں کیا منہ دکھاؤں گا اُسے ؟

شیخ کو آتا دیکھ کر وہ اور سہم گیا، لیکن شیخ نے اس کی اس کیفیت پر غور نہیں کیا، وہ آگے بڑھا اور اس نے بڑی محبت سے کھینچ کر اُسے سینہ سے لگا لیا۔

"میرے بچے ——— آج تو نے دو جانیں بچائی ہیں، ایک میری اور ایک عائشہ کی، اگر وہ مرجاتی تو میں بھی زندہ نہ رہتا، مجھ بوڑھے کی زندگی اسی کے دم قدم سے وابستہ ہے ؟"

اور یہ کہہ کر وہ پھر رونے لگا، !

نکالا، اور کاندھے پر ڈال کر، خیمہ کی طرف بڑھا کر وہاں یہ امانت سپرد کردے!

خیمہ کے دروازے پر شیخ کھڑا مل گیا، اس نے اس طرح جو اسلم کو آتے دیکھا، تو گھبرا گیا، زور سے چیخا،

"یہ کیا ہوا؟ ——— یہ کون ہے؟ ——— تم کسے کاندھے پر لادے لا رہے ہو؟"

اسلم نے کہا:-

"یہ لڑکی پانی بھر رہی تھی تالاب پر، میں ادھر وضو کرنے اور نماز پڑھنے گیا تھا، نہ جانے کس طرح یہ تالاب میں گر پڑی، میں اگر نہ بچاتا تو یہ ڈوب جاتی"

شیخ قریب آچکا تھا، اس نے لڑکی کو دیکھا اور بے تابی کے ساتھ پکار اٹھا

"عائشہ ——— میری عائشہ، میری بیٹی، میری بچی! ——— آہ یہ کیا ہوا؟"

اسلم شیخ کی یہ باتیں سن کر سٹ پٹا گیا، اور اپنے بھیگے ہوئے کپڑے بدلنے کے لئے جلدی سے خیمہ کے اندر پہنچ گیا،

اتنے میں آس پاس کے خیموں سے بہت سی عورتیں آگئیں، انہوں نے بیہوش عائشہ کو اٹھا اٹھا کر، پانی نکالا، اور تیمارداری کی، بڑی دیر میں وہ چونکی، اور اس نے ہاتھ پاؤں ہلائے، شیخ اس کے پاس ہی کھڑا بچوں کی طرح رو رہا تھا، اسے آنکھ کھولتے دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی،

"آہ میری بچی، خدا نے تجھے بچا لیا،"

اور یہ کہہ کر وہ رونے لگا!

دو آنکھیں

احسان ایک بادیہ نشین عرب تھا، اس کی رگوں میں خالص عربی خون گردش
کر رہا تھا، پاسِ وعدہ، بات کی پچ، راست گوئی، وضع کا نباہ شرافت اور شجاعت
اس کا طرۂ امتیاز تھا، بہت دنوں سے وہ اس بادیہ میں مقیم تھا، اور یہاں
جتنے گھرانے آباد تھے، اُنھوں نے اس کی بزرگی اور بہادری کے پیش نظر اپنا سرد
مان لیا تھا، سب اس کا ادب کرتے تھے، اس کی بات مانتے تھے، باہمی نزاعات
میں جو فیصلہ کر دیتا، وہ حرفِ آخر مانا جاتا، کسی کی مجال نہیں تھی کہ اس بات پ
چوں کر سکے، اپنے اس اقتدار سے وہ کبھی ناجائز فائدہ نہیں اُٹھاتا تھا، سب
کو اپنا عزیز قریب سمجھتا تھا، بیماروں کی تیمارداری، غریبوں کی مدد، مظلوموں
کی پشت پناہی خطرہ کے وقت سب سے آگے ہو کر سینہ سپر ہو جانا، اس
سرشت تھی، خوف اور دہشت کے الفاظ اس کے لغت میں تھے ہی نہیں، ا
بوڑھا ہو چکا تھا، لیکن بڑا جیالا، اور من چلا تھا، وہ صلح پسند بھی تھا، لی
خود داری، آن، اور شان کا سوال جب درپیش ہو تو وہ مردِ میدان تھا، ج

جنگ مسلط کر دی جائے، جب دشمن رعایت اور مروّت اور احسان کو کمزوری سمجھنے لگے، تو پھر اس سے بڑھ کر جنگجو بھی کوئی نہ تھا،

عائشہ احسان کی لڑکی تھی، ساری عمر کی منت اور دعا تعویذ کے بعد یہی ایک لڑکی پیدا ہوئی، اس کی پیدائش کے چند ہی دن بعد ماں مرگئی، جب سے احسان ماں اور باپ دونوں کے فرائض انجام دے رہا تھا، اکلوتی اولاد سے سب ہی پیار کرتے ہیں، لیکن احسان کا معاملہ سب سے جدا تھا، وہ دیوانہ وار اپنی اس بچی سے محبت کرتا، اس پر جان چھڑکتا تھا۔

اور سچ پوچھئے تو عائشہ تھی بھی اس قابل، وہ کون سی خوبی تھی، جو اس میں نہیں تھی؟

وہ خوبصورت تھی، حسین تھی، طرحدار تھی، ہر گن کی پوری تھی، سینا پرونا، پکانا، ریندھنا، سب کچھ جانتی تھی، بے انتہا شستعلیق اور سراپا شائستگی، قبیلہ کی عورتیں اور لڑکیاں، اس پر بُری طرح فریفتہ تھیں، بڑی بوڑھیوں کے سامنے اس سے بڑھ کر با ادب، باسلیقہ اور ہنرمند کوئی نہیں تھا، اور سہیلیوں کے جھرمٹ میں وہ ایک وفادار اور ہر موقع پر ساتھ دینے والی سہیلی تھی، کسی کی توہین نہیں کرتی تھی، کسی سے لڑتی نہیں تھی، کسی کو پریشان نہیں کرتی تھی، سب سے محبت سے پیش آتی، کسی کا کام کر سکتی تو ضرور کر دیتی، کوئی تقریب ہو تو وہ گھر کا سارا انتظام اپنے ذمہ لے لیتی، گھر والے بھی مطمئن ہو جاتے کہ اب فکر کی ضرورت نہیں، عائشہ سب کچھ کرلے گی،!

اور گھر کے اندر ——— ؟

نہیں ——

نہیں میں شادی نہیں کرتی ، درگزری اس خیال سے ، میری سب سے بڑی خوشی یہی ہے کہ اپنے بوڑھے باپ کی خدمت کروں ،

میں شادی ہی نہیں کرنے کی !

یہ خیالات جس تیزی سے آتے ، اسی تیزی سے رخصت ہو جاتے ، قبیلہ کے لوگ بھی اس صورت حال سے واقف تھے ، لہٰذا نہ وہ چہ میگوئیاں کرتے نہ باز پرس ، نہ غور و فکر -

اور آج جب عائشہ تالاب میں گری ، اور اسلم اُسے کاندھے پر لاد کر لایا ، اس وقت تو وہ خود نیم بیہوشی کے عالم میں تھی ، لیکن ہوش میں آنے کے بعد سب سے زیادہ فکر یہی تھی کہ میری جان بچانے والا کون شخص تھا ؛

یہ تو اُسے معلوم ہوتا تھا کہ رات کو جو مہمان آئے تھے ، ان میں سے ایک نے اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر اس کی جان بچائی تھی ، اور یہ جان بچانے والا وہی تھا جو گھاٹ پر ذرا پرے کھڑا اُسے غور سے دیکھ رہا تھا —— لیکن یہ کون تھا —— ؟

اور یہ سوچتے سوچتے وہ مسکرادی —— !

وہ اپنی جان بچانے والے کا تجزیہ کرنے لگی ، !

کتنا خوبصورت اور طرحدار تھا وہ شخص ، مہذب اور شائستہ بھی تھا دور ہی سے نظارہ کرتا رہا ، قریب آنے کی ہمت نہ کی ، شریف ہی ہے ، شریف نہ ہوتا تو بھلا ایک لڑکی کے لئے اپنی جان کیوں خطرہ میں ڈالتا ، ؟

گھر کے اندر بھی وہ اپنی خوبیوں کے اعتبار سے یکتا تھی !

احسان کے کھانے پینے کا جتنا وہ خیال کرتی ، اگر ماں بھی زندہ ہوتی تو ا نہ رکھتی ، وقت پر ناشتہ دینا ، وقت پر کھانا تیار کرنا ، اس کی عدم موجودگی میں بھیڑوں اور بکریوں کا دودھ دوہنا ، اگر کوئی مہمان آجائے تو اس کے لئے پر تکلف کھانے پکانا ، ضرورت ہو تو گھاٹ پر جاکر پانی بھر لانا یہ سارے کام وہ اس پھر اور مستعدی سے کرتی کہ ایسا معلوم ہوتا ، جیسے اس کی تخلیق ہی اس لئے ہوئی ہے کہ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک اپنے آپ کو انہی کاموں میں مصروف

عائشہ اپنی زندگی کی چودہ بہاریں دیکھ چکی تھی ، گویا جوانی کی دہلیز قدم رکھ چکی تھی ، عربوں کے عام دستور کے مطابق اب تک اس کی شادی ہو چاہیئے تھی ۔ لیکن نہ احسان نے اب تک اس طرف توجہ دی تھی نہ خود عائشہ کے دل یہ تمنا مچلی تھی ——————— کہ وہ کسی کی دلہن

احسان سوچا کرتا تھا اگر عائشہ بیاہ کرکے چلی گئی تو میں کیا کروں گا ؛ میری بھال اور رکھوالی کون کرے گا ؛ اور یہی خیال عائشہ کے دل میں بھی آ

شادی کے بعد میں ابا کی نہیں کسی اور کی ہو جاؤں گی ، وہ کھانا کھا نہ کھائیں کوئی پوچھنے والا نہ ہوگا ، وہ ناشتہ کریں یا نہ کریں کوئی پرسش لگا ، کپڑے پھٹے ہوں یا میلے ہوں ، کسی کو کیا پروا ؛ اگر خدا نخواستہ کبھی پڑے تو تیمارداری کرنے والا ، دوا تیار کرنے اور پھر پلانے والا ، رات اُٹھ کر خبر لینے والا کون ہوگا ؟

کوئی نہیں !

اور ہاں ـــــ اگر خدانخواستہ میرے ساتھ وہ بھی ڈوب جاتا ـــــ

ـــــ تو ؟

میں تو اپنی غلطی سے گری تھی۔ نہ جانے کیوں جی چاہا کہ اُسے دیکھوں میں نے اُسے دیکھا لیکن اچھی طرح دیکھ بھی نہ پائی تھی کہ پاؤں پھسلا اور دھڑام سے تالاب میں،

ہاں تو اگر خدانخواستہ مجھے بچانے میں وہ ڈوب جاتا تو ؟

اس کے ماں باپ کو کتنا صدمہ ہوتا ؟ کتنا کوستے وہ مجھے، کہ ایک بدبخت لڑکی اپنے ساتھ ایک شریف، کریم اور پاک دامن نوجوان کو بھی لے ڈوبی، ـــــ مجھے اپنے بچ جانے کی اتنی خوشی نہیں ہے جتنی اس نوجوان کے بچ جانے کی ـــــ ہاں اس کا نام اسلم ہے، ابا جان کہہ تو رہے تھے مجھ سے، اگر اسلم نہ ہوتا تو آج تالاب سے تیری لاش نکلتی !

اسلم ! نام بھی کتنا اچھا ہے، ویسا ہی جیسے وہ خود !!

نہ جانے یہ اسلم صاحب کہاں کے رہنے والے ہیں ؟ کیوں آئے تھے ؟ کہاں جائیں گے ؟ کیا کرتے ہیں ؟ ـــــ اور اب پھر کبھی آئیں گے بھی لیکن مجھے کیا ؟ آئیں یا نہ آئیں، کہیں کے بھی ہوں، کوئی بھی ہوں، مجھے یہ باتیں سوچنے کا کیا حق ہے ؟

نہیں کیوں نہیں حق ہے ؟

ضرور ہے ! ـــــ !

کیسے نہیں ہے !

جس شخص نے میری جان بچائی جس نے مجھے بچانے کے لئے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال دیا، جو میرا اور میرے باپ کا اتنا بڑا محسن ہے، اس کے بارے میں بھی مجھے سوچنے کا حق نہیں؟

ہے اور ضرور ہے

تو یہ باتیں میں کس سے کہوں؟ کیا ابا میاں سے؟

نہیں اُن سے پوچھتے شرم آئے گی، میں ان سے نہیں پوچھ سکتی!

پھر ——— ؟

خیر پھر کبھی دیکھا جائے گا!

عائشہ عالم خیال میں یہی باتیں سوچ رہی تھی کہ احسان وارد ہوا، اُسے اس محویت میں دیکھ کر اس نے پوچھا:-

"کیسی ہو بیٹی؟"

وہ چونک پڑی: "اچھی ہوں ابا جان!"

احسان:- پھر اس طرح چپ چپ کیوں بیٹھی ہے؟

عائشہ:- یونہی ——— انتظار کر رہی تھی کہ مہمانوں نے ناشتہ کر لیا ہو تو برتن دھو کر رکھ دوں!

احسان:- ہاں انہوں نے ناشتہ کر لیا، برتن، عمار (خادم) لے کر آتا ہوگا لیکن عجیب بات ہے بیٹی!

عائشہ: کون سی بات ابا جان!

احسان: ہمارا وہ محسن اسلم ——— جس نے تیری جان بچائی ہے ———

عائشہ :- جی، جی، کیا ہوا انہیں ؟

احسان :- نہ اس نے رات کو ایک لقمہ کھایا، نہ اس وقت ناشتہ کیا، لاکھ لاکھ میں اصرار کرتا رہا،

عائشہ :- (افسردگی سے) یہاں کا کھانا انہیں اچھا نہیں لگا ہوگا !

احسان :- نہیں بیٹی، یہ نہ کہو، یہ اس کی توہین ہے —— وہ بڑا نیک اور شریف ہے، اس نے تو کھانے کی صورت بھی نہیں دیکھی، اس خیمہ میں بھی نہیں گیا، جہاں اس کے دوسرے ساتھیوں نے کھانا کھایا !"

عائشہ :- ممکن ہے کچھ طبیعت خراب ہو ؟

احسان :- ہو سکتا ہے —— لیکن بظاہر تو اچھا خاصا معلوم ہوتا ہے — بس ایک رٹ ہے، اب اجازت دیجئے جانے کی !"

عائشہ :- یہاں کیا جی لگ سکتا ہے ان کا، وہ شہر کے رہنے والے اس بادیہ میں کہاں رہ سکیں گے ؟

احسان :- نہیں بیٹی یہ بات نہیں، وہ تو بادیہ کی زندگی کو بہت پسند کرتا ہے، خاص طور پر ہماری یہ بستی تو اسے بے حد پسند آئی،

عائشہ :- ابا آپ یونہی کہہ رہے ہیں -

احسان :- نہیں بیٹی وہ خود کہہ رہا تھا !

عائشہ :- پھر اتنی جلدی جا کیوں رہے ہیں ؟

احسان :- اس کی وجہ یہ ہے، وہ اپنے دادا سے —— باپ تو بیچارہ کا مر چکا ہے، نہیں نہیں شہید ہو چکا ہے —— وعدہ کر کے نکلا تھا

شام تک شکار سے واپس آجائے گا، لیکن راستہ بھول گیا، لہٰذا ساری رات یہیں گذارنی پڑی، اور اب کہیں شام تک وہاں پہنچ جائے گا۔ پھر کھائے گا اپنے دادا کے ساتھ!

عائشہ:۔ مسلسل فاقہ اور اتنا طویل سفر؟

احسان:۔ کیا کروں؟ بہت کہا، لیکن وہ مانتا ہی نہیں!

اتنے میں عمار آیا، اُس نے کہا:۔

سامان سفر تیار ہو چکا ہے، مسافر اجازت چاہتے ہیں!

احسان نے کہا، ہاں چلو چلو!

عائشہ پھر اکیلی رہ گئی، اور احسان عمار کے ساتھ باہر پہنچا، اسلم نے کہا:۔

"چچا اب اجازت دیجئے"!

احسان:۔ ضرور جاؤ بیٹے، لیکن اپنا وعدہ پورا کرنا؟

اسلم:۔ سر آنکھوں پر پورا کروں گا، ضرور حاضر ہوں گا، اور انشاءاللہ کئی دن آپ کی خدمت میں رہوں گا!

احسان:۔ خدا تمہیں زندہ رکھے ـــــ کب تک شہر پہنچ جاؤ گے؟

اسلم:۔ سہ پہر تک،

احسان:۔ عائشہ کہہ رہی تھی، مسلسل فاقہ اور اتنا لمبا سفر؟ ـــــ میں نے جواب دیا کیا کروں بھئی، وہ سنتا ہی نہیں کسی کی! ـــــ اچھا کچھ تھوڑے سے خرمے ساتھ کئے دیتا ہوں، راستہ میں بھوک لگے تو کھا لینا ـــــ!

اسلم:۔ ضرور ساتھ کر دیجئے!

کیوں میاں اسلم لاؤ گے نا انہیں ؟"

اسلم :- بھلا آپ کا حکم ٹال سکتا ہوں،

احمد :- اب مجھے ایک شکایت کی اجازت دیجئے،

احسان :- شکایت ؟ ——— کہو بیٹے ، کیا شکایت ہے تمہیں ؟

احمد :- آپ نے اسلم کو دوبارہ آنے کی دعوت دی ، طلحہ نے دوبارہ آنے پر اصرار کیا ، اور مجھے جھوٹوں بھی نہیں پوچھا ، ——— کیا مجھ سے کوئی خطا سرزد ہوئی ؟

احسان :- نہیں بیٹے ، یہ بات نہیں ——— تمہارے بارے میں تو سنا ہے کہ کہ آؤ گے طلحہ کی بات یہ تھی کہ وہ اسلم سے خفا تھے ، اس لئے میں نے تاکید کر دی ۔

عمار بول اٹھا " دھوپ تیز ہو رہی ہے !"

احسان نے مسافروں سے کہا ، جاؤ خدا تمہارا حافظ و نگہبان ہو ۔

احسان نے جس وقت یہ الفاظ ادا کئے ، اس کی آواز بھرا رہی تھی ، اسلم کا گھوڑا جب آگے بڑھا تو اس نے دیکھا ، خیمہ کی اوٹ سے دو بڑی بڑی خوبصورت اور سحر طراز آنکھیں اس کی طرف دیکھ رہی تھیں ——— اسلم کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا ۔

احسان :۔ عمار جاؤ، اندر سے خربُوزے لے آؤ۔

عمار نے فوراً ایک تھیلی پیش کر دی۔

احسان :۔ (مسکرا کر) ارے بے کہے لے آیا؟

عمار :۔ جی نہیں چلتے وقت عائشہ نے دیئے تھے کہ ساتھ کر دینا۔

احسان :۔ ہاں وہ بیچاری بڑی فکرمند ہے کہ اس کا محسن یہاں ایک رات رہا بھی لیکن فاقے سے!

اسلم :۔ اب آؤں گا تو اتنا زیادہ کھاؤں گا کہ آپ طلحہ کو بھول جائیں گے۔

احسان :۔ (ہنس کر) نہیں طلحہ کو فراموش نہیں کیا جا سکتا ——— اسے بھی اپنے ساتھ ضرور لانا

طلحہ :۔ یہ نہ لائیں تو بھی میں آؤں گا، لیکن ایک بات ابھی عرض کئے دیتا ہوں!

احسان :۔ شوق سے کہو،

طلحہ :۔ میرے اور اسلم کے کھانے کا الگ الگ انتظام ہو گا، میں ان کے ساتھ نہیں کھاؤں گا۔

احسان :۔ اس میں کیا مصلحت ہے؟

طلحہ :۔ آپ نے ان کا کھانا تو دیکھا نہیں ہے اور میں ہو چکا ہوں بدنام، کھائیں گے یہ زیادہ اور نام ہو گا میرا!

طلحہ کی اس بات پر سب ہی ہنسنے لگے، احسان نے ایک قہقہہ لگاتے ہوئے کہا :۔

——— اچھا بھئی، یہی سہی، لیکن آنا ضرور، ورنہ لطف آدھا رہ جائے گا ———

اسلم نے جواب دیا ۔ ابا ——— میں راستہ بھٹک گیا تھا؟

سلیمان :۔ پھر تو ایسے راستہ پر کیوں گیا ؟ ——— کیا احمد اور طلحہ بھی راستہ بھٹک گئے تھے ؟

اسلم :۔ جی وہ بھی ——— طلحہ تو ہمارا راہنما بن کر گیا تھا !

سلیمان :۔ وہ بڑا بدمعاش ہے ——— کہاں ہے وہ ؟

اسلم :۔ (مسکرا کر) وہ دروازے تک مجھے پہنچا کر بھاگ گیا ——— آپ کے ڈر سے ۔

سلیمان :۔ لیکن وہ بھاگ کر کہاں جائے گا ؟ میں ضرور اسے سزا دوں گا ——— اگر خدانخواستہ کوئی سانحہ پیش آ جاتا ، تو میں کیا کرتا ؟ ——— اپنے لختِ جگر کو کہاں پاتا ؟

اسلم :۔ آپ کی دُعائیں کام آئیں ، کوئی سانحہ نہیں پیش آیا !

سلیمان :۔ بیٹے جب سے تو گیا ہے ، ایک پل بھی ، مجھے اطمینان میسر نہیں آیا ، نہ رات کو نیند آئی ، نہ دن کو چین ملا ، نہ ایک لقمہ میرے منہ تک گیا ——— کلیجہ باہر نکلا آتا تھا ، خود بخود دل گھبرا رہا تھا ، آنکھیں آنسو برسا رہی تھیں ، بار بار دل میں کوئی کہتا تھا ، خدا خیر کرے اسلم اب تک نہیں آیا ضرور کوئی حادثہ پیش آیا ہے ۔

اسلم :۔ حادثہ تو بے شک پیش آیا ، لیکن خدا کا فضل شاملِ حال رہا ، کوئی تکلیف نہیں ہوئی

سلیمان :۔ میں نے قسم کھائی تھی جب تک تو واپس نہیں آئے گا ، کھانا نہیں کھاؤں گا

وہ آنکھیں

راستہ بھر اسلم کی نگاہ تصور میں وہ آنکھیں، اپنی چمک دمک دکھاتی رہیں
بظاہر وہ احمد اور طلحہ سے باتیں کرتا رہا، سرگرم سفر رہا ہنسی مذاق اور تفر
میں حصہ لیتا رہا، لیکن اس کی اقلیم خیال پر وہ آنکھیں بُری طرح چھائی ہوئی تھ
اور ان آنکھوں کے تصور کے ساتھ ہی ساتھ اس کے سامنے عائشہ کی معصوم اور
صورت بھی آجاتی تھی،

اور عائشہ کا تصور اسے ایک نئی دنیا میں پہنچا دیتا تھا!

وہ نہ جانے کیا کیا سوچنے لگتا تھا، نہ جانے کیسے کیسے زندگی کے خاکے اس
سامنے ابھرنے لگتے تھے! یہاں تک کہ وہ گھر پہنچ گیا!

سلیمان اسے دیکھ کر بیتابانہ لپکا، اس نے بھرائی ہوئی آواز میں اسے گ
لگاتے ہوئے کہا:-

"میرے بچے تو کہاں تھا؟ کہاں رہ گیا تھا؟ تو نے یہ نہ سوچا تیرے
دادا پر، تیرے ہجر میں کیسی قیامت گذر جائے گی؟"

اسلم نے کہا:۔ اباجان میں نہیں جانتا کون شخص ہے، ہاں اتنا جانتا ہوں، بے حد شریف اور نیک شخص ہے!"

سلیمان:۔ اس میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ اس نے تمہاری خاطر کی، مہمان بنایا، اچھی طرح رکھا، میں اس کا ممنون ہوں، جی چاہتا ہے، اس کے گھر پر جا کر شکریہ ادا کروں"۔

اسلم:۔ (خوش ہو کر) ضرور چلئے، میں وعدہ بھی کر آیا ہوں"

سلیمان:۔ ہاں چلوں گا ——— اس نے مجھے اپنا بندۂ بے دام بنا لیا ہے۔

اسلم:۔ (پہلو بدل کر) تو کب چلیں گے؟

سلیمان:۔ یہی دو چار دن میں!

اسلم:۔ شیخ احسان اتنے اچھے آدمی ہیں کہ ان کے پاس بیٹھ کر پھر اُٹھنے کو جی نہیں چاہتا، اُن کی باتیں سن کر طبیعت اُکتاتی نہیں، جی چاہتا ہے، وہ باتیں کرتے رہیں اور ہم سنتے رہیں، ان میں جو اخلاق، تپاک، مروت اور شرافت کا جوہر میں نے دیکھا ہے، کہیں اور نہیں دیکھا ——— اگر آپ کی طرف سے فکر نہ ہوتی تو ضرور چند دن وہاں رہ کر آتا۔

سلیمان:۔ ایسے ہمہ صفت موصوف آدمی سے ملنا، اس سے ربط ضبط پیدا کرنا، تعلقات قائم کرنا، اور استوار رکھنا، ہمارا فرض ہے اور یہ فرض ہم جلد از جلد انجام دیں گے جب تک میں احسان سے نہیں مل لیتا، ایک بوجھ رہے گا میرے سر پر ——— !

اسلم:۔ لیکن ابا میں بھی چلوں گا آپ کے ساتھ!

اسلم :- میں نے بھی عہد کر لیا تھا، جب تک آپ کی خدمت میں نہیں پہنچ جاؤں
کھانے کا نام بھی نہیں لوں گا۔

سلیمان :- (پریشان ہو کر) میرے بچّے، کیا تو فاقے سے ہے؟

اسلم :- جی ——— کڑاکے کے فاقے سے۔

سلیمان :- کیوں؟ کس لئے؟

اسلم :- میں جانتا تھا آپ کتنے پریشان ہوں گے، میرا دل کہہ رہا تھا، ———
آپ نے کھانا نہیں کھایا ہوگا، میں آپ سے وعدہ کر کے گیا تھا شام تک
واپس آ جاؤں گا، مجھے اندیشہ تھا، آپ میری غیر حاضری سے پریشان ہو
رہے ہوں گے، آپ نے اپنی جان پر بنا لی ہوگی،

سلیمان :- ہاں بیٹے ——— لیکن تو نے یہ سب کیوں کیا؟

اسلم :- (مسکرا کر) کیوں نہ کرتا؟ ——— میں بھی تو آپ سے محبت
کرتا ہوں۔

اتنے میں سعد سلیمان کا خادم نمودار ہوا، اس نے اسلم سے کہا،
"چلئے آپ کو گھر میں بلایا ہے!"

سلیمان نے کہا، "ہاں بیٹے جاؤ، تمہاری ماں بھی بہت پریشان تھی۔ اسلم اند
ماں کو تسلی تشفی دی، اتنے میں دسترخوان بچھ گیا، اور سلیمان و اسلم نے ساتھ سا
کھانا کھایا، کھانے کے بعد دونوں باہر مردانہ حصہ میں آ کر بیٹھ گئے، سلیمان کی
پر اسلم نے ساری رام کہانی از اول تا آخر کہہ سنائی، سلیمان بڑے غور سے یہ
سنتا رہا، پھر اس نے کہا۔ یہ احسان کون شخص ہے؟ ———"

سلیمان :- ہنس کر کیسی باتیں کرتا ہے لڑکے ؟ ——— بغیر تیرے کیسے جا سکتا ہوں ؟ ——— ہاں یہ تو بتا بادیہ کی سیر تو نے خوب اچھی طرح کی ؟

اسلم :- بالکل نہیں کر سکا ،

سلیمان :- تجھ جیسا وارفتہ مزاج پاؤں توڑ کر بیٹھا رہا ، کس طرح یقین کر لوں ؟

اسلم :- نہیں میں سیر سپاٹا ضرور کرتا ، لیکن ، دل تو آپ میں لگا ہوا تھا ، کسی کام کو بھی جی نہ چاہا !

سلیمان اسلم کی سعادتمندی کے جواب میں کچھ کہنے والا تھا کہ جبریل آ گیا ! —— سلیمان کا دوست !

جبریل نے اسلم سے ہاتھ ملایا اور سلیمان نے کہا :-

-مبارک ——— صاحبزادے تشریف لے آئے !

سلیمان :- ہاں بھئی ، خیر صلاّ سے آ گیا ——— خدا کا شکر ہے !

جبریل (اسلم سے) کہاں رہ گئے تھے بیٹے ؟

اسلم :- کہیں نہیں ——— ہم لوگ راستہ بھٹک گئے تھے ، ایک بادیہ میں جا پہنچے ، شیخ بادیہ نے مہمان بنا لیا اور زبردستی ایک روز روکے رکھا ،

جبریل :- بادیہ کی الھڑ نازنینوں کا بھی جلوہ دیکھا ؟

اسلم شرما کر خاموش ہو گیا ، سلیمان نے کہا ،

- بوڑھے ہو گئے ، لیکن تمیز نہ آئی ——— بچوں سے اس طرح کی باتیں کی جاتی ہیں ؟

جبریل نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا!

"ارے میاں ہم تم بھی تو بچے تھے کبھی ——— یاد ہے وہ زمانہ یا پھر یاد دلاؤں؟"

سلیمان:۔(مسکرا کر) آہ! کیا زمانہ تھا ——— چھوڑو ان باتوں کو ———

ہاں بیٹے اسلم اب تم جاؤ اپنے دوست احباب میں بیٹھو، پھر رات کو بیٹھ کر پروگرام بنائیں گے، اطمینان سے!

اسلم وہاں سے اُٹھ کر احمد کے ہاں چلا گیا!

کے ہاں پہنچ کر وہ خوش ہوا کہ طلحہ نہیں تھا، صرف احمد تھا، احمد کی سنجیدگی رفاقت اور اصابت رائے کا وہ دل سے قائل تھا، احمد بھی اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوا، اُس نے اسلم کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔

"بڑی عمر ہے تمہاری، ابھی تمہارا ہی ذکر ہو رہا تھا!"

اسلم نے متعجب ہو کر دریافت کیا" میرا ذکر ہو رہا تھا ؛ کس سے ؛ فرشتوں سے ؛ یہاں تو میں کسی کو نہیں دیکھتا"

احمد مسکرایا:۔ فرشتوں سے تم جیسے فرشتہ خصلت آدمی ہی باتیں کر سکتے ہیں ہم گناہگاروں کی پہنچ تو صرف طلحہ جیسے آدمیوں تک ہے!"

اسلم :۔ کیا وہ آیا تھا ؛

احمد:۔ ہاں ———— ابھی گیا ہے۔

اسلم :۔ میرے بارے میں کیا اول فول بک رہا تھا ؛

احمد :۔ بس اول فول ہی بک رہا تھا، اس سے زیادہ کی اس سے توقع بھی نہیں کی جا سکتی!

اسلم :۔ وہ تو میں سمجھا، لیکن کیا بک رہا تھا آخر ؟

احمد :۔ بتاؤں ———— ؟

اسلم :۔ ہاں ہاں بتاتے کیوں نہیں ———— کیا کہہ رہا تھا آخر وہ مرد یاوہ گو ؟

احمد :۔ کہہ رہا تھا ———— اُونھ ہو گا بھئی جانے دو۔

اسلم :۔ تمہارے اس انحراف سے میرا اشتیاق بڑھ رہا ہے ———— بتاؤ نا!!

عشق کا اقرار

اسلم کو جبریل کی یہ باتیں ناگوار گزریں، کچھ اس لئے کہ وہ اس قماش کا
نوجوان نہیں تھا، جیسا جبریل نے اُسے سمجھ رکھا تھا، اور کچھ اس لئے کہ وہ دل
ہی دل میں سوچ رہا تھا، کہیں آپا نے میرے متعلق کوئی بری رائے نہ قائم کر لی ہو
اور وہ کسی قیمت پر اسے گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ سلیمان اس سے خفا ہو، یا
اس کے متعلق کوئی غلط رائے قائم کرے، وہ سلیمان سے بے انتہا محبت کرتا تھا،
اور محبت کی انتہا یہ تھی کہ وہ ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ اس سے کوئی ایسی
حرکت سرزد ہو جس سے سلیمان کو ناگواری ہو، لیکن جبریل نے ہنسی ہنسی میں
بے تکی بات کہہ دی تھی، جس سے سلیمان اندیشہ ہائے دُور دراز میں مبتلا
ہو سکتا تھا!

اسی انقباض اور تردد کے عالم میں وہ احمد کے ہاں پہنچا، ایک یہ خیال
اُسے پریشان کر رہا تھا، کہیں طلحہ وہاں موجود نہ ہو، وہ ضرور کچھ نہ کچھ بے
باتیں کرے گا، جس سے تکدر اور انقباض کچھ اور بڑھ جائے گا، لیکن ا

احمد :- تم تو جانتے ہی ہو، بڑا شریر ہے۔

اسلم :- ہاں اتنا تو جانتا ہوں، لیکن اگر اس سے زیادہ جان لوں تو کیا حرج ہے؟

احمد :- بس وہی شرارت کی باتیں اور کیا!

اسلم :- بندۂ خدا کچھ کہو بھی ——— تم تو بس آپ شتاب اڑائے جاتے ہو!

احمد :- وہ کہہ رہا تھا ——— شام کو میں بستر لے کر آؤں گا!

اسلم :- یہ کیا بات ہوئی؟

احمد :- سنو تو ——— میں نے کہا، بستر لے کر کیوں آؤ گے؟ کیا گھر سے نکال دیئے گئے؟ کہنے لگا نہیں وہاں چلنا ہے نا! میں نے پوچھا کہاں چلو گے؟ کہنے لگا، شیخ احسان کے ہاں ——— دیکھ لینا، حضرت اسلم بھی اب تشریف لاتے ہی ہوں گے"۔

اسلم :- یہ میرے متعلق کہہ رہا تھا، وہ بدذات؟

احمد :- پوری بات سُن لو بھئی ——— یا تو پوچھا نہ ہوتا، یا پوچھا ہے تو اب مجھے کہہ لینے دو!

اسلم :- میں خود بڑے شوق سے سُن رہا ہوں، کہو!

احمد :- پھر میں نے پوچھا، کیوں اسلم کیوں آ رہا ہو گا؟ ——— کہنے لگا، "وہ صرف شیخ سلیمان کے ڈر سے واپس آ گئے اور نہ یہاں اُن کا جی کیا خاک لگے گا"۔

اسلم :- حد ہے خباثت اور شرارت کی!

احمد :- وہ تو ہے، لیکن پوری بات تو سن لو بھائی!

اسلم :- تو کہتے کیوں نہیں؟

احمد :- میں نے کمبخت سے کہا، میں سمجھا نہیں تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ اس کے جواب میں بڑے زور سے ہنسا، اور کہنے لگا، تم بھی نرے بدھو ہو، ارے بھئی اسلم صاحب نے تالاب میں جو غوطہ لگایا تھا، تو وہ غوطہ خالی نہیں گیا، گوہر مقصود نکال لائے،

اسلم :- (ہکلا کر) یعنی؛ —— یعنی —— ؛ وہ مجھے ایسا سمجھتا ہے ؛ میں اسے مار ڈالوں گا!

اتنے میں دروازے کی اوٹ سے طلحہ نمودار ہوا، اور سر جھکا کر اسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا،

"مار ڈالو میرے دوست لیکن میں نے جو کچھ کہا سچ کہا، اور اب بھی میں اس پر قائم ہوں!"

اسلم :- (تلخی سے) کہاں ہے وہ تمہارا سچ؛

طلحہ :- عشق پیدا ہو چکا ہے —— دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی —— !

اسلم :- (برہمی سے) طلحہ طلحہ —— !!

طلحہ :- ہاں سن رہا ہوں، بہرا نہیں ہوں، دو دو دفعہ میرا نام لے کر کیوں پکارتے ہو؟ ——

اسلم :- اپنے الفاظ واپس لو —— واپس لو اپنے الفاظ!!

طلحہ :- جانتے تو تم بھی ہو، لیکن ہم بھی خوب جانتے ہیں —— ہم سے نہ چھپاؤ، ہم غیر نہیں دوست ہیں، حریف نہیں یار ہیں، رقیب نہیں ساتھی ہیں، تمہارے پسینہ پر خون بہادیں، تمہارے لئے جان کی بازی لگادیں تمہیں خوش رکھنے کے لئے سب کچھ داؤں پر لگادیں، ہم سے چھپاتے ہو؟ ——

اسلم :- واہ واہ! —— پاگل کہیں کا،

طلحہ :- ان باتوں سے کام نہیں چلے گا، دوستوں کو رازدار بنانا چاہیئے، ان سے کام لینا چاہیئے، بدکتے کیوں ہو؟ —— یا پھر اعلان کرو، تم ہمیں دوست نہیں سمجھتے، پھر ہم کچھ نہیں کہیں گے!

اسلم :- تمہارے اور احمد کے سوا میرا دوست ہے کون؟

طلحہ :- اگر یہ بات ہے تو کرو اقرار، تم عائشہ سے محبت کرتے ہو!

اسلم :- (مسکراکر ذرا جھینپتے ہوئے) اچھا اقرار کرتا ہوں! —— اب کیا کروگے تم؟

طلحہ :- ہر وہ کام جس کی ضرورت ہوگی —— بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟

اسلم :- وہی جو ایک عاشق کی تمنا ہو سکتی ہے۔

احمد :- ارے تم نے تو بڑی آسانی سے اقرار کرلیا!

اسلم :- ہاں دوستوں سے کوئی بات چھپائی نہیں جاتی!

طلحہ :- شاباش —— اب سارا معاملہ ہم پر چھوڑ دو صرف ایک کام کرو۔

طلحہ :- (سنجیدگی سے) کیا تم عائشہ پر عاشق نہیں ہو ؟ ———
آئینہ لو اور اپنی صورت دیکھو، یہ اُترا ہوا چہرہ، یہ پریشان بال، یہ
آشفتہ سری، یہ وارفتہ مزاجی، بغیر عشق کے نہیں پیدا ہو سکتی اور ———
اور تم خوش قسمت ہو اسلم کہ تمہارا عشق عرب شاعروں کی طرح یک طرفہ
نہیں، خود عائشہ بھی تم پر عاشق ہے "

اسلم :- جھوٹ، بالکل جھوٹ،

طلحہ :- سچ، بالکل سچ،

اسلم :- کیسے معلوم ؟ ——— ثبوت ؟

طلحہ :- ثبوت چاہتے ہو ؟

اسلم :- ہاں تمہیں ثبوت دینا پڑے گا، ورنہ ———

طلحہ :- ہمیں نہیں دھمکاؤ، تمہیں میں ثبوت دیتا ہوں ——— یاد ہے
وہ خرمے ——— !

اسلم :- (بگڑ کر) کیسے خرمے ؟

طلحہ :- وہی جو عمار نے لا کر دیئے تھے ——— وہ ؟

اسلم :- اس سے کیا ہوتا ہے ؟

طلحہ :- اچھا تو دوسرا ثبوت لو ——— کیا کہا تھا شیخ احسان نے ؟ ———
اسلم عائشہ بڑی فکر مند ہے کہ تم فاقے سے جا رہے ہو !
فکر مند تھی وہ ؟ ———

اسلم :- ہوگی ہم کیا جانیں ؟

اور وہاں؟

اسلم جب سے بادیہ سے واپس گیا تھا، عائشہ کی آنکھیں اس کی واپسی کی راہ تک رہی تھیں، باپ کی خدمت میں تو کوئی فرق نہیں آیا تھا، اسی چاؤ اور اچھوتے سے وہ باپ کی خدمت کرتی رہی تھی لیکن اس کا دل بہت پریشان تھا طبیعت کی یکسوئی ختم ہو چکی تھی صرف یکسوئی ہی نہیں اُمنگ اور ترنگ بھی! —— دل بجھا ہوا، طبیعت پژمردہ، خیالات منتشر،

پہلے وہ بادیہ کی دوسری لڑکیوں سے ملنے چلی جاتی تھی، اور گھنٹوں، پہروں بیٹھی رہتی تھی، دلچسپیوں میں حصہ لیتی تھی، شرارت کرتی تھی، اور شرارت کرنے والی سہیلیوں کو چھیڑا کرتی تھی، لیکن اب اس نے سب کے ہاں آنا جانا چھوڑ دیا تھا، ملتے ہوئے بھی کتراتی تھی، کوئی سہیلی اگر آ بھی جاتی تو وہ سوئی بن جاتی، بیچاری تھوڑی دیر انتظار کرتی، پھر مایوس ہو کر واپس چلی جاتی ـ

دن اسی طرح گذرتے گئے، آخر جمیلہ ضبط نہ کر سکی، یہ عائشہ کی منہ چڑھی اور گہری سہیلی تھی، ایک روز وہ پھر آئی، دیکھا تو عائشہ اوڑھے لپیٹے پڑی ہے

اسلم :- بتاؤ کیا چاہتے ہو؟ کیا کروں میں؟

طلحہ :- سفر کی تیاری ——— وہاں پہنچ کر ہمارا کام دیکھنا!

اسلم :- ابا خود چلنے کو تیار ہیں، تاکہ شیخ احسان کا شکریہ ادا کریں۔

طلحہ :- بس تو پھر کام بن گیا، اب فکر نہ کرو!!

عماد :- ہمت خود نہیں پڑتی ، اور پوچھے جا رہی ہیں ۔

جمیلہ :- یہ لو ابھی چلی ، کچھ ڈرتی ہوں کسی سے ؛

عمار نے کوئی جواب نہیں دیا مسکرانے لگا ، جمیلہ جھپ سے اندر پہنچی ، اور اور ایک جھپٹے میں چادر جو کھینچی ہے ، تو بی عائشہ کی آنکھیں کھلی ہیں اور وہ بستر پر دراز ہیں ——— چادر جمیلہ کے ہاتھ میں اور وہ کھڑی مسکرا رہی ہے

———

عائشہ نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا ؛ ہم سو رہے ہیں ——— خواہ مخواہ جگا دیا ! ———

جمیلہ بولی ؛ لے رہنے دو ، ہم سے باتیں نہ بناؤ ——— معلوم ہے کیوں نیند آ رہی ہے !

چور کا دل ہی کتنا ! یہ سنتے ہی عائشہ چونک پڑی ۔

عائشہ :- کیوں آ رہی ہے ، ہمیں تو نہیں معلوم تم ہی بتاؤ ؛

جمیلہ :- بتا دیں گے ، آدمی تو بنو ، ہماری خاطر تواضع کرو ، بھلا مہمان سے ایسا برتاؤ کرتے ہیں ، وہ تو کہو ، مجھے اتنی محبت ہے تم سے اس لئے برداشت کر لیا ، ورنہ یقین جانو کوئی اور ہوتا تو پھر نہ اس کا منہ دیکھتی ، نہ اپنا منہ دکھاتی !

آج پہلی مرتبہ ، کئی دن کے بعد عائشہ کے ہونٹ تبسم سے آشنا ہوئے ، اس نے مسکراتے ہوئے کہا ،

"رہنے بھی دو خواہ مخواہ کی باتیں نہ کرو ——— اچھا آؤ بیٹھو ——— !

جمیلہ اس کے پاس شانہ سے شانہ اور پہلو سے پہلو ملا کر بیٹھ گئی ۔

جمیلہ :۔ تمہیں بتانا نہیں ہے، اگلوانا ہے تم سے! ———— خیریت چاہتی ہو تو صاف صاف کہہ دو کیا بات ہے ؛ ورنہ اگر میں نے انکشاف راز کا بیڑا اٹھا لیا تو یاد رکھو ساری بستی میں تمو کر دوں گی ہاں!

یہ دھمکی کارگر ہو گئی عائشہ سہم گئی، اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اور جب تک جمیلہ صورتِ حال کا جائزہ لگائے لگائے وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگی، اور پھر جمیلہ کے شانہ پر سر رکھ کر اس نے اور زیادہ شدّت کے ساتھ رونا شروع کر دیا ——— !

یہ ایسا بھرپور وار تھا کہ جمیلہ اس کی تاب نہ لا سکی، وہ خود بھی اس کے سر سے سر ملا کر رونے پر مجبور ہو گئی۔

بڑی دیر تک دونوں سہیلیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی روتی رہیں، جب اس طرح کافی دیر گزر گئی، تو جمیلہ کو سوچنا پڑا، یہ کیا ہو رہا ہے؟ اس نے بڑے پیار سے عائشہ کا سر اپنے شانہ سے ہٹایا، اس کی کٹورہ سی آنکھوں میں اب تک آنسو بھرے ہوئے تھے، پھر اپنے دامن سے اس کے آنسو پونچھے، اور محبت بھرے لہجہ میں کہا :۔

روکیوں رہی ہو؟ ——— آخر ایسی کیا پریشانی ہے ——— مجھ سے نہ کہو گی، مجھ سے؟ اپنی جمیلہ سے؟

عائشہ چپ ہو گئی۔

جمیلہ :۔ دیکھو اب میری باری آتی ہے رونے کی، تم تو تھوڑی دیر روئیں اور چپ ہو گئیں، میں رونے پر آؤں گی تو جل تھل کر دوں گی! ———

جمیلہ :- لو بیٹھ گئے ، اب کہو کیا کہتی ہو ؟

عائشہ :- کچھ دماغ خراب ہوا ہے ، میں کیا کہوں گی ؟ تم کہو کیا کہہ رہی تھیں ؟

جمیلہ :- بتاؤ ، اتنی نیند کیوں آیا کرتی ہے تمہیں ؟

عائشہ :- میں کیا جانوں ؟

جمیلہ :- اچھا اس قدر چپ چاپ کیوں رہتی ہو ؟

عائشہ :- یہ بھی میں نہیں جانتی ——— جانے کیوں دل گھبرایا کرتا ہے !

جمیلہ :- دل تو گھبرانا ہی چاہیئے !

عائشہ :- کیوں آخر ——— ؟

جمیلہ :- جب دل کسی کو چاہے اور وہ نہ ملے تو میری بہن دل بیچارہ گھبرانے

لگتا ہے —— !

عائشہ کا چہرہ ایک مجرم کی طرح زرد ہو گیا ، اس نے کہا :-

"جمیلہ آج تم کیسی باتیں کر رہی ہو ؟"

جمیلہ :- (مسکرا کر) سچ کہنا ، سچی ہیں یا نہیں ؟

عائشہ :- تمہارا خیال ہے میں چاہتی ہوں کسی کو ؟

جمیلہ :- خیال ——— ؟ ارے بھئی یقین ہے اس بات کا ——— !

عائشہ :- تو پھر یہ بتا دو ، وہ کون ہے ؟

جمیلہ :- یہ تو ابھی نہیں معلوم ، لیکن اگر نہ بتاؤ گی تو کسی نہ کسی طرح معلوم کر

لوں گی ، میں بھی آخر جمیلہ ہوں !

عائشہ :- اچھا معلوم کرنا تو ہمیں بھی بتانا !

میری اس سے بڑی کوئی توہین نہیں ہو سکتی کہ تم مجھے اپنا رازدار نہ سمجھو!

عائشہ :- سمجھتی تو ہوں! ——— اور کس طرح سمجھوں؟

جمیلہ :- ہاں ٹھیک ہے، اسی طرح سمجھتی ہو نا جس کا ابھی ثبوت دیا ہے؟
ساری بستی جانتی ہے کہ جمیلہ اور عائشہ ایک جان دو قالب ہیں، خود میں اب
تک اسی غلط فہمی میں مبتلا تھی، لیکن اصل واقعہ کیا ہے، وہ آج معلوم ہوا!

عائشہ :- واہ ——— کیا معلوم ہوا؟

جمیلہ :- یہ کہ تم مجھے بھروسہ کے قابل نہیں سمجھتی ہو، مجھ پر اعتبار نہیں کرتیں

عائشہ :- غلط، لغو جھوٹ، تم سے زیادہ اعتبار اور کس پر ہو سکتا ہے؟

جمیلہ :- ہاں بڑی اعتبار کرنے والی ——— اعتبار ہم کرتے ہیں، ہم، تم ک
ہمارا مقابلہ کرو گی؟ ——— منہ دھو رکھو!

عائشہ :- منہ دھونے ابھی جا رہی ہوں ——— سو کر اٹھی ہوں نا، لیکن تم
کون سا کارنامہ انجام دیا ہے، یہ مجھے اب تک نہیں معلوم ہو سکا!

جمیلہ :- کیا میں نے تم سے اپنے دل کی ایک ایک بات نہیں کہہ دی تھی؟

عائشہ :- وہی ——— یوسف والی؟

جمیلہ :- ہاں وہی، اپنی اور اس کی محبت کی داستان نہیں سنائی تھی؟ اس دا
کا وہ کون سا ٹکڑا تھا، جو تم سے میں نے چھپایا تھا ———؟

عائشہ :- (مسکرا کر) چھپایا تھا!

جمیلہ :- چھپانے والے پہ خدا کی مار ——— میں نے یہاں تک بتا دیا
جب کبھی ہم دونوں ملتے ہیں، تو ہم دونوں میں کیا باتیں ہوتی ہیں

نے وہ اشعار بھی تمہیں سنائے تھے، جن کی تشبیب میں میرا ذکر تھا ؛ اور تم نے داد بھی دی تھی، ان اشعار کی۔

عائشہ :۔ تو اس سے کیا ہوتا ہے ؟

جمیلہ :۔ ہاں اس سے کچھ نہیں ہوتا —— ہم بے وقوف تھے کہ سب کچھ اگل دیا، تم عقلمند ہو کہ نہ منہ سے بولتی ہو، نہ سر سے کھیلتی ہو، بھلا بے وقوفوں اور عقلمندوں کی دوستی کب نبھ سکتی ہے ؛ —— ٹھنی ہی نہ چاہیئے !

عائشہ :۔ تم تو خفا ہوئی جا رہی ہو جمیلہ ؟

جمیلہ :۔ میری جگہ تم ہوتیں تو کیا کرتیں ؟

عائشہ :۔ تمہیں گلے لگا کر بہت سا پیار کرتی —— بڑی دیر تک۔

جمیلہ :۔ رہنے بھی دو یہ نمائشی باتیں !

عائشہ :۔ میرا دل چیر کر دیکھو، اس میں تمہاری محبت بھری ہے یا نہیں —— ؟

جمیلہ :۔ بھری ہو گی، میں انکار نہیں کرتی، میں تو یہ پوچھتی ہوں، اور کس کی محبت سے معمور ہے وہ ؟

عائشہ :۔ دل نہ ہوا، بھان متی کا پٹارہ ہو گیا —— محبت ایک ہی ہوتی ہے دس دس کی نہیں ہوتی ——

جمیلہ :۔ خوب ہوتی ہے،

عائشہ :۔ جھوٹی کہیں کی،

جمیلہ :۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں، اپنی بہنوں کو چاہتی ہوں، اپنے بھائیوں سے اُلفت کرتی ہوں، اپنے ماں باپ پر جان دیتی ہوں —— اور

عائشہ :۔ (پرے ہٹتے ہوئے) دیکھو کہے دیتی ہوں، ہوش میں رہو، انگلیاں ادھر بڑھائیں، تو تمہاری جان قسم توڑ دوں گی۔

جمیلہ :۔ ہاں توڑ دینا، ہمیں بھی، دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے!

یہ کہہ کر جمیلہ عائشہ کی طرف بڑھی، اور تیزی سے اپنی انگلیاں اس کے پیٹ اور کمر میں گڑو کر گدگدانا شروع کر دیا، وہ بے حال ہوئی جا رہی تھی، لیکن جمیلہ بھی بڑی بے رحمی کے ساتھ گدگدانے پر تلی ہوئی تھی۔

آخر جب عائشہ بالکل بے بس اور مجبور ہو گئی، تو اس نے ہنستے ہنستے ہاتھ کے اشارہ سے کہا۔

"چھوڑو بتاتی ہوں ——— !

جمیلہ خود بھی ہانپنے لگی تھی، اس نے عائشہ کو چھوڑ دیا، لیکن اس کے پاس ہی بیٹھی رہی۔

جمیلہ :۔ بتاؤ ——— ورنہ پھر ———

عائشہ :۔ ابھی بتاتی ہوں

جمیلہ :۔ بس تو دیر نہ کرو ——— کہہ دو صاف صاف!

عائشہ :۔ (شرما کر) ہاں، کرتی ہوں محبت ——— !

جمیلہ :۔ (خوش ہو کر) ہائے میں قربان کس سے؟

عائشہ :۔ دیکھو یہ شرط نہیں تھی، !

جمیلہ پھر گدگدانے کے لئے بڑھی، عائشہ پیچھے ہٹی، اتنے میں عمار آگیا، اسے آتا دیکھ کر دونوں سنبھل گئیں!

یوسف کی چاہت سے بھی دل کا گوشہ گوشہ معمور ہے۔

عائشہ :- معمور نہیں ——— پُرنور کہو!

جمیلہ :- اچھا یہی سہی ——— پھر اتنی ساری محبتیں ہیں یا نہیں؟

عائشہ :- آخر تم مجھ سے پوچھنا کیا چاہتی ہو؟

جمیلہ :- اللہ ری معصومیت —— اتنی دیر سے جھک مار رہی ہوں اور تم اب تک یہ بھی نہ سمجھ سکیں کہ میں دریافت کیا کرنا چاہتی ہوں؟

عائشہ :- ہاں —— بتاؤ

جمیلہ :- بتاؤں کیا خاک؛ جی چاہتا ہے سر پھوڑ لوں اس سنگِ در پر!

عائشہ :- (مسکرا کر) بھئی ہم کچھ نہیں جانتے، ہم سے بے تکی باتیں نہ پوچھو۔

جمیلہ :- تو بندی بھی اب اس در سے اٹھنے کی نہیں، دھرنا مار کر بیٹھی رہوں گی، یہاں ——— جب تک نہ بتا دو گی کہ کس سے محبت کرتی ہو؟

عائشہ :- واہ ذرا انہیں دیکھئے محبت کیسی ——— میں جانتی بھی نہیں کہ کہتے ہیں محبت؟ ——— ہاں اشعار میں پڑھتی رہتی ہوں، اس لفظ کو —— اچھی جمیلہ تمہیں معلوم ہو تو بتاؤ کیا چیز ہے یہ؟ ———

جمیلہ نے عائشہ کی پیٹھ پر ایک دو ہتڑ مارا، اور کہا :-

اب تمہاری شامت آئی ہے عائشہ،

عائشہ :- اچھا تو مار لو مزا دے لو!

جمیلہ :- ہاں اب مجھے یہی کرنا پڑے گا معلوم ہو گیا سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکل سکتا!

عائشہ :- جو جی چاہے ——— !

عمار چلنے لگا تو جمیلہ بھی چیخی : "چچا میں بھی بھوکی ہوں ،

وہ جاتے جاتے بولا - تیرے لئے بھی لاتا ہوں بیٹی ،

عمار کے جانے کے بعد عارفانہ انداز میں گردن ہلاتے ہوئے جمیلہ نے کہا :- ضرور کچھ دال میں کالا ہے ——— یہ عمار چچا کیا کہہ رہے تھے ——— نیند بہت آنے لگی ہے ، اور بھوک مٹ گئی ہے ، پیاس جاتی رہی ہے ——— کیوں جناب ؟

عائشہ ابھی کوئی جواب نہ دے پائی تھی کہ خالص بدوی شان کا کھانا لے کر عمار نمودار ہوا ، دونوں سہیلیاں خوشی خوشی دسترخوان پر بیٹھ گئیں ! ——— جمیلہ تو خیر ، عائشہ نے آج واقعی کئی دن کے بعد رغبت سے کھانے کی طرف توجہ کی تھی ، ورنہ جب سے اسلم گیا تھا وہ یونہی منہ جھٹال لیا کرتی تھی ،

کھانے کے بعد جب عمار دسترخوان اُٹھا لے گیا تو جمیلہ پھر سنبھل کر بیٹھی -

جمیلہ :- ہاں بھئی عائشہ ، اب شروع کر دو اپنی رام کہانی ، پیٹ خوب بھرا ہوا ہے ، طبیعت حاضر ہے ، توجہ سے سنیں گے تمہاری داستانِ حسرت ،

عائشہ نے مسکراتے ہوئے کہا - "آگئی اپنی اوقات پر ؟"

جمیلہ :- ہاں بھئی ، ہم کم اوقات لوگ ، اوقات پر بہت جلد آجاتے ہیں تمہاری طرح بڑے لوگوں میں تو ہمارا شمار ہے نہیں کہ نہ اوقات جانیں نہ ———

عائشہ :- اب چپ بھی رہو گی ، یا بکواس ہی کرتی چلی جاؤ گی ، خدا کی بندی -

جمیلہ :- اچھا لو چپ ہو گئے ——— شروع کرو اب !

جمیلہ!

عمار نے آتے ہی جمیلہ سے پوچھا۔

"جگا لیا تم نے انہیں، واقعی بڑی قسمت والی ہو، ہم تو پکارتے پکارتے ہانپنے لگتے ہیں مگر یہ جواب نہیں دیتیں ——— وہ ترکیب ہمیں بھی بتا[ؤ] تاکہ آئندہ اسی سے کام لیا کریں!

جمیلہ :۔ نہیں وہ ترکیب ہر ایک کو نہیں بتائی جا سکتی!

عائشہ :۔ عمار چچا بھوک لگ رہی ہے۔

یہ سنتے ہی عمار کا چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھا، اس نے کہا،

"میں قربان میری بچی ابھی لایا ——— دیکھ تو تیرا منہ کتنا اتر گیا ہے، نہ کھانے کی فکر نہ پینے کا ہوش بس چپ چاپ لیٹی کروٹیں بدل رہی ہے ب[ی]ن[ا]... پڑا ——— تجھے گودیوں میں کھلایا ہے، مجھ سے یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔

عائشہ :۔ (شرما کر) چچا مجھے بھوک لگی ہے بڑے زور سے،!

عمار :۔ ابھی لایا ——— کیا کھائے گی میری بیٹی؟

جمیلہ :۔ ہاں مذاق ہی تو ہے ——— ایسے زور سے گدگداؤں گی کہ بیساختہ تمہارے
منہ سے اس کا نام نکل جائے گا، پھر سب ہی سن لیں گے، یوں بتا دو گی تو
ہمارے سوا کوئی نہیں سن پائے گا۔!

عائشہ :۔ اچھا بتائے دیتی ہوں لیکن پھر چھیڑنا نہیں!

جمیلہ :۔ نہیں کبھی نہیں چھیڑوں گی۔

عائشہ :۔ قسم کھاؤ پہلے۔

جمیلہ :۔ قسم کھاتی ہوں!

عائشہ :۔ ان کا نام ——— اچھا ذرا باہر جا کر دیکھ لو کوئی اور تو نہیں سن رہا ہے،

جمیلہ :۔ پھر وہی پاگل پن کی باتیں ——— یہاں کوئی اور کون آنے لگا!!

عائشہ :۔ پھر بھی احتیاط شرط ہے، بزرگوں نے کہا ہے ؎

دیوار ہم گوش دارد ——— جاؤ دیکھ آؤ!

جمیلہ عائشہ کو گھورتی اپنی جگہ سے اٹھی، باہر جا کر پھر پلٹ آئی،

جمیلہ :۔ دیکھ لیا ——— کوئی نہیں ہے!

عائشہ :۔ لیکن نام پوچھ کر کیا کرو گی؟ انہیں کچھ جانتی تو ہو نہیں۔
وہ یہاں کے رہنے والے بھی نہیں ہیں۔

جمیلہ :۔ پھر کہاں کے رہنے والے ہیں کوہ قاف کے؟

عائشہ :۔ صورت دیکھ کر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ ضرور وہیں کے رہنے والے
ہوں گے، مگر وہ شہر کے رہنے والے ہیں۔

جمیلہ :۔ وہ اتنے خوبصورت ہیں کہ کوہ قاف کے رہنے والے معلوم ہوتے ہیں؟

عائشہ :- کہہ تو دیا محبت کرتے ہیں ہم!

جمیلہ :- وہ تو ہم نے بھی سن لیا، لیکن حضور والا کس سے محبت فرماتے ہیں

عائشہ :- ایک انسان سے!

جمیلہ :- وہ تو ظاہر ہے، خدا نخواستہ درندہ کیوں ہونے لگا!

عائشہ :- ایک اچھے انسان سے، بہت اچھے انسان سے!

جمیلہ :- لیکن کچھ اتہ پتہ؟ کچھ نشان؟ —— نام کیا ہے اس کا؟

عائشہ :- یہ پوچھ کر کیا کروگی؟ —— واہ!

جمیلہ :- میری طرف سے کچھ اندیشہ نہ کرو —— نام بتاؤ!

عائشہ :- پوچھ لینا کبھی —— بتا دوں گی!

جمیلہ :- ہم تو ابھی پوچھیں گے، اور پوچھ کر رہیں گے —— جانتی ہو
جادو آتا ہے —— !

عائشہ :- وہ گدگدانے والا جادو ہمیں بھی اچھی طرح آتا ہے —— پ
نے اچانک حملہ کیا تھا، اس لئے بے قابو ہو گئی تھی، اس مرتبہ میں
ہوں، ایسا وار کروں گی کہ تڑپ کر رہ جاؤگی!

جمیلہ :- آخر دوسروں کو تڑپانے میں تمہیں اتنا مزہ کیوں آتا ہے؟

عائشہ :- پھر شرارت کی باتیں شروع کردیں —— بس

جمیلہ :- دیکھو اپنی عزت اپنے ہاتھ —— بتاتی ہو تو چپ چاپ
ورنہ اس سے کیا فائدہ کہ راز دوسروں پر بھی آشکارا ہو جائے

عائشہ :- ورنہ دوسروں پر کیسے آشکارا ہوگا، کوئی مذاق ہے؟

کسی کی یاد

اسلم کا جی چاہ رہا تھا کہ پر لگا کر اُڑ سے اور عائشہ کے گھر پہنچ جائے، لیکن سلیمان نے اس دن تو اتنے زور سے چلنے کا وعدہ کیا تھا، پھر جو خاموش ہوا تو ذکر بھی نہیں کیا، کہ احسان کے ہاں بھی جانا ہے کبھی! اسلم دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا، لیکن بے بس تھا، کیا کر سکتا تھا، کئی بار جی چاہا کہ یاد دہانی کرائے، تقاضہ کرے، لیکن نہ جانے کیا سوچ کر خاموش ہو جاتا تھا!

کئی مرتبہ وہ یہ سوچ سوچ کر گیا کہ آج اُسے ضرور تقاضا کروں گا، احسان کے ہاں چلنے کا، دادا کے پاس پہنچا، بیٹھا، باتیں کیں، لیکن حرفِ مطلب زبان تک نہ لا سکا —— جی چاہتا تھا کہے، پھر سوچ کر رُک جاتا تھا، بات یہ تھی کہ اس روز جبریل نے بیباختگی کے ساتھ لیکن کچھ ایسے انداز میں نازنیناں بادیہ کا ذکر چھیڑا تھا کہ اس کے دل میں چور بیٹھ گیا تھا! رہ رہ کے خیال آتا تھا، کہیں دادا میری طرف سے بدظن تو نہیں ہو گئے، کہیں وہ مجھے دوسرے نوجوانوں کی طرح اخلاق باختہ تو نہیں سمجھتے؟

عائشہ :- ہاں ـــــ سچ کہتی ہوں۔

جمیلہ :- ہوں گے، خدا مبارک کرے، لیکن اب نام تو بتادو!

عائشہ :- اونہہ کسی طرح مانتی ہی نہیں۔ ـــــ ان کا نام ہے اسلم، بتاؤ اب کیا کرو گی ان کا؟

جمیلہ :- انہیں اپنی بہن کا دولہا بنا کر لاؤں گی یہاں،

عائشہ :- سچ کہنا نام کیسا ہے؟-

جمیلہ :- واقعی بہت خوبصورت ہے!

عائشہ :- تم نے انہیں دیکھا نہیں ہے، جب دیکھو گی تو ماننا پڑے گا، وہ اپنے نام سے کہیں زیادہ خوبصورت اور حسین و جمیل ہیں -

جمیلہ :- اللہ وہ دن لائے گا، جلد لائے گا، ضرور دیکھوں گی، شوق کی آنکھوں سے دیکھوں گی محبت کی نظروں سے دیکھوں گی اسے .. میں کیوں نہ چاہوں وہ مرے پیارے کا پیارا ہے!

عائشہ نے جمیلہ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا،

عائشہ :- بس خبردار جواب منہ سے ایک لفظ بھی کہا۔

جمیلہ :- لیکن پوری کہانی تو سنادو!

عائشہ نے اٹھلا اٹھلا کر، آخر ساری رام کہانی از اول تا آخر جمیلہ کو سنا دی

دل پسیج گیا،

احمد :۔ بس بھئی طلحہ بس اتنا زیادہ نہیں چھیڑتے کہ آدمی رو دے!

اب طلحہ کی نظر اٹھی اسلم کو با چشم پُر نم دیکھ کر اس کا دل بھی لرز گیا، ہرگز اس کا یہ مقصد نہیں تھا کہ اپنے اتنے عزیز دوست کو رُلائے لیکن ترکش سے تیر نکل چکا تھا، اب اس کا واپس آنا ناممکن تھا، پھر بھی اس نے بات بنانے کی کوشش کی،

طلحہ :۔ (قہقہہ لگا کر) ارے بھئی اسلم تم تو متاثر ہو لے گئے ——— ۔ ہم نے تو یونہی مذاق میں ایک بات کہہ دی تھی ——— دیکھو بھئی، ہم یار شاطر ہیں بار خاطر نہیں، ہمیں تم سے دلچسپی ہے، عائشہ سے نہیں اگر تم لے چاہتے ہو تو ہم اس مقصد کے حاصل کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے اور اگر صرف وہی چاہتی ہے، تم نہیں چاہتے تو پھر ہمیں کوئی دلچسپی نہیں اس سارے مقصد سے۔

اسلم :۔ (غم انگیز آواز میں) لیکن میں چاہتا ہوں، دل سے پرستش کرتا ہوں عائشہ کی ——— اس کے فراق میں میری زندگی دوبھر ہو رہی ہے، راتوں کو نیند نہیں آتی، کسی کام میں جی نہیں لگتا، دیکھ لو تم لوگوں کے پاس کتنا کم آتا ہوں

طلحہ :۔ ہاں یہ بات تو ہے، لیکن کیوں ———؟

اسلم :۔ اسی لئے کہ جی نہیں لگتا ——— عائشہ کی یاد تڑپاتی رہتی ہے، ہر وقت ———

احمد :۔ تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ تمہارے دل میں اب تک اس کی محبت موجود ہے ———؟

میرے تقاضا اور اصرار سے اُن کا ذہن اس روز کی جبریل کی بات پر
تو منتقل نہیں ہوگا ؛ ——— اگر ایسا ہوا ، اور وہ کوئی ٹیڑھا بیڑھا سوال کر بیٹھے
تو میں کیا جواب دوں گا ؟ ——— اسی اندیشہ کے باعث وہ دل کی بات زبان
پر لانے کی ہمت کھو چکا تھا ،
ادھر احمد اور طلحہ تھے ، ہر روز پوچھا کرتے ، چھیڑا کرتے ، ایک روز احمد اور
طلحہ نے پھر یہی سوال چھیڑا ،
احمد :- واقعی مرد کی ذات بڑی بے وفا ہوتی ہے -
طلحہ :- ہاں بھئی اور کیا ——— لیکن مجھے اسلم سے ایسی بے وفائی کی توقع نہیں تھی
بھائی -
احمد :- (مسکرا کر) کیوں اسلم غریب نے کیا کیا ؟
طلحہ :- بادیہ میں ایک شریف انسان کے گھر مہمان بن کر ٹھہرے ، اس کی لڑکی
محبت کرنے لگے ، لڑکی تھی سادہ لوح ، اور معصوم وہ بھی دل دے بیٹھی اب
تارے گن گن کر شب فرقت کاٹ رہی ہے ، اور ہمارے دوست اسلم کو یہ
یاد نہیں کہ کبھی سے آنکھ لڑی تھی ، کبھی سے محبت کی تھی ، کس کا تیر کھا کر
تشریف لائے تھے ——— واہ ری دنیا ——— واہ رے دنیا والو
جی چاہتا ہے قربان ہو جاؤں اس دنیا پر ، اور ان دنیا والوں پر
اسلم اب تک بیٹھا مسکرا مسکرا کر ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا ، اس
کوئی نئی بات نہ تھی ، اکثر یہ لوگ اُسے چھیڑا کرتے تھے ، لیکن آج نہ جانے کیوں
دل بھر آیا ، اور اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے ، یہ کیفیت دیکھ کر

اسلم :- کیا کروں آخر؛

طلحہ :- خود کہو دادا جان سے صاف صاف ماجرا، دیکھو ڈپٹ سے کام بن جائیگا

احمد :- ہاں بھئی، یہ تو تمہیں بہر حال کرنا پڑے گا، بغیر اس کے کام نہیں چل سکتا

اسلم :- شاید اب تک انہیں حقیقت حال سے باخبر کر چکا ہوتا لیکن ایک مشکل ایسی آن پڑی ہے کہ کچھ کہتے سنتے نہیں بن پڑتا۔ ———

طلحہ :- یہ کون سی مشکل ہے ہم نے تو آج تک تمہاری زبان سے اس کا ذکر نہیں سنا،

پھر اسلم نے وہ جبریل کی اس روز والی بات دہرادی اور کہا،

اسلم :- یہ ڈر ہے مجھے کہ کہیں ابا جبریل کی بات سچ نہ سمجھ لیں اور خیال کر بیٹھیں کہ میں بقول جبریل کے نازنینان بادیہ کے چکر میں آگیا ہوں ۔

طلحہ :- اگر سمجھ بھی لیں گے تو کیا ہوجائے گا ؛

اسلم :- میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے بارے میں کوئی بری رائے قائم کریں، والد کے انتقال سے ان کا دل دکھا ہوا ہے، ان کی امیدوں اور حسرتوں کا مرکز صرف میری ذات ہے، اب اگر اس ذات سے بھی ان کو تکلیف پہنچے تو میں ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہوں ——— !

بڑے اثر انگیز لہجہ میں اسلم نے یہ باتیں کہیں، طلحہ اور احمد بھی کافی متاثر ہوئے لیکن سوال یہ تھا کہ گاڑی آگے کس طرح بڑھے ؛ کام بننے کی کیا صورت پیدا کی جائے ؛

احمد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا :- بھئی اسلم میں تمہاری رائے سے پوری

اسلم :- ہاں ——— میں نے اُسے جس دن سے دیکھا ہے محبت ہی تو کر رہا ہوں اور حالت یہ ہے کہ محبت ہر روز بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔

طلحہ :- ہاں ——— یہ تو ہوتا ہے۔

اسلم :- لیکن سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں ؟

طلحہ :- پیام بھجواؤ، شادی کرو، اور بیاہ کر کے لے آؤ اپنے گھر، اور کیا کرو گے! یہی سب کرتے ہیں، یہی تمہیں بھی کرنا چاہیے، اللہ اللہ خیر صلا، !

اسلم :- کیا پیام خود ہی بھیج دوں ؟

طلحہ :- جب تک دادا جان زندہ ہیں اس حماقت سے کوئی فائدہ نہیں،

اسلم :- خدا انہیں ہمیشہ زندہ رکھے لیکن وہ کیوں پیام بھیجیں گے ؟

احمد :- کیوں نہیں بھیجیں گے ؟ ——— میرے خیال میں انہیں تمہاری محبت کا علم نہیں ——— !

اسلم :- بالکل نہیں ——— !

طلحہ :- پھر تو انہیں یہ بھی نہیں معلوم ہوگا کہ احسان کے کوئی لڑکی بھی ہے یا نہیں ——— ؟

اسلم :- ہاں وہ یہ بھی نہیں جانتے۔

طلحہ :- (زور سے ہنس کر) ارے بھئی جب انہیں نہ تمہاری محبت کا علم ہے نہ احسان کی لڑکی کا، تو ظاہر ہے پیام کیسے بھیج دیں گے ——— ؟

اسلم :- یہی تو میں بھی کہتا ہوں،

طلحہ :- ہم سے کہنے سے کیا ہوتا ہے ——— کچھ ہمت سے کام لو!

پروگرام بنالیں، کس طرح وہاں جائیں ؛ کیا ان سے کہیں ؛ ———

بغیر یہ سب باتیں طے کئے ہوئے وہاں جانا پرلے درجے کی حماقت ہے ،

اسلم نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا اور کہا ،

- آج اچھی طرح سوچ لو، پھر جاؤ، ان کے پاس !

احمد :- ٹھیک ہے ——— لیکن تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے !

طلحہ :- احمق ہوئے ہو، انہیں ساتھ لے کر گیا بنا بنایا کام بگاڑ دو گے ؟

ہاں ، یہ طے کر لو، یہ اس وقت وہاں موجود ہوں گے ؛ جب ہم وہاں پہنچیں گے ؟

اسلم :- ہاں اس کا وعدہ کرتا ہوں !

طرح متفق ہوں، واقعی انہیں تم سے کوئی صدمہ نہیں پہنچنا چاہیئے، لیکن محبت
کوئی جرم تو نہیں؛ آخر وہ اس پر خفا کیوں ہوں گے؟

اسلم :- ہاں محبت جرم نہیں ہیں عائشہ کے سوا کسی اور لڑکی سے محبت کرنے
لگوں، تو نہ مجھے اعتراف محبت میں تامل ہوگا نہ ابا کو میری بات ماننے
میں عذر ہوگا، لیکن جبریل نے اس دن نازنینان بادیہ کا ذکر ایسے انداز میں
کیا ہے کہ اگر میرا اور عائشہ کا قصہ ان کے گوش گذار ہوا، وہ ہرگز احسان
کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں قائم کریں گے ——— انہیں اس میں
سازش کا شبہ ہوگا۔

طلحہ :- اچھا ایک ترکیب میرے ذہن میں آئی ہے۔

احمد :- ضرور فرمایئے، دیکھیں کونسی دور کی کوڑی لائے ہیں آپ؟

طلحہ :- احسان کا شکریہ ادا کرنے وہ اب تک نہیں گئے ہیں

اسلم :- ہاں ——— تو؛

طلحہ :- انہیں آمادہ کیا جائے کہ چلیں، وہاں جا کر احسان سے مل کر اس کا رکھ
رکھاؤ دیکھ کر وہ خود ہی قائل ہو جائیں گے، کتنا شریف و نجیب خاندان ہے

احمد :- ہاں یہ بڑی معقول تجویز ہے،

اسلم :- ہاں ——— لیکن میں اپنے میں تقاضا اور یاد دہانی کی ہمت نہیں پاتا

طلحہ :- کوئی مضائقہ نہیں ——— یہ کام ہم کرلیں گے ——— کیوں بھئی

احمد :- ہاں ضرور، میں تیار ہوں ——— ابھی چلتے ہو!

طلحہ :- نہیں اتنی جلدی ٹھیک نہیں، اب بات طے ہوگئی، پہلے ہم تم بیٹھ کر

امکان تھا کہ احمد اور طلحہ نہ آئیں، نہ یہ بات ممکن نظر آرہی تھی، کہ جبریل یہاں سے اٹھ جاتا ـــ! وقت تیزی سے گذرتا جارہا تھا سلیمان اور جبریل کی باتیں شیطان کی آنت کی طرح دراز ہوتی جارہی تھیں، ـــــ دونوں پر اس وقت شگفتگی کا دورہ پڑا تھا، ہنس رہے تھے، ہنسا رہے تھے!

قہقہوں کی گونج میں دفعتہً طلحہ اور احمد کے سلام کی آواز گونجی، جبریل نے تیوری چڑھاکر ان دونوں کو دیکھا، اور نظر جھکا لی، سلام کا جواب بھی نہیں دیا سلیمان اخلاق و تپاک سے پیش آیا، اس نے شفقت بھرے لہجہ میں کہا:۔

آؤ، آؤ بیٹھو!"

اب اسلم عجیب ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا، کئی مرتبہ آنکھ کے اشارے سے اس نے طلحہ کو روکنے کی کوشش کی کہ اس وقت یہ گفتگو نہ چھیڑے، لیکن طلحہ نے یا تو دیکھا نہیں، یا اس اشارہ کا مفہوم نہیں سمجھا،

سلیمان نے احمد اور طلحہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ مانا کہ تم اسلم کے دوست اور ہم عمر ہو لیکن ہمارے بھی تو دوستوں کے لڑکے ہو! ــــــ کبھی جھانکتے بھی نہیں اس طرف ــــــ؟ اس وقت بھی شاید اسلم سے ملنے آگئے ہو گے؟

طلحہ :- جی نہیں، یہ کیا بات ہوئی! آپ ہمارے بزرگ ہیں ـــــ

سلیمان :- لڑکے، میں تیرا ہی نہیں! تیرے باپ کا بھی بزرگ ہوں، وہ ہمیشہ مجھے طلحہ چچا کہا کرتا تھا!

طلحہ :- (ادب سے) جی بے شک!

سلیمان :- اس وقت کیسے آگئے تم؟ ـــــ پہلے یہ بتاؤ کس کے پاس آئے ہو؟

طلحہ کی تدبیر

سلیمان گھر کے مردانہ حصّہ میں بیٹھا تھا، جبریل بھی اس کے پاس موجود
ابھی ابھی اسلم بھی آگیا تھا، جبریل اور سلیمان میں مختلف معاملات و مسائل پر گ
ہو رہی تھی، اسلم چپ چاپ بیٹھا ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا اور دل ہی دل
دعا مانگ رہا تھا کہ یہ شخص کسی طرح یہاں سے ٹل جائے، ایسا نہ ہو، یہ بیٹھا ر
اور اس کی موجودگی میں احمد اور طلحہ آئیں، اگر ایسا ہوا تو مفت میں معاملہ بگ
کیونکہ یہ ضرور اپنی عادت سے مجبور ہو کر لقمہ دے گا، اچھی بات کا مز
پیدا کرے گا!

لیکن جبریل چٹان کی طرح جما بیٹھا تھا، وہ جنبش کرنے کا نام بھی ن
ایسا معلوم ہوتا تھا، یہ آج دن بھر یہیں بیٹھے گا، بیچارے اسلم کی جا
جا رہی تھی، وہ دل میں دعا کرنے لگا، کتنا اچھا ہو، اگر آج کسی وج
اور احمد یہاں آنے کا ارادہ ہی ملتوی کر دیں کبھی تمنا کرتا یہ مجلس کسی ط
ہو جاتے ——— لیکن بظاہر دونوں باتیں ناممکن نظر آ رہی تھیں

طلحہ :- اب خدا کے فضل سے اچھا ہوں، اور پہلے سے زیادہ کھا سکتا ہوں،

جبریل :- لڑکے، اسلم کو کھانے پینے کی اپنے گھر میں کیا کمی ہے؟

احمد :- مقصد کھانا تو نہیں سیر و شکار ہے،

جبریل :- اور اگر راستہ بھٹک گئے؟ —— صحرا میں کچھ سڑکیں تو ہوتی نہیں؟

طلحہ :- تو پھر شیخ احسان کی طرح کسی کو تلاش کر لیں گے!

سلیمان :- ہاں بیٹے خوب یاد آیا، احسان واقعی بڑا اچھا آدمی ہے، کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ جا کر اس کا شکریہ ادا کر آؤں، لیکن بھول گیا،

طلحہ :- جی ہاں بڑا اچھا ہوتا اگر آپ وہاں تشریف لے جاتے، وہ بھی آپ سے ملنے کے بے حد متمنی تھے،

جبریل :- تو کیا پاؤں میں مہندی لگی ہے؟ —— کیوں نہ چلے آئے؟

طلحہ :- اب ملاقات ہوئی کبھی تو ان سے پوچھ کر جواب دوں گا!

سلیمان (ہنس کر) شیطان کہیں کا، بزرگوں پر چوٹ کرتا ہے!

طلحہ :- بزرگ تو آپ ہیں ——!

سلیمان :- ہر وہ شخص بزرگ ہے جو عمر میں بڑا ہو!

طلحہ :- باتیں خواہ طفلانہ کرتا ہو!

سلیمان :- (پیار سے بیٹے پر ایک دھپ لگا کر) بڑی شرارت ہے — ہمیں افسوس ہے کہ اب تک شیخ احسان کے پاس نہ جا سکے، بہرحال یہ فریضہ ادا کرنا ہے، اور بہت جلد —— اسلم بیٹے تم نے بھی پھر یاد نہیں دلایا،

اسلم :- میں بھی بھول گیا، ابا، بہرحال، وہاں ہر وقت چل سکتے ہیں، جب آپ فرمائیں گے

طلحہ :- آپ کے پاس

سلیمان :- سچ کہتا ہے لڑکے؟

طلحہ :- بالکل سچ ——— قسم لے لیجئے!

سلیمان ہنسنے لگا، پھر کہا،

"کوئی خاص کام ہے یا یوں ہی ملنے چلے آئے ہو؟"

طلحہ :- ایک ضروری استدعا لے کر حاضر ہوئے ہیں ہم لوگ،

سلیمان :- استدعا لے کر؟ ——— کیا ہے وہ استدعا!

طلحہ :- ہم نے شکار کا پروگرام بنایا ہے،

سلیمان :- اور چاہتے ہو کہ اسلم کو اپنے ساتھ لیتے جاؤ ——— ؟ کیوں؟

طلحہ :- جی یہی بات ہے،

سلیمان :- احمد تم بھی اسی لئے آئے ہو؟

احمد :- جی اسی لئے حاضر ہوا تھا،

سلیمان :- نہیں بھئی جی ڈرتا ہے، میرا تو!

طلحہ :- اس میں ڈر کی کیا بات ہے، ہم لوگ بھی تو ساتھ ہوں گے۔

سلیمان :- تم لوگ پہلے بھی تو ساتھ ہی گئے تھے ——— مگر کیا ہوا؟

جبریل :- یہ ہوا کہ راستہ بھٹک گئے، اور قسمت تھی کہ بچ گئے!

طلحہ :- جی ہاں نہ صرف بچے، بلکہ ایک ایسے مہمان نواز شیخ کے ہاں پہنچے

نے مہمان نوازی اور خاطر مدارات کا حق ادا کر دیا،

احمد :- طلحہ نے تو اتنا کھایا کہ یہاں آکر بیمار پڑ گئے!

دیتا ——

سلیمان :۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تیرا بھی ان لوگوں کے ساتھ جانے کا جی چاہ رہا ہے؟

اسلم :۔ (ادب سے) جی تو چاہ رہا ہے، بہت دن ہو گئے کہیں آنا جانا نہیں ہوا

سلیمان :۔ میں تو تمہاری خاطر سے ہر کام کر لیتا ہوں —— اصرار کرو گے تو اجازت دے دوں گا، لیکن اپنی ماں سے بھی پوچھ لیا ہے —— ایسا نہ ہو کہ تم تو سیر و شکار کے مزے لوٹ رہے ہو، اور وہ رو رو کے جل تھل ایک کر رہی ہو

اسلم :۔ وہ تو میری بات فوراً مان لیتی ہیں —— سوال صرف آپ کا ہے

سلیمان :۔ تو جاؤ، پوچھ آؤ جا کر —— !

جبریل :۔ تعجب ہے گزشتہ واقعہ نے، کوئی سبق آپ کو نہیں دیا،

سلیمان :۔ کیوں کیا غلطی ہوئی مجھ سے ؟

جبریل :۔ کتنی آسانی سے لڑکے کو اجازت دے دی ۔

سلیمان :۔ ابھی تو اُسے ماں سے پوچھنا ہے ۔

جبریل :۔ ماں سے پوچھنے کی کیا اہمیت —— عورتیں ناقص العقل تو ہوتی ہی ہیں، ماں کی مامتا تو دُنیا میں مشہور ہے، اسی مامتا نے نہ جانے کتنے گھر اجاڑ دیئے ۔ اور کتنی قیمتی اور گراں مایہ زندگیاں غارت کر دیں
لیکن سلیمان تم تو مرد ہو، بوڑھے ہو زمانہ کے سرد گرم دیکھ چکے ہو، تمہیں تو زیادہ سمجھ دار ہونا چاہیئے ۔

سلیمان :۔ تمہاری رائے ہے کہ مجھے اجازت نہیں دینی چاہیئے اسلم کو ؟

جبریل :۔ ہاں —— اور یہی رائے تمہاری بھی ہونی چاہیئے

چلے چلیں گے!

سلیمان:- ہاں ٹھیک ہے بیٹے ـــــ خدا نے چاہا تو جلد ہی

جبریل:- اچھا مجھے تو اب اجازت دیجیئے،

سلیمان:- آپ ابھی بیٹھیں گے، کھانا کھا کر جائیں گے!

جبریل:- (طلحہ کی طرف اشارہ کر کے) میرے بجائے انہیں کھلایئے۔

طلحہ:- میں تو شرط بد کے کھاتا ہوں!

احمد:- اچھا فرمایئے ـــــ کیا ہم اسلم کو لے جائیں،

سلیمان:- کیسے کہہ دوں بیٹے ـــــ اس دن کے واقعہ سے دل ڈر گیا ہے۔

طلحہ:- اب انشاء اللہ اس طرح کا واقعہ نہیں پیش آئے گا،

جبریل:- اس کی ضمانت کون دے سکتا ہے، حوادث اور اتفاقات نہ کسی سے مشورہ لیتے ہیں، نہ کسی کی پرواہ کرتے ہیں،

سلیمان:- ہاں یہ تو ہے ـــــ!

جبریل:- میری تو یہ پختہ رائے ہے کہ ایسے خطرناک کاموں مثلاً شکار وغیرہ میں مشغول ہونے کی اجازت دینی ہی نہ چاہیئے۔

طلحہ:- تاکہ وہ وقت سے پہلے بوڑھے ہو جائیں،

جبریل:- وقت سے پہلے بوڑھا ہو جانا اتنا برا نہیں ہے، جتنا وقت سے پہلے دنیا سے گزر ـــــ

سلیمان:- نہیں بھئی ایسی باتیں نہ کرو،!

اسلم:- ابا اسلام ان باتوں کو نہیں مانتا، وہ شگون، بدفالی کو کوئی اہمیت

اسلم :- نہیں جاؤں گا ——— پھر کسی وقت دیکھا جائے گا!

طلحہ :- ایک اور بات میرے ذہن میں آئی ہے۔

جبریل :- خدا خیر کرے ——— !

سلیمان :- ہاں بیٹا کہو ——— کون سی بات ذہن میں آئی ہے ؛

جبریل :- (اٹھ کر) بھئی ہم جاتے ہیں، اور جاتے جاتے ایک بات کہے جاتے ہیں ——— !

سلیمان :- آپ جا تو نہیں سکتے۔ لیکن جو کچھ فرمانا ہے وہ شوق سے فرمایئے۔

جبریل :- ایک ہی قسم کا تجربہ بار بار نہیں کرنا چاہیئے، اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اسلم کی خواہش پوری کرو، اسے سیرو شکار پر جانے کا موقع دو تو ایک کام کرو۔

سلیمان :- کہتے کیوں نہیں ؛

جبریل :- تم بھی اس کے ساتھ جاؤ ——— یہاں گھر میں پڑے پڑے کیا کرتے ہو ؛ تمہاری بھی ذرا تفریح ہو جائے گی !

طلحہ :- میں تو یہ تجویز سنکر پھڑک گیا، بڑی اچھوتی اور عمدہ تجویز ہے، میں دل سے اس کا خیر مقدم کرتا ہوں، اس لئے کہ یہ بیک کرشمہ دو کار والی بات ثابت ہو گی،

سلیمان :- وہ کس طرح ؛

جبریل :- تجویز ہماری ہے، لیکن بیک کرشمہ دو کار والی بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی،

طلحہ :- جی میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ تجویز مان لی جائے یعنی

چھوٹی آنکھ کا تارا وہی تو ہے!

سلیمان :۔ لیکن مجھ سے اس کا افسردہ چہرہ بھی تو نہیں دیکھا جاتا،

جبریل :۔ خواہ وہ کتنے ہی بڑے خطرہ کو دعوت دے رہا ہو ——— ؛

سلیمان :۔ لیکن میرے دوست اس میں خطرے کی کیا بات ہے ؟ ——— دیکھو

بچو زیادہ دور تک نہ نکل جانا۔

طلحہ :۔ بہت خوب!

سلیمان :۔ اور زیادہ دیر تک نہ گھومنا۔

احمد :۔ انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا —

سلیمان :۔ مغرب کی نماز تم سب کو میرے ساتھ یہاں پڑھنی ہوگی!

طلحہ :۔ منظور ——— !

جبریل :۔ لیکن قضا نماز نہیں ———

سلیمان ہنسنے لگا،

سلیمان :۔ تمہاری زبان کسی موقع پر نہیں رکتی ،!

جبریل :۔ یہی تو مجھ میں عیب ہے، اسی لئے میرے دوست کم ہیں اور دشمن زیادہ

طلحہ :۔ جی ہاں جو لوگ زیادہ سچ بولتے ہیں، ان کا یہی حشر ہوتا ہے ———

(سلیمان سے مخاطب ہو کر) ——— تو پھر اجازت ہے

سلیمان :۔ (بے بسی سے)، ہاں بھئی جاؤ، خدا اپنی حفظ و امان میں رکھے۔

اسلم :۔ ابا اگر آپ کو ہمارا جانا ناگوار ہو، تو میں اصرار نہیں کرتا ———

سلیمان :۔ (پیار بھری نظروں سے دیکھ کر) پھر کیا کرو گے ؟

سفر

اسلم کو جبریل کا ساتھ، کباب میں ہڈی کی طرح کھٹک رہا تھا، لیکن کیا کرسکتا تھا، خاموش رہا، اُسے اندیشہ تھا کہ یہ ضرور کچھ گل کھلائے گا، لیکن کسی طرح بھی وہ جبریل کو جانے سے نہیں روک سکتا تھا!

راستہ میں طلحہ نے اس کی یہ کیفیت بھانپ لی اور کہا:-

طلحہ:- ایسا معلوم ہوتا ہے تمہیں جبریل کا ساتھ کھل رہا ہے؟

اسلم:- ہاں بھئی بہت زیادہ ——— میں اس شخص کو ذرا بھی پسند نہیں کرتا

طلحہ:- لیکن وہ تو پسند کرتا ہے تمہیں، کتنی چاہت اور تعلق خاطر کا اظہار کر رہا تھا ——— اچھا دوست ایک بات تو بتاؤ،

اسلم:- کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟

طلحہ:- جبریل کسی لڑکی کا باپ بھی ہے؟

اسلم:- کیا پیام دو گے؟ ——— ہاں ہے!

طلحہ:- اس کی عمر کیا ہے؟

آپ ہمارے ساتھ چلنے پر راضی ہوں تو پھر ہم لوگ کسی اور طرف سیر و شکار کے لئے نہیں جائیں گے ——

سلیمان :- پھر ——— ؟

طلحہ :- سیدھے شیخ احسان کے ہاں چلے چلیں گے، آپ کی اُن سے ملاقات بھی ہو جائے گی اور ہم لوگ سیر و شکار سے لطف اندوز بھی ہو لیں گے

سلیمان کچھ سوچنے لگا ——— !

جبریل :- میں صاد کرتا ہوں اس رائے پر ——— !

سلیمان :- تم بھی چلو گے ہمارے ساتھ —— ؟

جبریل :- اگر کہو گے تو چلا چلوں گا ——— !

طلحہ :- حالانکہ جی نہیں چاہتا

سلیمان :- خاموش ——— ہر بات کا جواب نہیں دیتے ! ——— اچھا بھئی طلحہ ہم نے تمہاری بات مان لی، ہم بھی چلتے ہیں تمہارے ساتھ ! یہ فیصلہ کر سب خوش ہوئے لیکن اسلم پر اوس پڑ گئی !

وہ چپ رہا ؟

اسلم :- غمگین یا خوش مزاج، یہ تو میں نہیں کہہ سکتا، لیکن شگفتہ رو تو کبھی نہیں پایا!

طلحہ :- کچھ پڑھی لکھی ہے؟ —— امورِ خانہ داری سے واقف ہے؟

اسلم :- واقعی یہ باتیں میں بالکل نہیں جانتا ——

طلحہ :- نہ جانو ہم تو پوچھ کر رہیں گے —— اچھا یہ تو بتاؤ، کپڑے زرق برق
پہنتی ہے، یا سادہ لباس میں ملبوس رہتی ہے؟

اسلم :- زرق برق ہی سمجھ لو —— سمجھ لو فضول خرچ بھی ہے —— تو
تمہیں کیا اس کا باپ غریب تو نہیں،

طلحہ :- ایک بات اور بتاؤ، کپڑے زیادہ ترمیلے پہنتی ہے، یا صاف ——؟

اسلم :- کبھی غور نہیں کیا میں نے اس مسئلہ پر!

طلحہ :- کبھی تمہارے ہاں بھی آتی ہے؟

اسلم :- ہاں آتی ہے، آج بھی آئی ہے، جرنیل صاحب یعنی اپنے والد محترم کے
ساتھ ہی تو آئی ہے!

طلحہ :- سمجھ گیا —— معلوم ہو گیا —— !

اسلم :- کیا سمجھ گئے؟ کیا بات معلوم ہو گئی، ہمیں نہیں بتاؤ گے؟

طلحہ :- ارے بھئی تمہیں نہیں بتائیں گے تو پھر کسے بتائیں گے؟ سن لو کان کھول
کر قسمت پھوٹ گئی،

اسلم :- (حیران ہو کر) قسمت پھوٹ گئی؟ کس کی؟

طلحہ :- جان سے زیادہ عزیز اور محبوب دوست اسلم کی، آہ۔

اسلم :- کچھ دماغ چل گیا ہے تمہارا —— ؟ —— میری قسمت کیوں پھوٹتی؟

اسلم :- میری ہم عمر سمجھ لو !

طلحہ :- اور نام ——— ؟

اسلم :- نام ——— ؟ اُسے عذرا کہتے ہیں ؛

طلحہ : صورت شکل کی کیسی ہے ؟

اسلم :- بہت معمولی، بلکہ بھدّی ؛ ——— نہ رنگ ، نہ صورت ، نہ قد و قامت

جس اعتبار سے بھی دیکھو لغو اور مہمل ہے !

طلحہ :- موٹی بھی ہو گی ؛

اسلم :- ہاں بہت زیادہ تو نہیں لیکن کافی موٹی ہے ،

طلحہ :- میرا خیال ہے اس کا رنگ گورا نہیں ہو سکتا ، سانولا بھی نہیں ہو سکتا ،

گیہواں بھی نہیں ہو سکتا ——— ضرور وہ کالی ہے !

اسلم :- (مسکرا کر) ہاں ہے تو ! ——— لیکن کیوں پوچھ رہے ہو یہ باتیں !

طلحہ :- پہلے سوالات کا جواب دیتے جاؤ !

اسلم :- ابھی کچھ اور بھی پوچھنا ہے ؟

طلحہ :- بس چند سوالات اور ہیں !

اسلم :- چلئے ——— دریافت فرمائیے !

طلحہ :- مزاج کی کیسی ہے ؟

اسلم :- میں کیا جانوں ؟ ممکن ہے اچھی ہو ، ممکن ہے بُری !

طلحہ :- اچھا ایک اور بات بتاؤ ——— جب بھی تم نے اُسے دیکھا ، تو شگفتہ

پایا ، یا شکن بر جبیں ؛

جبریل :۔ لیکن زبان تو برابر چل رہی ہے !

طلونے کوئی جواب نہیں دیا، اشارہ سے کہا۔ اب تو میں چپ ہو گیا ؟

اس کی اس عجیب حرکت، اور عجیب ذہنیت پر خود، جبریل کو بھی ہنسی آ گئی۔

جبریل :۔ واقعی بھئی جیسا سنا تھا، ویسا ہی پایا ——— شرارت کوٹ کوٹ کر بھری ہے ——— پھر، جبریل نے احمد سے کہا :۔

جبریل :۔ کیوں بیٹے ——— ابھی اور کتنی دور تک ہمیں چلنا پڑے گا ؟

میرا مطلب ہے، شیخ احسان کا قبیلہ، ابھی یہاں سے کتنی دور اور ہے

احمد :۔ بس اب آدھ گھنٹہ کی مسافت رہ گئی ہے ——— پہنچا ہی چاہتے ہیں ——— !

طلحہ :- دیکھ لینا، یہ لڑکی عذرا تمہارے سر ضرور منڈھی جائے گی!

اسلم :- عقل کے ناخن لو

طلحہ :- میں عقل کے ناخن لوں، یا بیوقوفی کے، لیکن تم خدا کے لئے اس مصیبت سے
بچنے کی کوشش کرو!

اسلم :- لیکن اس طرح کا ذکر تو آج تک نہیں ہوا،

طلحہ :- انتظار کرو ــــــ،

اسلم :- اگر ایسا ہوا تو میں صاف انکار کردوں گا!

طلحہ :- تمہیں یہی کرنا چاہئیے، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ تمہارے دادا بھی انکار نہ کرنے دیں گے

اسلم :- تو کیا وہ میری زندگی سے کھیلیں گے؛

طلحہ :- ہاں ــــــ انجان بنے ہیں،

اسلم :- وہ مجھے بہت چاہتے ہیں، تم نے دیکھا نہیں آج ــــــ؟

طلحہ :- وہ جبریل کو بھی بہت مانتے ہیں، تم نے دیکھا نہیں آج ــــــ؟

قبل اس کے اسلم کوئی جواب دے، جبریل اپنا اونٹ بڑھا کر، ان لوگوں کے قریب آ گیا، اس کے آتے ہی یہ لوگ خاموش ہو گئے، اس خاموشی کو اس نے محسوس کر لیا!

جبریل :- تم لوگ چپ کیوں ہو گئے؟

طلحہ :- بزرگوں کے سامنے چھوٹے لب کشائی نہیں کرتے!

جبریل :- کب سے؟

طلحہ :- یہ فیصلہ اسی وقت میں نے کیا ہے؛

کرنے میں اس کی تسلی اور دلداری کی کوشش کی لیکن خالی خولی الفاظ سے عشق کی آگ بجھ نہیں ہوتی، کچھ اور بھڑک جاتی ہے، چنانچہ عمار کی ہمدردیوں اور دلداریوں نے اُسے سکون تو نہیں پہنچایا اور زیادہ مضطرب اور پریشان کر دیا —— وہ چاہتی تھی کسی کو اپنا رازدار بنائے، کسی کے سامنے دل کھول کر رکھ دے لیکن وہ کون ہو ——؟ بہر حال وہ عمار تو نہیں ہو سکتا تھا —— کسی طرح نہیں!

عمار نے بھی عائشہ کی یہ اندرونی کیفیت محسوس کر لی تھی، چنانچہ اس نے جب جمیلہ کو دیکھا تو دل میں بہت خوش ہوا، اس نے محسوس کر لیا۔ اب مشکل حل ہو جائیگی اب کام بن جائے گا۔

اب مطلب نکل جائے گا، اتفاق کی بات، جمیلہ خود ہی عائشہ کو ستا پاکر اس کے پاس چلی آئی، عمار نے اُسے وہ بھرا کہ پہلے تو ششی گم ہوگئی بیچاری کی، پھر یہاں سے جا کر اس نے عائشہ کو ایسا جھنجھوڑا کہ اس کے حواس پرّاں ہو گئے، دونوں میں بڑی دوستی اور چاہت تھی، عائشہ تو خود ہی چاہ رہی تھی دل کا بخار نکالنا، پہلے تو یونہی ظاہرداری کے طور پر انکار کرتی رہی، پھر اس نے جو کچھ دل میں تھا اُگل دیا، ایک ایک بات بتا دی۔

جمیلہ مزے لے لے کر سنتی رہی، بڑی دیر تک دونوں سر جوڑے باتیں کرتی رہیں

پھر روز روز ملاقات ہونے لگی، ہر ملاقات میں بس اسلم ہی کی باتیں ہوتیں، جمیلہ بھی کرید کرید کر اس کی باتیں پوچھتی اور عائشہ بھی مزے لے لے کر یہ کہانی بیان کرتی!

ایک روز جمیلہ اور عائشہ اپنے کمرہ میں بیٹھی تھیں، احسان مردانہ حصہ میں بیٹھا وقت

عشق اور رشک

کہتے ہیں کہ عشق اور رشک چھپائے نہیں چھپتے، واقعی یہ کہاوت بڑی حد تک
صحیح ہے، عائشہ نے اپنا حالِ زار چھپانے کی بڑی کوشش کی، لیکن تاڑنے والی
نگاہوں نے تاڑ لیا!

تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں!

عمار تو پہلے ہی دن جان گیا تھا جب وہ خرمے کی تھیلی لایا تھا، اس نے
چہرے کا اُتار چڑھاؤ دیکھ کر اندازہ کر لیا، یہ صرف احسان شناسی نہیں ہے ہمدر
اور انسانیت نہیں ہے ان لرزتے ہوئے ہونٹوں، گھبراتے ہوئے چہرے، اُلجھے ہو
بالوں اور گھبرائے ہوئے انداز میں کوئی اور چیز بھی کام کر رہی ہے اور وہ
محبت کے کیا ہو سکتی ہے؟ —— لیکن اس نے عائشہ کو گرمیوں میں ک
تھا، وہ اس کے باپ کی جگہ تھا، اور خود عائشہ بھی اس سے وہی برتاؤ رکھتی تھ
جو ایک بیٹی باپ سے رکھتی ہے، پھر بھلا وہ اس کا رازدار کیسے بن سکتا تھا
اپنی اس کمزوری کو بری طرح محسوس کرتے ہوئے بھی اس نے اشار ——

عائشہ :- کہاں — ؟ کوئی خبر نہیں آئی !

جمیلہ :- سنا ہے وعدہ کر گئے تھے کہ بہت جلد آئیں گے ؟

عائشہ :- ہاں عمار کہہ تو رہا تھا۔

جمیلہ :- پھر آئے کیوں نہیں ؟

عائشہ :- (مسکرا کر) یہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے ؟ — بس کیا بتاؤں کیوں نہیں آئے — واہ !

جمیلہ :- جب آئیں پوچھنا دیر کیوں لگائی ؟

عائشہ :- اچھا بھئی اچھا پوچھ لوں گی تمہاری طرف سے !

جمیلہ :- لے واہ کچھ دماغ صحیح ہے — میری طرف سے کیوں پوچھو گی ؟

عائشہ :- پھر کس کی طرف سے پوچھوں ؟

جمیلہ :- اپنی طرف سے — محبت تم کرتی ہو، اور پوچھو گی ہماری طرف سے ! — اچھی اُلٹی گنگا بہا رہی ہو !

عائشہ :- تو اس سے کیا ہوتا ہے — آخر تم بھی تو ان کی کچھ ہو، میں میرے رشتہ سے !

جمیلہ :- یہ مردوے بڑے بے وفا ہوتے ہیں، جتنی جلدی عشق کرتے ہیں، اتنی ہی جلدی بھول بھی جاتے ہیں، ان کے نزدیک عشق اور محبت کی حقیقت سوانگ سے زیادہ نہیں — ! کاش ایسا ہی دل عورتوں کا بھی ہوا کرتا ، پھر بڑا لطف آتا — یہ روتے ، جلتے کڑھتے ، ہم ہنستے ، جلاتے ، رُلاتے — کیوں عائشہ کیا ایسا نہیں ہو سکتا ؟

گزاری کے لئے عمارے باتیں کر رہا تھا، جمیلہ نے کہا۔

جمیلہ :۔ تم نے پہلی مرتبہ جب اسلم کو دیکھا تو کیا کیفیت ہوئی تھی تمہاری۔

عائشہ :۔ بس یہی جی چاہا کہ تکتی رہوں —— اسی دیکھنے ہی نے تو تالاب کی تہہ میں پہنچا دیا، وہ تو کہو زندگی تھی جو بچ گئی، ورنہ آج تم اور یہی ہوتیں مجھے!

جمیلہ خدا نہ کرے ایسی باتیں نہ کرو —— اچھا تالاب کی تہہ میں پہنچ کر تم نے کیا محسوس کیا؟

عائشہ :۔ وہاں پہنچ کر کیا محسوس کرتی؟ میرے تو حواس غائب ہو گئے، اتنے میں مجھے کسی نے گھسیٹا اور باہر نکال لایا،

جمیلہ :۔ وہ اسلم صاحب ہوں گے؟

عائشہ :۔ اور کیا تم تھیں؟

جمیلہ :۔ سنا ہے انہوں نے کاندھے پر اٹھا لیا تھا ——؟

عائشہ :۔ ہاں ——

جمیلہ :۔ بڑا اچھا لگا ہوگا؟

عائشہ :۔ تم بھی تالاب میں گر کر دیکھ لو!

جمیلہ :۔ تاکہ مجھے کوئی کاندھے پر نکال کر لائے؟ —— اوئی، زج!

عائشہ :۔ پھر کاندھے پر چڑھنے کا مزہ کیسے معلوم کروگی؟

جمیلہ :۔ درگذری —— مجھے نہیں چاہئے کچھ —— جب سے وہ گئے کوئی خبر بھی آئی؟

جمیلہ :- تو پھر آخر کیا ہو گا؟

عائشہ :- مجھ سے زیادہ تو تم پریشان ہوتی جا رہی ہو؛ —— خدا پر بھروسہ رکھو، وہ بڑا مسبب الاسباب ہے، ضرور اس جدائی کو قرب سے بدل دے گا!

جمیلہ ہنسنے لگی اُس نے کہا،

جمیلہ :- آج تو بہت خوش نظر آ رہی ہے، کیا بات ہے؟

عائشہ :- کوئی بات نہیں تم آجاتی ہو تو واقعی دل کی مرجھائی ہوئی کلی کھل جاتی ہے ساری پریشانی اور افسردگی بھول جاتی ہوں، تھوڑی دیر کے لیے —— چلی جاؤ گی تو پھر ہم ہیں اور وہی اضطراب و اضطرار —— پھر وہی کنج قفس، پھر وہی صیاد کا گھر ——

جمیلہ :- کہو تو اُٹھ آؤں تمہارے ہاں!

عائشہ :- نیکی اور پوچھ پوچھ —— بس اب رہ جاؤ ہم تمہارے کہلا دیں گے، جمیلہ چند دن یہیں رہے گی —— !

جمیلہ :- بخشو! —— میں نے تو یونہی مذاق میں کہہ دیا تھا،

عائشہ :- اگر رہ جاؤ گی تو کون سی قیامت آ جائے گی —— ویسے دوستی کا اتنا لمبا چوڑا دعویٰ ہے —— بس دیکھ لیا!

جمیلہ :- اری پگلی جی تو میرا بھی بہت چاہتا ہے لیکن کیا بہانہ کروں اماں ابا سے؟

عائشہ :- بس یہی کہ عائشہ کی طبیعت خراب ہے —— کیا یہ سن کر بھی وہ اجازت نہیں دیں گے؟

جمیلہ :- وہ تو دے دیں گے —— اور وہ حضرت؟

عائشہ :- سب ہو سکتا ہے، دعا کرو، خدا سے یوسف عورت ہو جائیں اور تم مرد

پھر سنا کتنا لینا جتنا جی چاہے!

جمیلہ :- لیکن مجھے رحم جو آتا ہے جلدی سے!

عائشہ :- لیکن مرد بننے کے بعد نہیں آیا کرے گا!"

جمیلہ :- تو کیا میں سنگدل بن جاؤں گی؟

عائشہ :- اور کیا پھر سنگدل بن کر عورتوں پر ظلم کے پہاڑ توڑا کرو گی؟

جمیلہ :- (کچھ سوچ کر) نہ بابا میں باز آئی مرد بننے سے ——— مرغی لنڈوری بھلی۔

عائشہ :- بس اتنے ہی میں گھبرا گئیں بی بتو! ——— بڑی چلی تھیں فاتح اعظم بننے کے لئے ———

اس حوصلہ کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے

——— اب ایسی بات نہ کرنا کبھی!

جمیلہ :- ہو گا بھئی چھوڑو ان باتوں کو ——— تو پھر خود ہی بھیجو کسی کو اسلم کے پاس

عائشہ :- کیسے بھیج دوں؟ کیا کہلواؤں؟ ——— یہ کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں

——— ؟ مر رہی ہوں تمہارے فراق میں؟

جمیلہ :- ہاں اور کیا ——— سانچ کو آنچ کیا،

عائشہ :- مرجانا منظور، لیکن ایسی بے حیائی کی بات نہیں نکل سکتی میرے منہ سے ——— اور اگر کہیں ابا کو پتہ چل جائے، تو یہ ساری محبت جو وہ مجھ سے کرتے ہیں تہہ کر کے رکھ دیں، اور تلوار لے کر بل پڑیں ——— اچھی اصلاح کی ہے بھئی واہ شاباش ———

ڈال کر پوچھا۔

عائشہ :- کیوں روٹھ گئی ——— بول؟

جمیلہ مسکرا دی "ہاں ——— جاؤ، ہم نہیں بولتے تم سے!"

عائشہ :- اچھا معاف کرو، اب ایسی باتیں نہیں کریں گے ——— !

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ عمار دوڑا دوڑا آیا وہ بہت خوش تھا، خوشی کے مارے چہرہ گلنار ہو رہا تھا ——— اسے اتنا مدہوش اور از خود رفتہ دیکھ کر جمیلہ بولی :-

"کیا بات ہے بڑے خوش نظر آ رہے ہو؟"

عمار نے مسرت سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔ ہاں میں بہت خوش ہوں، بہت خوش ہوں، مجھے میرا گوہر مراد مل گیا، میں نے اُسے پا لیا ——— میں نے اُسے پا لیا!

جمیلہ نے پوچھا، کون آ گیا ہے ——— ؟ خدا کے لئے بتاؤ ——— کچھ نام بھی ہے اس کا؟"

عمار :- وہ ——— وہ اسلم آ گیا ——— اس کا باپ بھی ساتھ ہے، ساتھی بھی اور ایک کوئی اور آدمی بھی!

جمیلہ بھی بہت خوش ہوئی،

"سچ ——— ؟"

لیکن عمار مہمانوں کی خاطر مدارات کے لئے باہر واپس جا چکا تھا ——— !

اس وقت عائشہ کی حالت قابل دید تھی ——— خاموش لیکن متکلم!

عائشہ :۔ کون یوسف ؟ ——— وہ منع کریں گے ؟

جمیلہ :۔ ہاں ضرور منع کریں گے، وہ ایک پل کے لئے بھی، مجھے جدا نہیں کرنا چاہتے ——— عاجز کر دیا ہے انہوں نے تو!

عائشہ :۔ خواہ مخواہ بیچارے کو بدنام کر رہی تھیں، اتنا تو چاہتا ہے،

جمیلہ :۔ میں کیوں بدنام کرتی ؟

عائشہ :۔ تمہی ابھی مردوں کو کوس رہی تھیں کہ بڑے بے وفا ہوتے ہیں، ایسے ہوتے ہیں ویسے ہوتے ہیں، میں تو یہی سمجھتی تھی کہ پردے پردے میں غریب یوسف کا ذکر ہو رہا ہے۔

جمیلہ :۔ نہیں انہیں نہیں کہہ رہی تھی، میں تو عام مردوں کا ذکر کر رہی تھی ——— وہ تو بڑے اچھے ہیں! میرا تو رواں رواں ان کے گن گاتا ہے ——— کہیں باہر وہ ہو جاتی ہے تو دل میں طرح طرح کے وسوسے آنے لگتے ہیں، جی چاہتا ہے خوب چیخ مار مار کے روؤں ——— !

عائشہ :۔ اللہ اللہ، یہ جوش ہے محبت کا ؟

جمیلہ :۔ کیوں نہ ہو؟ ——— تمہاری شادی ہو جائے اسلم سے پھر پوچھوں گی

عائشہ :۔ کیا پوچھو گی ؟ ——— میں تمہاری ایسی چھچھوری کبھی نہ بنوں،

جمیلہ :۔ اس میں چھچھورپن کی کیا بات ہے ؟ خود اپنے آپ کو بڑھانے کے لئے دوسروں کو گراتی ہو ؟

عائشہ :۔ (مسکرا کر) او ہو خفا ہو گئیں ہماری جمیلہ ؟

یہ کہہ کر اس نے جمیلہ کو گھسیٹ کر گلے سے لگا لیا، پھر اس کی گردن میں

طلحہ بول پڑا،

"جی میں نے بھی، !"

سلیمان نے کہا،

"ماشاء اللہ بڑے ہونہار معلوم ہوتے ہو، ابھی سے پُرخوری کا یہ عالم ہے تو جبریل کی عمر تک پہنچتے پہنچتے تو اُن سے بھی بازی لے جاؤ گے!"

طلحہ نے مُسکراتے ہوئے جواب دیا،

"گستاخی معاف، اگر اجازت ہو تو ابھی ان سے بازی لے جا سکتا ہوں، میں بھی جوان ہوں، میرا معدہ بھی جوان ہے، میرا پیٹ بھی جوان ہے، !"

سب لوگ ہنسنے لگے، سلیمان نے جبریل کو چھیڑتے ہوئے کہا،

"سن رہے ہو اس لڑکے کی باتیں ——— ؟"

وہ بولا،

"ہاں سن رہا ہوں ——— چھوٹا منہ بڑی باتیں !"

پھر سب ہنسنے لگے، لیکن طلحہ بغیر جواب دیئے کیسے رہ سکتا تھا، کہنے لگا!

"بجا ارشاد ہوا ——— لیکن اگر آپ یوں کہتے کہ چھوٹا منہ اور بڑے لقمے تو زیادہ صحیح ہوتا!"

سلیمان نے ہنستے ہوئے، جبریل کو مخاطب کیا،

"بھئی تم اس لڑکے سے نہیں جیت سکتے، ———"

طلحہ نے قطع کلام کیا،

"اور جیت بھی جائیے گا تو کیا ہوگا؛ کیا پیٹ بھر جائے گا جیتنے سے؛ ہار جیت

دستر خوان پر

شیخ احسان نے اپنے مہمانوں کی شاندار طور پر پذیرائی کی ، دیدہ و دل فرش راہ کر دیئے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے گدا کے گھر بادشاہ آگیا، کھانے کا وقت آیا، طرح طرح کے خوانِ نعمت دستر خوان پر موجود ، طلحہ اور جبریل نے خوب بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارے لیکن اور اسلم اور احمد نے شریفوں کی طرح کھانا کھایا ، جبریل کی بسیار خوری سے لطف اند ہوتے سلیمان نے کہا۔

"کیوں بھئی کیا ارادہ ہے ؟ اتنا ظلم تو نہ کرو اپنے پیٹ پر کہ وہ پھٹ جائے

——!"

شیخ احسان نے ایک قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھائی صاحب کھانے دیجئے، ابھی انہوں نے کھایا ہی کیا ہے، ر

ران بڑھاتے ہوئے) لیجئے شوق کیجئے!"

جبریل نے ران پر قبضہ کر لیا، اور اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔

"اتنا مزیدار کھانا واقعی میں نے کبھی نہیں کھایا۔"

کا فیصلہ بعد میں ہوتا رہے گا، اس وقت تو ہمیں خاموشی سے اپنا کام جاری رکھنا چاہئے
ایسے نادر موقعے روز روز نہیں ملتے۔!"

یہ کہہ کر وہ بڑے انہماک سے کھانے میں مصروف ہو گیا، جبریل کو غصہ تو بہت آیا ان گستاخانہ باتوں پر، لیکن اس نے سوچا یہ لونڈا سچ کہتا ہے، پہلے اس ترمال پر ہاتھ صاف کرنا چاہیئے، نوک جھونک بعد میں ہوتی رہے گی، یہ سوچ کر، اس نے بھی دھڑا دھڑ کر ہاتھ مارنا شروع کر دیئے۔

کھانے کے بعد بڑی دیر تک مہمان اور میزبان میں باتیں ہوتی رہیں، احسان کی زبان پر اسلم کی جرأت، بہادری، شرافت اور سعادتمندی کا ترانہ تھا، وہ بڑے فخر اور مسرت کے ساتھ اس دن کی کہانی بیان کر رہا تھا، جب عائشہ تالاب میں گر پڑی تھی، اور اسلم نے اپنی جان خطرہ میں ڈال کر اسے بچایا تھا،

سلیمان اپنے پوتے کے اس کارنامہ کو بڑی مسرت کے ساتھ سن رہا تھا، لیکن جبریل پر لوٹ رہا تھا، نہ جانے کیوں وہ اس گفتگو سے ایک طرح کی تکلیف محسوس کر رہا تھا، شاید وہ ڈر رہا تھا کہیں ایسا نہ ہو یہ باتیں اس درجہ اثر انگیز اور نتیجہ خیز ثابت ہوں کہ اس اور عائشہ کی شادی طے پا جائے، اور اسے وہ کسی قیمت پر گوارا نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ اس نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اسلم کی شادی عذرا سے ہوگی، اتنا اچھا اور داماد اور کہاں میسر آئے گا؟ ——— !

یہ کون ہے؟

اسلم سونے کے لئے لیٹا تو اس کی آنکھوں میں عائشہ کی تصویر پھر رہی تھی، جتنی جتنی وہ سونے کی کوشش کرتا تھا، اتنی ہی نیند دور ہوتی جاتی تھی، ساری رات اسی طرح کروٹیں بدلتے گزر گئی، ایک پل کے لئے پلک نہ جھپکی، پھر جب سپیدۂ صبح نمودار ہوا تو وہ بستر سے اٹھ بیٹھا، دوسرے لوگ ابھی محوِ خواب تھے، وہ اٹھا، اور ٹہلتا ہوا، بہت دور نہ جانے کہاں نکل گیا، واپسی میں وہ تالاب پھر نظر آیا، سوچا، یہیں وضو کر کے نماز پڑھ لے، نماز سے فارغ ہو کر تالاب کے قریب نسبتاً ایک بلند جگہ پر بیٹھ گیا، منظر کچھ ایسا دلکش تھا کہ مرے سرو پا کا ہوش نہ رہا، صبح کا سہانا وقت، نسیم سحر کی اٹکھیلیاں، پرندوں کی چہچہاہٹ خود رو پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو، ایک پتھر سے ٹیک لگائے بے خودی کے عالم میں اسلم بیٹھا تھا، اس جاں فزا منظر نے کچھ ایسا جادو کیا کہ رفتہ رفتہ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں، رات بھر کا جاگا ہوا تھا، بہت جلد نیند نے اُسے اپنی آغوش میں لے لیا،

تھوڑی دیر کے بعد حسب معمول عائشہ پانی بھرنے کے لئے تالاب پر آئی، آج وہ اکیلی نہ تھی، اس کے ساتھ جمیلہ بھی تھی، دونوں سہیلیاں مسکراتی ہنستی، مزے مزے کی

جمیلہ :- کوئی مسافر معلوم ہوتا ہے یہ ؟

عائشہ :- ممکن ہے مسافر ہو ،

جمیلہ :- لیکن یہاں کیوں پڑ رہا آکر؟ اور کہیں ٹھہر جاتا !

عائشہ :- ہاں بڑی غلطی کی اس نے ——— شاید بیچارے کو معلوم نہیں ہوگا کہ تم جیسے مہمان نواز لوگ بھی یہاں رہتے ہیں، ورنہ سیدھا تمہارے کاشانہ کا رُخ کرتا ، پھر تمہارے اخلاق اور گرم جوشی ، خاطر تواضع ، مہمان داری اور پرسش سے اتنا متاثر ہوتا کہ دھونی رما کر بیٹھ جاتا ، اور واپس جانے کا نام نہ لیتا۔

جمیلہ :- پھر وہی شرارت ؟

عائشہ :- بھول گئی تھی ، معاف کردو ،

جمیلہ :- معاف بعد میں کروں گی ، پہلے یہ بتاؤ ، یہ ہے کون ؟

عائشہ :- وہ تو میں بتا چکی ، آدمی ہے ——— یہ بھی ہو سکتا ہے آدمی نہ ہو ،

جمیلہ :- اگر آدمی نہیں تو کیا ہو سکتا ہے ؟

عائشہ :- چور ، ڈاکو ، رہزن ، قاتل ، لٹیرا ———

جمیلہ :- عائشہ چپ رہو (سہمے ہوئے انداز میں) خدا کے لئے چپ رہو ،

عائشہ :- کیوں ؛

جمیلہ :- مجھے ڈر لگتا ہے ؛

عائشہ :- کہیں واقعی یہ چور ، اور قاتل نہ ہو ، ؟

جمیلہ :- ہاں !

عائشہ :- تو آؤ جلدی سے پانی بھریں اور بھاگ چلیں۔

باتیں کرتی، ایک دوسری کو چھیڑتی اور بناتی تالاب کے پاس پہنچ گئیں، یہاں آنے کے بعد سب سے پہلے جمیلہ کی نظر اسلم پر پڑی، اس نے عائشہ سے کہا،

"یہ کون مردوا یہاں سو رہا ہے ——— ؟"

عائشہ مسکرائی،

"میں کیا جانوں، حال جاننے کا ایسا ہی شوق ہے تو ایک قدم آگے بڑھاؤ، اور پکڑ کر اٹھاؤ، اور پوچھ لو، کیوں جناب آپ کی تعریف کیا ہے؟ اسم شریف کیا ہے؟ دولت خانہ کہاں ہے؟ شادی ہوئی ہے یا نہیں؟ کسی سے عشق فرمانے کی جرأت بھی کی ہے کبھی؟"

جمیلہ ہنسنے لگی،

"واہ، اچھی کہی، مجھے کیا پڑی ہے اُسے جگانے اور پوچھ گچھ کرنے کی"

عائشہ :- تو نہ پوچھو،

جمیلہ :- لیکن سمجھ میں نہیں آتا یہ ہے کون؟

عائشہ :- اتنا تو میں جانتی ہوں، یہ کون ہے؟

جمیلہ :- وہی تو پوچھ رہی ہوں، بتاؤ کون ہے؟

عائشہ :- آدمی!

اور پھر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی، جمیلہ نے اس کے ایک زور کی چٹکی لی

"تو اپنی شرارت سے باز نہیں آئے گی؟!"

عائشہ نے بازو سہلاتے ہوئے کہا۔

"میری توبہ، اب بھولے سے بھی شرارت نہیں کرنے کی!"

جمیلہ :- جی ہاں، میں بیہوش ہو جاؤں آپ کو لطف آئے گا، یہ تو وہی بات ہوئی
کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری ——————— !

عائشہ :- مجھے تو افسوس ہو گا، لطف تو کسی اور کو آئے گا ؟

جمیلہ :- اور کون بیٹھا ہے یہاں لطف لینے کے لئے تمہارے سوا ؟

عائشہ :- (اشارہ کرتے ہوئے) وہ رہا ——————— جانتی ہو تم بیہوش ہو گئیں تو کیا ہو گا ؟ میں فوراً دوڑی دوڑی اس آدمی کے پاس جاؤں گی، اسے جگاؤں گی اور روتے ہوئے کہوں گی، یہ میری بہن ہے جمیلہ، آپ کے ڈر سے بیہوش ہو گئی، اُٹھئے، میرا منہ نہ دیکھئے، جلدی کیجئے اُسے گود میں اُٹھائیے، اور گھر تک پہنچا دیجئے بڑا کرم ہو گا، آپ کا میرے اُوپر، یہ سنتے ہی وہ کھڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے گا، فوراً تمہیں اپنے دونوں بازوؤں پر اُٹھائے گا، اور ——————— اور پھر وہ خود بیہوش ہو جائے گا ؟ بھلا تاب لا سکتا ہے تمہارے نظارۂ جمال کی، !

جمیلہ :- عائشہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے، ایسی بہکی بہکی باتیں کیوں کر رہی ہو ؟

عائشہ :- اچھا چپ ہوئی جاتی ہوں ——————— بس ؟

جمیلہ :- ہاں بس ——————— لیکن اب واپس چلو،

عائشہ :- ابھی چلتے ہیں، آؤ پہلے پانی بھر لیں،

جمیلہ :- میں ہرگز پانی نہیں بھروں گی، نہ تمہیں بھرنے دوں گی،

عائشہ :- کیوں مجھے کیوں نہیں بھرنے دو گی ؟

جمیلہ :- برتنوں کی کھڑکھڑاہٹ سے وہ ضرور بیدار ہو جائے گا، اور قبل اس کے کہ وہ بیدار ہو ہمیں یہاں سے چل دینا چاہیئے، نہ جانے کون شخص ہے اتنے

جمیلہ :- نہیں پانی پھر کسی وقت آکر بھر لیں گے اب چلو ،

عائشہ :- کچھ دیوانی ہوئی ہو ؟ اتنا بھی کیا ڈرنا ؟ وہ ایک ہے ، ہم دو ہیں ،

جمیلہ :- تو اس سے کیا ہوتا ہے ؟

عائشہ :- کیوں نہیں ہوتا ؟ ——— وہ کیا کرلے گا ہمارا ؟

جمیلہ :- بھئی مرد جب بدمعاشی پر اُتر آئے تو عورت بیچاری کیا کرسکتی ہے ؟

عائشہ :- منہ توڑ سکتی ہے ، جان لے سکتی ہے ، جان دے سکتی ہے ،

جمیلہ :- ممکن ہے تم یہ سب کچھ کرسکتی ہو ، لیکن میں کچھ نہیں کرسکتی ، مجھ میں یہ حوصلہ اور ہمت نہیں ہے ۔

عائشہ :- کیا تم ایک بہادر باپ کی بیٹی نہیں ہو ؟

جمیلہ :- اس سے کیا ہوتا ہے ؟

عائشہ :- کیا تم ایک بہادر شوہر کی بیوی نہیں ہو ؟

جمیلہ :- خدا کے لئے وقت نہ ضائع کرو عائشہ ، واقعی مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے ، جلدی بھاگ چلو ، ابھی وقت ہے ، اگر کہیں یہ کم بخت جاگ گیا ، تو نہ جانے کیا ہو ؟

عائشہ :- میں ابھی اسے جگائے دیتی ہوں ، دیکھوں گی ، یہ کیا کرلیتا ہے ؟ کیا کرسکتا ہے ؟

جمیلہ :- نہیں ، خدا کے لئے نہیں ، تم اپنے اوپر رحم نہیں کرتیں ، تو میرے اوپر کرو ، میرا دل زور زور سے دھڑک رہا ہے ، اگر فوراً تم واپس نہ ہوئیں تو میں یہیں بیہوش ہوکر گر پڑوں گی ،

عائشہ :- واہ ——— نیکی اور پوچھ پوچھ ، کیوں نہیں ہو جاتیں بیہوش جب ہی تو لطف آئے گا ،

خوف

جمیلہ واقعی بڑی بزدل لڑکی تھی، عائشہ ہمیشہ بادِ سحر کی طرح اٹھکیلیاں کرتی تن تنہا گھاٹ پر آتی، پانی بھرتی، پھر خراماں خراماں واپس چلی جاتی، خوف کسے کہتے ہیں؟ اس پر اس نے کبھی غور بھی نہیں کیا، اس کے برعکس جمیلہ کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے سایہ سے بدکتی تھی، صبح شام تو کیا، دوپہر کے وقت بھی اس نے کبھی تنہا گھاٹ پہ آنے کی ہمت نہیں کی، اور چوروں لٹیروں، اور رہزنوں کے نام سے تو وہ کانپتی تھی ایک مرتبہ ٹیروں کے قبیلہ پر ڈاکہ پڑا تھا، اور ڈاکو بہت سے مال کے ساتھ قبیلہ کی ایک لڑکی کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے، کیونکہ ڈاکوؤں کا سردار اسے چاہنے لگا تھا، جب سے اس نے ڈاکہ کا حال سنا تھا، یہ نام سنتے ہی لرزنے لگتی تھی، کسی اجنبی کو اکیلا دکیلا دیکھ لیتی، تو جیسے دل کے اندر بیٹھا ہوا کوئی کہتا

"یہ چور ہے، یہ ڈاکو ہے، یہ رہزن ہے!"

اور پھر اس کے بدن میں جھرجھری سی آجاتی، اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑی ہوتی، پتھر سے ٹیک لگا کر اس آدمی کو سوتے ہوئے جب اس نے دیکھا تو

سنسان وقت ہمیں اس کے سامنے نہیں جانا چاہیے ——— !

عائشہ :- بات تو معقول ہے،

جمیلہ :- تو پھر چلو،

عائشہ :- چلتی ہوں ——— ابھی چلتی ہوں، ذرا پانی بھر لوں،

جمیلہ نے بڑی بے بسی اور برہمی کی نظر سے اسے دیکھا، عائشہ نے اس کی یہ کیفیت محسوس کر لی، اور کسی طرح اپنی ہنسی نہ ضبط کر سکی، یہ نقرئی قہقہے رائگاں نہ گئے، جو شخص سامنے پتھر کی ٹیک لگائے سو رہا تھا، وہ یک بیک آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

——— !

"۔۔ وہ اسی طرف آ رہا ہے، اب یہاں ٹھہرنا بالکل مناسب نہیں، خطرہ سر پر ہے، اور تم اسے ذرا بھی محسوس نہیں کرتیں!"

عائشہ نے اپنا دامن اس کے ہاتھ کی مضبوط گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے

"کرتی ہوں لیکن ڈرتی نہیں، میں خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی، اسی نسخہ پر تم بھی عمل کرو، دل بے خوف ہو جائے گا!"

جمیلہ نے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"یہ نسخہ تمہی کو مبارک ——— اچھا چلو، جلدی سے پانی بھر لو، وقت کیوں ضائع کر رہی ہو خواہ مخواہ کی باتوں میں!"

دونوں سہیلیاں گھاٹ کی طرف بڑھیں، چند قدم آگے بڑھنے کے بعد جمیلہ نے عائشہ کو پکڑ کر بیساختہ اپنی طرف کھینچا، اس نے جھنجلاتے ہوئے لہجہ میں کہا،

"کیا ہے بھئی ——— نہ جانے کیا ہو گیا ہے جمیلہ آج تمہیں!"

جمیلہ ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی اور آہستہ سے کہا۔

"وہ تو ادھر ہی آ رہا ہے!"

عائشہ بے پرواہی سے بولی،

"آنے دو!"

جمیلہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"میں جاتی ہوں!"

عائشہ نے پھر چھیڑا،

"جاؤ ——— اسے تمہاری طرف بھیجے دیتی ہوں، خوب اطمینان سے

پہلا خیال یہی پیدا ہوا کہ ہو نہ ہو، یہ کوئی ڈاکو ہے، اور پھر جب عائشہ نے بھی اس خیال کی تائید کی تو غریب کی جان ہی نکل گئی، اب نہ اسے پانی کی فکر تھی نہ کسی اور چیز کی، وہ جلد از جلد گھر پہنچ جانا چاہتی تھی،

پھر جب وہ آدمی آنکھیں ملتا ہوا اُٹھا تو بڑی بے بسی کے ساتھ جمیلہ نے کہا۔

"وہ تو جاگ گیا!"

عائشہ نے کہا۔

"ہاں اور آنکھیں مل مل کر تمہی کو گھور رہا ہے، خدا خیر کرے!"

یہ کہہ کر وہ مسکرا دی، بڑا غصہ آیا جمیلہ کو وہ بولی،

"تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے اور یہاں جان پر بنی جا رہی ہے! —— اب چلو نا یہاں سے کسی طرح!"

عائشہ نے تالاب کی طرف بڑھتے ہوئے بے پروائی سے کہا،

"ابھی چلتی ہوں!"

جمیلہ نے پوچھا،

"جا کدھر رہی ہو؟"

عائشہ نے جواب دیا،

"تم یہیں کھڑی رہو، میں ابھی آئی ایک پل میں پانی بھر کے —— نہیں، اور اگر وہ آدمی تمہارے پاس آجائے، اور کچھ چھیڑ چھاڑ کرے تو مجھے آواز دے لینا!"

جمیلہ نے اس کا دامن پکڑ لیا اور پریشان لب و لہجہ میں کہا۔

ذرا سُنیئے تو سہی

پھر اسی آدمی کی طرف جو اب بہت قریب آ گیا تھا، اشارہ کرتے ہوئے عائشہ نے کہا

"ارے یہ تو وہی ہیں، !"

جمیلہ نے حیرت سے عائشہ کو دیکھا، پھر پوچھا،

"وہی کون ـــــــــــ تو پہچانتی ہے انہیں؟"

عائشہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی، پھر جواب دیا،

"بھلا میں کیا پہچانوں گی؟"

"تو آخر کون ہیں یہ؟"

"جیسے تو جانتی ہی نہیں!"

"(ہنستے ہوئے) کیوں پہیلیاں بوجھا رہی ہو، صاف بتاؤ، کون ذات شریف ہیں یہ حضرت؟"

"وہ جنہوں نے ایک مرتبہ میری جان بچائی تھی، مجھے ڈوبنے سے بچا لیا تھا، یہی تالاب تھا، یہی جگہ تھی جہاں سے میں پھسلی تھی اور تالاب میں غوطے کھانے لگی تھی، انہوں نے اپنی

پھر تم دونوں باتیں کرنا کسی ٹیلہ کی آڑ میں بیٹھ کر ———!"

جمیلہ پھر جاتے جاتے رک گئی ۔

"میں نہیں جاتی!"

"شاباش بڑی عقلمند ہو!"

"لیکن لیکن ——— لیکن ———!"

"کچھ دیوانی ہو گئی ہو، لیکن لیکن کی کیا رٹ لگا رکھی ہے؟

"وہ تو بالکل اسی طرف آ رہا ہے!"

"ہاں دیکھ رہی ہوں، بالکل ناک کی سیدھ!"

"عائشہ ———!"

"ہاں جمیلہ"

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، میرے پاؤں لڑکھڑا رہے ہیں میرا سر چکرا

بڑا افسوس ہوا، خدا تمہیں شفا کامل عطا کرے، یہ جوانی، یہ عمر، اور یہ مرض

لیکن اللہ کی مرضی میں کسی کو کیا دخل ہے صحت اور بیماری سب کچھ خدا کی طرف

"تم میرا مذاق اڑا رہی ہو عائشہ!"

"توبہ کرو میں بیچاری کیا کسی کا مذاق اڑاؤں گی؟ ——— واقعی مجھے

افسوس ہوا، تمہارا حال معلوم کرکے ———"

اب تالاب بالکل قریب آ چکا تھا، پہلے عائشہ نے، پھر جمیلہ نے کا

ہاتھوں سے اپنی اپنی گگری پانی میں ڈال، پھر ایک جھٹکے میں پانی کے بر

ناتواں پر رکھ لئے، اور اپنے گھر کی طرف جانے کے لئے مڑیں!

"لیکن اسلم سے ڈرتی ہو؟"

"نہیں ڈرتی تو ان سے بھی نہیں"

"پھر کیا بات ہے؟"

"حجاب آتا ہے ———"

"اچھا تم یہیں کھڑی رہو، میں ذرا دو دو باتیں کر آؤں، اپنے بھائی سے!"

"(دامن پکڑتے ہوئے) نہیں، نہ جاؤ!"

"مجھے روکنے والی تم کون ہوتی ہو؟ میں تو جاؤں گی، واہ، یہ بھی اچھی رہی!"

"مت جاؤ، کہنا مانو!"

"ہر بات نہیں مانی جاتی! یہ بات تو ہرگز نہیں مانوں گی!"

اتنے میں اسلم بالکل قریب آ گیا، اس نے عائشہ کو پہچان لیا، اور اسے دیکھتے ہی اس کا دل محشرستانِ جذبات بن گیا، وہی رعنائی وہی تازگی، وہی شادابی، وہی معصومیت، وہی کافر ادائیں، وہی سحر طراز آنکھیں، وہی جان لیوا، اور دل میں کھب جانے والی چشمِ نیم باز، کتنا جی چاہتا تھا کہ اس سے باتیں کرے، اپنی کہے، اس کی سنے دل کھول کر سامنے رکھ دے قصۂ عشق سنا دے، اور سنتا رہے، یہاں تک کہ صبح سے شام ہو جائے، اور شام پھر صبح میں تبدیل ہو جائے، دن اسی طرح گذر جائیں، و سال اسی طرح گذرتے رہیں، یہاں تک کہ عمر کا پیمانہ لبریز ہو جائے لیکن یہ حسرت نہ پہلے پوری ہو سکی تھی نہ اب پوری ہوتی نظر آ رہی تھی، وہ دل ہی دل میں اپنی بدنصیبی پر کراہ رہا تھا، اگر آج بھی عائشہ تنہا ہوتی تو ضرور اس سے دو باتیں کرتا، لیکن اس کے ساتھ کوئی اور بھی تو ہے، اس کے سامنے لب کشائی کی جرأت کس طرح

جان کی پروا نہ کی ——————!"

"تالاب میں غوطہ لگایا، اور گوہر مقصود کی زلفیں پکڑ کر نکال لائے، کیوں؟"

"(شرماتے ہوئے) ہاں،

"تو آپ گوہر مقصود ہیں؛ اور یہ تالاب، ساحل مراد؟ ——— کیوں جناب؟"

"ایسا نہ کہو جمیلہ وہ بڑے اچھے ہیں، بہت اچھے!"

"تو میں کب اُن کی بُرائی کر رہی ہوں، تیری نظر میں اچھے ہیں، تو میں بھی پسند کرتی ہوں! —————— تو چلو ذرا کچھ بات چیت کریں!"

"نہیں ——————"

"واہ یہ کیوں؛ —————— آؤ چلو!"

"نہیں جمیلہ"

"چلنا پڑے گا، آؤ!"

"نا ——————"

"آخر کیوں؟"

"مجھے ڈر لگتا ہے"

"ڈر لگتا ہے؛"

"ہاں ——————"

"تمہیں ڈر لگتا ہے یا نہیں؛ ابھی تو بہادری، بے خوفی اور دلیری کے آز... ہوئے نسخے مجھے بتا رہی تھیں، اور اب خود ہی بید کی طرح تھر تھر کانپ رہی ہ...

"ویسے تو میں کسی سے نہیں ڈرتی لیکن ——————"

گو مگو کے عالم میں تھا، نہ یہ ممکن تھا کہ یہ آواز سننے کے بعد واپس چلا جاتا، نہ مناسب معلوم ہوتا، خود ہی پیش قدمی کرے اور پاس جا کر پوچھے -

"فرمائیے کیا ارشاد ہے، میں ہمہ تن گوش ہوں"!

اور نہ بے تعلقی کے عالم میں چند گز کے فاصلے پر چپ چاپ کھڑے رہنے کا کوئی تُک ہے، اتنے میں پھر جمیلہ کی آواز آئی،

"کیا آپ کچھ اونچا سنتے ہیں ———— ؟"

اس بے ساختہ سوال پر وہ سٹ پٹا گیا، اس نے وہیں کھڑے کھڑے کہا،

"جی نہیں ———— میں نے سُن لیا تھا، آپ نے مجھے پکارا تھا۔"

جمیلہ نے طنز کرتے ہوئے دریافت کیا،

"پھر بھی آپ ایک درخت کی طرح بے حس و حرکت کھڑے ہیں ؟"

اسلم نے کوئی جواب نہیں دیا، اس چست فقرہ کا جواب بھی کیا دیا جا سکتا تھا؟ جمیلہ نے پھر کہا،

"ہمیں آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں !"

اب اسلم اپنی جگہ نہ کھڑا رہ سکا، وہ چند قدم چل کر بالکل قریب آ گیا، اس نے کہا،

"فرمائیے، میں حاضر ہوں، جو حکم ہو بجا لاؤں !"

جمیلہ نے ایک نظر اس کے سراپا پر ڈالی، اور عائشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا،

"انہیں آپ بھی پہچانتے ہیں ؟"

کی جاسکتی ہے؛ نہ جانے وہ کیا سمجھے اور بات کا بتنگڑ بنادے، مجھے اپنی تو کوئی پروا
نہیں، لیکن میری وجہ سے عائشہ بدنام ہو، اسے کسی قیمت پر گوارا نہیں کیا جاسکتا،

پھر ———— ؟

نہیں یہ تو موقع بات چیت کا نہیں ہے، وہاں شیخ احسان کے ہاں بھی سب
لوگ بیدار ہو چکے ہوں گے، اور میری راہ دیکھ رہے ہوں گے ممکن ہے احمد میری
تلاش میں نکل کھڑا ہوا ہو، اور طلحہ بھی اس کے ساتھ ہو، خیر کوئی مضائقہ نہیں، اگر
تو دو چار دن ہمارا قیام رہے گا، شاید خدا مدد کرے، اور کسی دن عائشہ سے بات
کرنے کی سعادت حاصل ہو جائے۔

یہی سوچتا، ملول و محزون، غمگین و دل گرفتہ، مایوس و مضمحل آہستہ آہستہ قدم
اٹھاتا وہ جارہا تھا کہ کان میں ایک شیریں آواز آئی،

"ذرا ٹھیریئے تو سہی!"

وہ جاتے جاتے ٹھٹک گیا، پیچھے مڑ کر دیکھا تو عائشہ اور اس کی سہیلی کھڑی
عائشہ کی گردن نیچی تھی، آنکھیں فرش زمین پر گڑی تھیں، چہرے کے آثار ج
سے معلوم ہو رہا تھا کہ شرم و حجاب کی کشمکش میں مبتلا ہے، جمیلہ کی آنکھوں
شرارت ناچ رہی تھی، چہرہ پھول کی طرح کھلا ہوا تھا، بڑی بڑی پھڑک ر
خوبصورت ہونٹوں پر تبسم کھیل رہا تھا،

اسلم نے مڑ کر دیکھا، !

عائشہ اپنی جگہ کھڑی تھی، گویا اس کے قدموں نے آگے بڑھنے سے ا
تھا، جمیلہ اسے ڈھکیل ڈھکیل کر آگے بڑھانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی، ا

ادا کرنا چاہتی ہیں یہ !"

بے ساختہ اور شاید بلا ارادہ اسلم کے منہ سے نکل گیا ،

"شکریہ کی کیا ضرورت تھی ، اگر میں نے احسان کیا تھا تو احسان کا بدلہ اُتارا جا سکتا تھا ، میں نے ان کی جان بچائی تھی یہ میری جان بچا سکتی تھیں ———"

عائشہ کے چہرے کی سرخی سفیدی سے بدل گئی ، جمیلہ بھی حیرت سے اسلم کو دیکھنے لگی ، پھر بولی ،

"آپ کی جان کو کیا خطرہ پیش آ گیا تھا ؟ ——— اور پھر یہ کمزور لڑکی آپ کی جان کس طرح بچا سکتی تھی ؟"

اسلم نے زمین پر نظریں گاڑے گاڑے جواب دیا ،

"میرے خیال میں تو ایسا ممکن تھا ——— سچ پوچھئے تو یہی اُمید لے کر آیا تھا !"

عائشہ کا چہرہ فق ہو گیا ، اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا ، اس نے جمیلہ سے کہا "بہت دیر ہو گئی ، انتظار ہو رہا ہو گا !"

پھر جواب کا انتظار کئے بغیر آگے بڑھ گئی ، جمیلہ بھی اس کے ساتھ ہو لی ، اسلم اس وقت تک ٹکٹکی لگائے دیکھتا رہا ، جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی !

عائشہ اس طرح سمٹ گئی، جیسے کسی نے چھوئی موئی کو ہاتھ لگا دیا ہو، اسلم نے کہا

"جی ہاں پہچانتا تو ہوں ——— یہ شیخ احسان کی صاحبزادی ہیں عائشہ!"

جمیلہ مسکرائی، پھر اس نے اپنے تبسم کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے کہا،

"ہاں ٹھیک ہے، یہ عائشہ ہیں شیخ احسان الہٰی کی لڑکی!"

یہ عجیب سی بات سن کر اسلم نے کہا،

"لیکن میری سمجھ میں نہیں آیا اس سوال کا مقصد کیا ہے؟"

جمیلہ نے اٹھلاتے ہوئے کہا،

"یہ کیا ضرور ہے کہ ہر بات سمجھ میں آ جائے اور فوراً سمجھ میں آ جائے؟"

بڑی سادگی کے ساتھ اسلم نے کہا،

"جی ہاں یہ تو بالکل ضروری نہیں ہے!"

جمیلہ اس جواب پر بے ساختہ ہنس پڑی، عائشہ کے ہونٹوں پر بھی دزدیدہ تبسم کھیلنے لگا۔ کچھ دیر تک خاموشی سی رہی پھر جمیلہ نے کہا ——— "مجھے تو آپ سے کچھ نہیں کہنا تھا ——— اسلم حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔ جمیلہ نے اپنی بات پوری کی،

"مگر یہ عائشہ آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہیں!"

عائشہ کے چہرے پر یکایک سرخی کی ایک لہر دوڑ گئی، اسلم نے چور نظروں سے عائشہ کو دیکھا، پھر سوال کیا،

"شکریہ؟"

جمیلہ نے عارفانہ انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا،

"جی ہاں شکریہ ——— آپ نے ان کی جان بچائی تھی نا، اسی کا ش

"یہ ہمارے دوست بلکہ یار غار اسلم صاحب کیا کھا کے آ رہے ہیں؟"

اسلم بیچ میں بول پڑا

"تمہارا سر!"

طلحہ اس کے گلے سے لپٹ گیا،

"کچھ سست اور افسردہ سے نظر آ رہے ہو ——— کوئی خاص بات؟"

"ہاں ——— "

"بتا دو جلدی سے!"

"سر میں درد ہو رہا ہے،"

احمد ہنسنے لگا،

پھر تینوں ساتھ ساتھ اپنے خیمہ میں داخل ہوئے طلحہ جاتے ہی بستر پر لیٹ گیا،

احمد نے پوچھا،

"کیا ہوا؟ ——— لیٹ کیوں گئے؟"

اس نے بڑی سادگی اور معصومیت کے ساتھ جواب دیا،

"آنتوں میں درد ہو رہا ہے ——— بھوک سے!"

اتنے میں حماد ناشتہ کا سامان لے کر آ گیا، کئی چیزیں تھیں، دودھ، شہد، روغن زیتون، پنیر، کھجور، کچھ بھنا ہوا گوشت، اتنی ساری چیزوں پر نظر ڈالتے ہوئے اسلم نے کہا

"ہا! اتنی ساری چیزیں ہیں؟ اور ہم صرف تین آدمی!"

طلحہ اٹھ کر بیٹھ گیا،

"بابا، ان دونوں کے پیٹ میں درد ہے، انہیں قریب نہ آنے دینا، لاؤ، میرے

تین دوست

عائشہ کے چلے جانے کے بعد بڑی دیر تک اسلم گم صم کھڑا رہا !

نہ جانے کیا کیا اور کیسے کیسے خیالات آتے رہے دل میں !

پھر آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا وہ اپنی قیام گاہ پر آ پہنچ گیا، طلحہ دروازے ہی پر

"کہاں چلے گئے تھے بھائی !"

"ہوا کھانے!" اسلم نے کہا،

"لیکن معلوم تو ایسا ہوتا ہے جیسے مار کھا کر آ رہے ہو!" —— طلحہ

فقرہ چست کیا،

اتنے میں احمد بھی آ گیا، طلحہ نے اس سے پوچھا،

"ایک بات تو بتاؤ احمد بھائی !"

احمد بھی اس وقت موج میں تھا، کہنے لگا،

"ضرور بتاؤں گا، پوچھو، !"

طلحہ نے پوچھا۔

سامنے رکھ دو، جو کچھ لائے ہو!"

عمار مسکرانے لگا،

"امید تو یہی تھی کہ تم اکیلے مرد میدان ثابت ہوگے ان دونوں کے مقابلہ میں، ان دونوں سے، اور خاص کر، اسلم سے تو کچھ کھایا ہی نہیں جاتا، یہ نوجوانی اور یہ کم خوری، ہم جب اس عمر میں تھے تو ———— طلحہ کی طرح خوب ڈٹ کر کھایا کرتے تھے کیوں بابا!" ———— اسلم نے پوچھا

عمار نے ایک قہقہہ لگایا، اور پھر مسکراتا ہوا بولا،

"ہاں اور کیا؟"

طلحہ نے ایک بڑا سا لقمہ منہ میں رکھتے ہوئے شکایت آمیز لہجہ میں عمار سے کہا،

"بابا دیکھو، ان ظالموں کی حرکت، مجھ غریب کو طعنے دیئے جا رہے ہیں، اور وہ جو ہیں جناب اسلم کے عم محترم یعنی حضرت جبریل وہ اگر پورا اونٹ بھی ہضم کر جا تو کوئی کچھ نہیں کہتا ———— سچ کہنا بابا ایسا پیٹو بھی دیکھا ہے اپنی حض خضر کی سی طویل زندگی میں؟"

عمار ہنسنے لگا، اس نے کہا،

"واقعی خدا نظر بد سے بچائے، جبریل کا تو جواب نہیں، جوانوں کی اور بات ادھر کھایا ادھر ہضم، لیکن بڑھاپے میں اتنا ڈٹ کر کھانا اور ہضم کر لینا صرف جبر کا کام ہے۔"

طلحہ نے کھجوروں کے ایک گچھے پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا،

"اگر میں بوڑھا ہوا، اور بابا تم اس وقت تک زندہ رہے جس کی مجھ

ہے، تو دکھا دوں گا کہ کھانے کا جہاں تک تعلق ہے، جبریل سے میں کتنا زیادہ آگے جاتا ہوں!"

عمار نے بے ساختہ کہا،

"وہ تو میں اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں!"

اسلم اور احمد نے مل کر ایک قہقہہ لگایا، پھر وہ آکر طلحہ کے ساتھ بیٹھ گئے۔

"اٹھاتے اٹھاتے خود بھی میرے ساتھ گر پڑتیں ؟" ——— عائشہ نے لقمہ دیا۔

جمیلہ ہنسنے لگی،

"ہاں اور کیا!"

عائشہ نے شکایت کی،

"میں تم سے بہت خفا ہوں!"

جمیلہ نے بے کلی کے ساتھ پوچھا،

"اے میں قربان وہ کیوں ؟ کس لئے ؟ کس خطا پر ؟"

عائشہ نے شکوہ آمیز لہجہ میں کہا،

"آخر ان سے اس طرح کی باتیں کرنے کی کیا ضرورت تھی تمہیں ؟"

جمیلہ بھی اُلجھ پڑی،

"اے واہ میں نے کس طرح کی باتیں کر ڈالیں تمہارے اُن سے ؟ کیا تم اُن کی مشکور نہیں ہو کہ انہوں نے تمہاری جان بچائی"

عائشہ نے اُسے گھورتے ہوئے کہا،

"ہاں ہوں ——— پھر ؟"

جمیلہ بے پروائی سے بولی،

"پھر کیا میں نے شکریہ ادا کر دیا تھا تمہاری طرف سے!"

"نہ جانے کیا سمجھے ہوں گے وہ ؟"

"کیا سمجھے ہوں گے ؟"

عائشہ اور جمیلہ

عائشہ اور جمیلہ ساتھ ساتھ گھاٹ سے روانہ ہوئیں، دونوں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں
لیکن بالکل خاموش، جمیلہ ایسا محسوس کر رہی تھی، جیسے عائشہ خفا ہو گئی ہے، اس کی
خفت بے جا ہے، اور عائشہ کا یہ عالم تھا کہ قدم گھر کی طرف اٹھ رہے تھے لیکن ذہن
نہ جانے کہاں کہاں بھٹک رہا تھا، چلتے چلتے عائشہ کو ٹھوکر لگی، وہ گرتے گرتے
جمیلہ کو بات کرنے کا موقع مل گیا،

"دیکھ کر چلو بہن ——— گر پڑی ہوتیں تو یہاں اسلم بھی نہیں
اٹھاتا کون؟"

عائشہ نے کہا،

"تم کس مرض کی دوا ہو؟ کیا مجھے یونہی پڑا رہنے دیتیں ———

جمیلہ نے جواب دیا،

"نہیں زور تو لگاتی، لیکن اسلم اٹھاتا تو یہ معلوم ہوتا، جیسے اسے
بتی م اٹھالی، اور میں ———"

"کتنا اچھا ہے، کتنا خوبصورت ہے جی چاہتا ہے، بس دیکھتے ہی رہو، پلک کا جھپکانا بھی شاق گذرتا ہے، بس یوں سمجھنا چاہیئے، دستِ قدرت کی بنائی ہوئی مورت ہے!"

جمیلہ نے سامنے کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ ایسی بے خودی، اور مدہوشی کے عالم میں یہ الفاظ کہے کہ عائشہ چونک پڑی، وہ بھی حیرت اور توجہ سے سامنے کی طرف دیکھنے لگی، پھر اس نے پوچھا،

"یہ تم کیسے کہہ رہی ہو، مجھے تو کوئی نظر نہیں آتا!"

جمیلہ نے ایک آہ سرد بھر کر کہا،

"جھوٹ نہ بولو عائشہ، تم اسے دیکھ رہی ہو، ہر وقت دیکھتی رہتی ہو، جب سوتی ہو، جب بھی اسے نگاہِ حسرت سے تکتی رہتی ہو، تمہارے دل کی آنکھیں ہر وقت اس کا نظارہ کیا کرتی ہیں!"

عائشہ ہنسنے لگی،

"پھر آگئیں اپنے رنگ پر، —————— ہاں دیکھتی رہتی ہوں ہر وقت پھر تم کیوں جلی جاتی ہو، اچھا ٹھہرو، ابھی یوسف بھائی سے سارا ماجرا بیان کرتی ہوں پھر مزہ آئے گا، جب وہ خبر لیں گے تمہاری!"

جمیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا،

"ضرور کہہ دو، میں بھی انہیں آمادہ کر لوں گی، وہ سفارش کر دیں گے، پھر یہ منزل بہت جلد سر ہو جائے گی، ان کا کہنا چچا احسان بھی نہیں ٹال سکتے!"

اتنے میں آبادی آ گئی، عائشہ اور جمیلہ اپنے اپنے گھر میں داخل ہو گئیں!

"شاید میرے اشارہ سے تم یہ باتیں کر رہی ہو؟"

"فرض کرو، تمہارے اشارہ سے کر رہی تھی تو کون سا غضب ہو گیا، کیا کسی محسن کا شکریہ ادا کرنا بھی گناہ ہے؟ ——— تم نے تو صرف شکریہ ادا کیا تھا، اظہار عشق تو نہیں کیا تھا، لیکن اس مروئے کا دیدہ دیکھو، صاف اور برملا اظہار عشق کرنے لگا، وہ تو کہو تم تھیں جو چپ رہیں، میں ہوتی زبان پکڑ کر کھینچ لیتی، حد ہو گئی گستاخی اور بدتمیزی اور بیہودگی اور نالائقی، اور شرارت، اور لغویت، اور خباثت کی ———"

عائشہ نے ٹوکا،

"اب ختم بھی کرو گی، تمہارا یہ "اور" ہے یا شیطان کی آنت ختم ہی ہونے میں نہیں آتا کسی طرح!"

جمیلہ نے پھر ایک چٹکی لی،

"میری یہ صاف اور کھری باتیں اگر بری لگتی ہیں تو میں چپ ہوئی جاتی ہوں، ہاں بھئی تمہیں کیا پڑی ہے، دو محبت کرنے والوں کے بیچ میں دخل دینے کی تم جانو اور وہ جانیں!"

عائشہ نے سچ مچ ہولے سے ایک چٹکی لیتے ہوئے کہا،

"خاموش!"

جمیلہ خاموش ہو گئی!

تھوڑی دور تک خاموشی طاری رہی، نہ عائشہ نے کوئی بات کی، نہ جمیلہ نے کوئی بات کی، پھر جمیلہ نے سامنے خلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا،

تیار ہو رہا ہے کہ اس سے بچ نکلنا آسان نہیں ہوگا!"

سلیمان کو ان باتوں سے بڑی حیرت ہوئی،

"پھندا؟ ———— میرے لئے ———— ؟ یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟"

جبریل نے کہا،

"ہاں بھائی جبریل غلط نہیں کہتا، میں نے دنیا دیکھی ہے یہ آپ دیکھتے ہیں، بال دھوپ میں سفید نہیں کئے ہیں آڑتی چڑیا پہچان لیتا ہوں ————"

"اور میں آپ کے مقابلہ میں بالکل بچہ ہوں، نہ دنیا سے واقف نہ دنیا والوں سے یہ بال زلزلے سے سفید ہو گئے، چڑیا سامنے آ کر بیٹھ جاتے تو بھی نہیں پہچان پاتا ———— یہی مطلب ہے نا تمہارا؟" سلیمان نے کہا،

جبریل جھنجلا گیا،

"ہر وقت مذاق، کیا مجال ہے جو کبھی سنجیدگی سے کوئی بات سن لو!"

سلیمان نے سنجیدگی سے دریافت کیا،

"سنجیدہ بات کرو، تو سنجیدہ طور پر سنوں اور جواب دوں، ایسی ہی لغو باتیں اسی طرح سنی جاتی ہیں، اور یہی ان کا جواب ہوتا ہے ————"

جبریل کے دل میں اس وقت طوفان مچل رہا تھا، وہ نہ جانے کیا کیا کہہ ڈالنے کا تہیہ کئے بیٹھا تھا، لیکن خوبیٔ قسمت کہ عین اس وقت جب وہ سلیمان کے سامنے ایک داستان ہوشربا بیان کرنے کے لئے منہ کھول رہا تھا، شیخ احسان آگئے، انہیں دیکھ کر جبریل کو مجبوراً خاموش ہو جانا پڑا، سلیمان نے سروقد کھڑے ہو کر ان کی تعظیم کی، پھر مصافحہ کر کے ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس مسند پر بٹھا لیا،

دل کی دل میں

اسلم جب سیر کو گیا ہوا تھا تو سب سے پہلے جبریل اٹھا، پھر سلیمان، دونوں نے ساتھ ساتھ فجر کی نماز پڑھی، اس کے بعد بیٹھ کر باتیں کرنے لگے، جبریل نے کہا،

"کہو بھئی کب واپس چل رہے ہو؟"

سلیمان نے جواب دیا۔

"چلیں گے، ابھی ایک آدھ روز تو ٹھہرنے کا ارادہ ہے!"

جبریل نے جمائی لیتے ہوئے کہا،

"میرا تو جی گھبراتا ہے بھائی!"

سلیمان نے پوچھا،

"جی کیوں گھبراتا ہے؟ اتنی خاطرداری تو سسرال میں بھی نہیں ہوتی ہو گی جتنی اس اجنبی میزبان کے ہاں ہو رہی ہے ——— ناشکرے کہیں کے!"

جبریل نے جواب دیا۔

"میں خاطرداری کا بھوکا نہیں ہوں، کہا مانو تو اب بس چلے چلو، ورنہ وہ

کُوچۂ محبُوب

صبح ہوتے ہی اسلم پھر کوچۂ محبوب یعنی اسی تالاب کی طرف روانہ ہوا، جہاں دو مرتبہ عائشہ کا دیدار ہو چکا تھا، آج بھی وہ جا کر اسی چٹان پہ بیٹھ گیا، اور انتظار کرنے لگا کہ وہ آتی ہے یا نہیں؟ اور آتی ہے تو تنہا یا اپنی شوخ و شریر سہیلی کے ساتھ؟

سورج کی حکومت شروع ہو چکی تھی، رات کی بساط الٹ چکی تھی، صبح کا سہانا وقت تھا، اور پرندے اپنے پروردگار کی حمد کا ترانہ گا رہے تھے: یکایک اسلم کو ایک سایہ سا تالاب کی طرف بڑھتا نظر آیا، دل نے آواز دی،

آمد آں یارے کہ ما مے خواستیم،

ہو نہ ہو یہ عائشہ ہے، ضبط نے دامن پکڑا، بے خودی نے ساتھ دیا اور وہ چٹان سے اٹھ کر سیدھا تالاب کی طرف بڑھا، بہت جلد اس نے یہ مسافت طے کر لی،

واقعی یہ عائشہ تھی،!

اور اب پانی بھر کر واپس جا رہی تھی،!

عائشہ نے اسلم کو دیکھا، شرم سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا، اس نے آنکھیں جھکا لیں

"آئیے بھائی صاحب ——— ابھی آپ ہی کا ذکر ہو رہا تھا۔ ہمارے دوست جبریل صاحب آپ سے بہت متاثر ہیں ———"

"بندہ نوازی ہے آپ کی!" ——— احسان نے کہا۔ اتنے میں حمار ناشتہ کا سامان لئے ہوئے آ گیا!

"جب اس کا جی چاہتا ہے آ جاتی ہے!"

اس کافی وشافی جواب کے بعد کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ اب کیا دریافت کرے؟ یوں تو نہاں خانۂ قلب میں بہت سی باتیں تھیں، جو زیادہ پر آنے کے لئے مچل رہی تھیں، لیکن جنبش لب کی جرأت نہیں ہوتی تھی، کچھ دیر سوچنے کے بعد اسلم نے پوچھا،

"آپ کی سہیلی کا نام کیا ہے ——————؟"

پھر عائشہ کے ہونٹوں پر تبسم نمودار ہوا،

"بہت دلچسپی ہو گئی ہے آپ کو اس سے؟ —————— اس کا نام جمیلہ ہے!"

اس بھرپور طنز سے ذرا بھی متاثر ہوئے بغیر اسلم نے کہا۔

"آخر کل آپ کو شکریہ ادا کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی، جمیلہ کے واسطے سے؟"

بڑی سادگی کے ساتھ عائشہ نے بتایا۔

"وہ بڑی شریر ہے، میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا، ساری باتیں اپنی طرف سے کر رہی تھی"

یہ سن کر وہ ساری عمارت دھڑام سے گر پڑی جو اسلم نے عالم خیال میں بنائی تھی اس نے سوچا تھا عائشہ اب اور زیادہ جوش کے ساتھ اس کا شکریہ ادا کرے گی، اور وہ بڑے فخر کے ساتھ کہے گا، اس میں شکریہ کی کیا بات ہے؛ جو کچھ میں نے کیا تھا، وہ میرا فرض تھا، انسانیت کا احترام، انسانیت کی حفاظت، انسانیت کی بقا، انسان کا سب سے بڑا فریضہ ہے، پھر وہ کہے گی، آپ کتنے اچھے، کتنے اونچے اور کتنے بھلے آدمی ہیں، میں جواب دوں گا، کیسی باتیں کرتی ہیں آپ، میں تو ایک نہایت ہی معمولی آدمی ہوں، پھر وہ مجھے محبت بھری نظروں سے دیکھے گی، میں ان کی نگاہوں کی تاب نہ لا کر سر جھکا لوں گا، اور کہوں گا کاش، اور پھر کچھ نہ کہہ سکوں گا، وہ

اور آہستہ آہستہ اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگی، کبھی کبھی کن انکھیوں سے اسلم کو دیکھ لیتی تھی، جو ذرا فاصلہ پر لیکن ساتھ ساتھ چل رہا تھا،

اسلم اس شش و پنج میں تھا کہ گفتگو کا آغاز کرے یا نہ کرے، یہ دیکھ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا تھا کہ آج عائشہ تنہا ہے، لیکن اس تنہائی میں بھی ہمت اور حوصلہ نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا، آخر کچھ دور چلنے کے بعد، اس نے قریب آ کر پوچھا

"کیا آپ مجھ سے خفا تو نہیں ہیں؟"

عائشہ نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں اوپر اٹھا دیں، ایک نظر اسے دیکھا، پھر نظریں نیچی کر لیں اور آہستہ سے کہا۔

"نہیں تو!"

اب اسلم کا حوصلہ بڑھا، اس نے پھر سوال کیا،

"کل جو آپ کے ساتھ خاتون تھیں، کیا وہ آپ کی سہیلی ہیں؟"

عائشہ کے ہونٹوں پہ تبسم کھیلنے لگا،

"آپ کا کیا خیال ہے؟ ——— کیا وہ سہیلی کے علاوہ کچھ ا ہو سکتی ہے؟"

یہ جواب سن کر اسلم سٹ پٹا گیا، اس نے کچھ کہنا چاہا، مگر کہہ نہ سکا، عائشہ

"جی ہاں وہ میری سہیلی ہے، لیکن آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

اسلم نے حواس باختگی کے عالم میں کہا،

"آج وہ نہیں آئیں آپ کے ساتھ!"

عائشہ بولی،

ہے سچ پوچھیے، تو نہ صرف میں بلکہ ابا جان بھی تمہارے بھی، سب آپ کے دل وجان سے شکرگزار ہیں
ہیں، لیکن اتنے بڑے کارناموں کا شکریہ اگر الفاظ سے ادا کیا جائے تو یہ اس کی توہین ہے
ایسے مواقع پر شکر وسپاس کا اظہار صرف زبانِ خاموشی سے کیا جا سکتا ہے، یہ شکریہ بغیر
کسی واسطے کے پہنچ جاتا ہے، اور میرا خیال تھا کہ آپ تک میرا شکریہ پہنچ چکا ہے
——— کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

اسلم کو عائشہ سے بے پناہ محبت تھی، لیکن یہ بات اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں
تھی کہ یہ کم عمر لڑکی اتنی شائستہ اور شگفتہ گفتگو کر سکتی ہے، اس کے مقابلہ میں اب وہ
اپنے آپ کو ہیچ سمجھ رہا تھا، اس نے کوئی جواب نہیں دیا، حیرت اور سرگشتگی کے
عالم میں عائشہ کو دیکھنے لگا، وہ شرما گئی، اس نے گردن جھکا لی، اور پھر ایک مرتبہ پوچھا
کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

اب اسلم کسی حد تک ہوش میں آ چکا تھا، اس نے کہا،
"غلط بات آپ کے منہ سے نکل سکتی ہے، اس کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا"
عائشہ ہنس پڑی، پھر اس نے پوچھا،
"اتنا اعتماد ———؟"
اسلم اس مرتبہ جواب کے لئے تیار تھا، کہنے لگا،
"اس سے بھی زیادہ؟
عائشہ نے سوال کیا،
"کیوں؟ ——— کوئی وجہ بھی تو ہو گی، اس نے کہا؟
اسلم نے کہا،

پوچھے گی ، کہئے کہئے ، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ، کاش ؛ ——— ہاں پھر ، اور اب
میں صاف صاف الفاظ میں پوچھ لوں گا ۔ عائشہ کیا تم میری محبت قبول کر سکتی ہو ؟ وہ
شرما کر سر جھکا لے گی ، میں پھر یہی سوال دہراؤں گا اور پھر وہ ———

ہاں ———
کہہ کر ہرنی کی طرح چوکڑیاں بھرتی نظروں کے سامنے سے غائب ہو جائے گی ، اور میں
اسے دیکھتا رہوں گا ، جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے ———
لیکن یہ کچھ نہ ہوا ، وہ تو صاف الفاظ میں اس بات سے انکار کر رہی تھی کہ اس نے شکـ
ادا کیا تھا ! اس جواب نے ساری امیدیں خاک میں ملا دیں ، لیکن آج وہ باتیں کرنے
آیا تھا ، خاموش نہ رہ سکا ، اس نے کہا ،
” جی ہاں مجھے بڑی حیرت ہو رہی ہے کہ آخر یہ کون سا اتنا بڑا اور ایسا شانـ
کارنامہ تھا کہ آپ شکریہ ادا کرتیں ؟ “
اسلم نے یہ بات بڑی معصومیت کے ساتھ کہی تھی ، لیکن عائشہ نے ان الفاظ میں
طنز محسوس کیا ، اس نے تیوری چڑھا کر پوچھا ،
” تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا شکریہ ادا کیا جائے ؟ ———
یہ سوال کچھ ایسے تیور سے کیا گیا کہ اسلم سٹ پٹا گیا ، اس نے اپنے آپ کو

ہوئے جواب دیا ۔
” ہرگز نہیں ——— میں نے عرض تو کیا ، یہ ایسی بات ہی کون
عائشہ بولی ،
” یہ تو نہ کہئے ، بات بہت بڑی تھی ، بھلا کون کسی کے لئے اپنی زندگی خطـ

"بالکل نہیں ——— بلکہ میرا بس چلے گئے تو یہیں رہ جاؤں! یہیں کا ہو رہوں!"

عائشہ کا چہرہ شرم کی سرخی سے گلنار ہو گیا، اسلم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا،

"یہاں میں ایسا محسوس کرتا ہوں، جیسے ——— جیسے یہ میرا وطن ہے! مجھے یہیں زندگی بسر کرنا چاہیئے، اور جب موت آجائے تو یہیں مرنا چاہیئے، یہاں کی فضا، یہاں کے لوگ، یہاں کا ماحول مجھے بہت پسند ہے!"

عائشہ نے پھر ایک تیر چلایا ———!

"یہاں کی فضا، یہاں کا ماحول، یہاں کی آب و ہوا، واقعی یہ بڑی اچھی چیزیں ہیں، لیکن کیا یہاں کے لوگ بھی ؟"

اسلم نے جوش و خروش کے عالم میں جواب دیا،

"جی ہاں وہ بھی!"

عائشہ نے پوچھا،

"لیکن آپ یہاں کے کتنے لوگوں کو جانتے ہیں؟"

اسلم نے برجستگی کے ساتھ جواب دیا،

"کیا آپ کو اور شیخ احسان کو، آپ دونوں کے اخلاق کو مسافر نوازی کو، انسانیت اور شرافت کو، جان لینے کے بعد بھی اکسی اور کو جاننے کی ضرورت ہے، درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، قبیلہ اپنے سردار سے! شیخ احسان کا وجود، سارے قبیلہ کا مرقع ہے! انہیں دیکھ لینے، جان لینے، اور پرکھ لینے کے بعد پھر کسی سے ملنے کی، کسی کو پرکھنے

"جی ہاں ہے تو!"

عائشہ :- تو بتائیے پھر،

اسلم :- لیکن وہ بھی اتنی نازک ہے کہ الفاظ کا بوجھ نہیں سنبھال سکتی!

عائشہ :- یعنی ——————؟

اسلم :- میرا خیال ہے، جس طرح آپ کا شکریہ بغیر کسی شخص یا الفاظ کے واسطے کے مجھ تک پہنچ گیا، اسی طرح میرے اس اعتماد کی وجہ بھی، بغیر اس کے کہ میں زبان سے بتاؤں آپ تک پہنچ گئی ہوگی؛ —————— بتائیے میں غلط تو نہیں کہتا!

عائشہ نے جادو بھری آنکھوں سے اسلم کو دیکھا اور بولی،

"یہ آپ جانیں"۔

اسلم نے الفاظ اور ذہانت کی اس جنگ میں وہی ہتھیار استعمال کئے، جن سے عائشہ نے کام لیا تھا لیکن وہ جیت گئی، اسلم ہار گیا، عائشہ کے الفاظ،

"یہ آپ جانیں"!

اس کے کانوں میں گونج رہے تھے، اور وہ محسوس کر رہا تھا کہ اب گفتگو کا سلسلہ جاری رکھنا مشکل ہے، چنانچہ اس نے خاموشی اختیار کر لی کچھ دیر تک دونوں ساتھ ساتھ چلتے رہے، پھر عائشہ نے ایک چبھتا ہوا سوال کیا،

"ہمارے اس بادیہ میں آپ کا جی گھبراتا تو بہت ہوگا ——————؟"

اسلم کو بات بڑھانے کا پھر خداداد موقع مل گیا،

"بالکل نہیں ——————"

"واقعی آپ یہاں نہیں گھبرائے!"

بے خودی

عائشہ، آج وہ بہت مسرور تھی، وہ قدم رکھتی کہیں تھی، پڑتے کہیں تھے، جو چور اس کے دل میں چھپا بیٹھا تھا، آج معلوم ہوا، اسلم کے دل پر بھی وہ ڈاکہ ڈال چکا ہے، وہ خوش تھی، بہت زیادہ مسرور، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بہت بڑی دولت مل گئی ہے، تبسم تھا کہ کسی طرح ساتھ چھوڑنے پر آمادہ نہ تھا، آنکھوں میں نشاط شوق کی چمک اس طرح نمایاں تھی کہ دشمن بھی دیکھے تو محسوس کر لے، گھر کے سارے کام کاج کی وہی نگراں تھی، اور جب سے اسلم آیا تھا کھانے پکانے کے سلسلے میں اس نے بہت زیادہ دلچسپی لینی شروع کر دی تھی، بہت کچھ بطور خود، اور پھر جمیلہ کی امداد اور مشورے سے طرح طرح کے کھانے پکاتی، اور پکواتی، پھر بھی حسرت رہ جاتی کہ یہ وہ گیا وہ نہ ہوا۔

تھوڑی دیر کے بعد جمیلہ آ گئی آتے ہی اس نے تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے شروع شروع میں تو عائشہ گھبرائی پھر اس نے بھی ترکی بترکی جواب دینا شروع کر دیا جمیلہ نے کہا۔

کی، کسی کو جاننے کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی!"

عائشہ کے ہونٹ پھر متبسم ہوئے، وہ بولی،

"یہ جس طرح پیٹھ پیچھے غیبت اچھی نہیں ہوتی، اسی طرح پیٹھ پیچھے تعریف میں بھی مزہ نہیں آتا، یہ باتیں اگر آپ نے اباجان کے سامنے کی ہوتیں تو شاید وہ آپ کی فصاحت و بلاغت کا کلمہ پڑھنے لگے ہوتے!"

یہ کہہ کر عائشہ نے تیزی سے قدم آگے بڑھایا، اور اسلم سے بے تعلق ہو کر اپنے رتھ چلنے لگی، بادیہ کی آبادی قریب آگئی تھی!

"آج تمہارا چہرہ سُرخی سے گلنار ہو رہا ہے۔"

عائشہ جھینپ سی گئی، جمیلہ نے پھر سوال کیا،

"تم خوش کیوں ہو؟"

عائشہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا،

"اے واہ ——— یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ تم کیوں خوش ہو

———؟"

جمیلہ نے تڑسے جواب دیا

"ہم اس لئے تو خوش ہیں کہ ہم نے جسے چاہا اُسے پالیا، کیا تم بھی اسی لئے خوش

عائشہ سٹ پٹا گئی،

"خوشی کی اور بھی بہت سی وجہیں ہو سکتی ہیں، اس کا تعلق صرف عشق عاشقی

پیار و محبت ہی سے تو نہیں ہے فلسفی صاحب!"

جمیلہ بھلا کب ہار ماننے والی تھی، کہنے لگی،

"جھوٹ نہ بولو، ہر سوال کا ٹھیک ٹھیک اور صاف صاف جواب دو!"

عائشہ مسکرانے لگی،

"فرمائیے ——— ارشاد!"

جمیلہ :- اسلم کا حال کیا ہے؟

عائشہ :- اچھا ہی ہوگا،

جمیلہ :- کیا آج تمہاری ملاقات ہوئی تھی؟

عائشہ :- (قدرے تامل کے بعد) مجھے کیا پڑی ہے کسی سے ملاقات کرنے کی

جمیلہ :- کیا انہوں نے تم سے ملاقات کی تھی ؛

عائشہ :- (زچ ہو کر) آخران باتوں کا مطلب کیا ہے ؛

جمیلہ :- مطلب ؟ ——— مطلب دریافت کرتی ہو ؛

عائشہ :- ہاں بتاؤ ؛

جمیلہ :- مطلب یہ کہ اسلم آج کھویا کھویا سا پریشان، حواس باختہ، اور اداس کیوں ہے ؛ اور اس کے برعکس تم اتنی خوش کیوں ہو ؟

عائشہ :- اس کا جواب میں کیا دے سکتی ہوں ؟

جمیلہ :- تو کیا ہم دے سکتے ہیں ؛

عائشہ :- یہ تم جانو،

جمیلہ :- ہمارا جواب سنو گی ؛

عائشہ :- سناؤ

جمیلہ :- آج تمہاری اور اسلم کی ملاقات ضرور ہوئی ہے، وہ بھولا بھالا، سیدھا اور سادہ لوح آدمی ہے، تم ایک ہی طرار، تم نے کسی طرح اس سے رازِ محبت اگلوا لیا ہے، اور خود اپنا دامن بچا گئی ہو، وہ اس فکر میں ہے کہ تم اس سے محبت کرتی ہو یا نہیں ؛ اور تم یوں مسرور رو شاد ہو کہ اس کی محبت کا راز معلوم کر لیا تم نے ؛ وہ مستقبل کے بارے میں پریشان ہے، اور تم مطمئن !

عائشہ :- بس ؛ ——— اتنی مختصر سی تقریر کچھ اور کہو، بڑی دلچسپ ہوتی ہیں تمہاری باتیں، ———

جمیلہ :- میں بہت کچھ سنا سکتی ہوں، کیا تاب لا سکو گی ؛

اور میں بغیر ضرورت بھی تم پر قربا

جمیلہ نے اُسے گلے لگا لیا۔

"لیکن کب تک؟ میرا حصہ تو

جو میں پاؤں گی؟"

عائشہ نے پیار بھری نظروں سے

"نہیں، تمہارے حصّہ پر کوئی

جمیلہ نے بے یقینی کی نظروں سے

"جھوٹی کہیں کی!"

عائشہ :- تاب لاتے ہی بنے گی غالب ، ——— کیوں نہ لاؤں گی —!

جمیلہ :- دیکھو اتنا ظلم ٹھیک نہیں ہوتا -

عائشہ :- مجھے تو ظلم ہی آتا ہے ، تم رحم کرنا سکھا دو ،

جمیلہ :- میں تمہاری طرح سنگدل اور کٹھور نہیں ہوں ،

عائشہ :- اپنے منہ میاں مٹھو بننے سے کیا فائدہ ؟ ——— کیا یوسف بھائی کی

فریاد و فغاں ، نالہ و شیون اور آہ سرد کے واقعات میں بھول گئی ؛

جمیلہ :- ذاتی حملہ نہیں برداشت کیا جا سکتا ، چپ رہو ،

عائشہ : (مسکراتے ہوئے) اور آپ اب تک کس قسم کے حملے کر رہی تھیں ؛

جمیلہ :- ہم بیکار اور مہمل سوالات کا جواب نہیں دیا کرتے !

عائشہ :- ہم بھی ایسے مہمل اور لغو لوگوں سے بات نہیں کیا کرتے !

یہ کہہ کر عائشہ اپنے کمرہ میں چلی گئی ، لیکن جمیلہ کب اس کا پیچھا چھوڑنے والی

تھی ، وہ بھی ساتھ ساتھ سایہ کی طرح لگی رہی ،

عائشہ آکر اپنی مسند پر بیٹھ گئی تکیہ سے ٹیک لگا لی ، مخمور نگاہوں سے جمیلہ کو

دیکھا اور کہا ،

" کیوں پریشان کر رہی ہو بہنیں ؟ ——— ! "

جمیلہ آکر اس کے پاس بیٹھ گئی ،

" میں تجھے پریشان کروں گی ؟ تیرے لئے ضرورت ہو تو اپنی جان قربان کر

عائشہ نے مسکراتے ہوئے کہا ،

" یہی تو فرق ہے مجھ میں تم میں ، تم ضرورت ہو تو اپنی جان مجھ پر قربان کر سکتی

"ہاں بھئی کیوں جانے لگیں تم، کسی کی سفارش، وہی بات ہے، حسن اور اس پہ حسن ظن!"

عائشہ مسکرانے لگی، پھر اپنے دامن سے کھیلتی ہوئی بولی،

"جی اور کیا ——— اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائے کیوں؟"

جمیلہ ہنسنے لگی،

"بڑی گستاخ ہو گئی ہو، اس سے زیادہ صاف الفاظ میں اور اعتراف کیا ہوگا؟"

عائشہ عاجز آ چکی تھی ان باتوں سے روہانسی ہوئی بولی،

"آخر ان باتوں سے مطلب کیا ہے تمہارا؟"

جمیلہ روٹھ گئی،

"کچھ نہیں!"

اور الگ ہٹ کر بیٹھ گئی،

عائشہ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو جمیلہ اداس سی نظر آئی، وہ ٹھٹک کر اسکے پاس پہنچی،

"خفا ہو گئیں؟"

جیسے بڑا خیال ہے انہیں میرے خفا ہو جانے کا، جیسے یہ مجھے منا ہی تو لیں گی!"

"ضرور مناؤں گی ——— من جاؤ جلدی سے!"

جمیلہ ہنسنے لگی،

"کوئی زبردستی ہے؟ ——— نہیں منتے!"

عائشہ نے ہولے سے ایک چٹکی لیتے ہوئے کہا،

"پھر ہم خفا ہو جائیں گے!"

پوچھ گچھ

جمیلہ بالکل پاس آکر زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئی، کچھ دیر تک شرارت بھری نظروں سے اُسے دیکھتی رہی پھر پوچھا،

"آخر تمہیں اتنی محبت کیوں ہو گئی ہے اسلم سے؟"

عائشہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا،

"یہ بھی اچھی رہی —— میں نے یہ کب کہا کہ مجھے اسلم سے محبت ہے..."

"پھر یہ کیسے بتاؤں "اتنی زیادہ" کیوں ہے؟"

جمیلہ نے اس کے گلے میں باہیں ڈال دیں،

"جھوٹ نہ بولو —— تم اسلم سے محبت کرتی ہو!"

عائشہ نے ڈھٹائی کے ساتھ کہا،

"ہاں کرتی ہوں پھر؟ —— کیا کر لوگی تم؟"

"سفارش ——" جمیلہ نے جواب دیا،

"جی بخشئیے مجھے نہیں چاہئیے سفارش ہے کس کی؟" —— عائشہ...

"بہت چاہتی ہو اسے"؟

عائشہ نے جیسے دل کھول کر اس کے سامنے رکھ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"ہاں بہت زیادہ ——— دُنیا میں سب سے زیادہ، حتیٰ کہ اپنے وجود، اپنی زندگی، اپنی روح سے بھی زیادہ!"

جمیلہ کی آنکھوں میں پھر شرارت ناچنے لگی،

"اوہ ——— ندی اتنی گہری ہے؟"

عائشہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا،

"اور کیا؟ ——— کیا تم سمجھتی تھیں یہ کوئی اتھلا سا تالاب ہے جیسے تم؟"

جمیلہ نے مصنوعی سنجیدگی اپنے اُوپر طاری کرتے ہوئے کہا،

"نہیں بھئی میرا تمہارا کیا مقابلہ، کہاں تم کہاں میں، کہاں ایک گہری ندی، کہاں ایک اتھلا سا تالاب! ——— لیکن اتنا تو بتا دو، محبت کی آگ میں صرف تم ہی سلگ رہی ہو، یا اسلم بھی اس آگ میں جل رہا ہے؟ میرا مطلب ہے کہ یہ محبت یک طرفہ ہے یا دو طرفہ؟"

عائشہ بڑی توجہ سے جمیلہ کی باتیں سنتی رہی، پھر اپنے دامن کا سرا انگلی سے لپیٹتی ہوئی مسکرائی اور کہنے لگی،

"یک طرفہ کیوں ہوتی؟ دو طرفہ ہے ——— دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی!"

"تو اسلم نے محبت کا قصیدہ سُنا دیا تمہیں؟"

"ہاں ——— بڑے شریفانہ طور پر، شریفانہ الفاظ میں!"

جمیلہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولی،

"رہنے دو عائشہ یہ باتیں، ظاہرداری اچھی نہیں ہوتی!"

عائشہ نے شکوہ آمیز لہجہ میں دریافت کیا،

"میں اور تم سے ظاہرداری کروں گی؛ کیوں جمیلہ؛"

وہ مضمحل اور اداس لہجہ میں گویا ہوئی،

"یہ ظاہرداری نہیں تو اور کیا ہے، ویسے چاہت کا آشنا جو لے مگر حالت یہ کہ اپنا رازدار تک بنانا عار سمجھتی ہو۔ جیسے تمہارے محبوب کو کوئی چھین لے گا!"

عائشہ نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں،

"میں تجھ سے اتنی محبت کرتی ہوں کہ اگر تو میرے محبوب کو چھین لینا چاہے تو ہنسی خوشی بخش دوں گی تجھے ——— !"

جمیلہ اپنی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکی،

"تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ تمہارا کوئی محبوب ہے؟"

عائشہ نے اقرار کر لیا،

"ہاں ہے!"

جمیلہ نے پوچھا،

"اور ظاہر ہے وہ اسلم ہی ہوگا کیوں؟"

آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر عائشہ بولی،

"اور کون ہو سکتا ہے!"

جمیلہ ایک سوال کرنے پر مجبور ہو گئی،

جمیلہ باقاعدہ بحث کے میدان میں کود پڑی،

"ہاں کیوں نہیں ——— ماں باپ اگر نہ چاہیں تو اس کی محبت کیسے پروان چڑھ سکتی ہے؟"

عائشہ ہنس پڑی،

"بے وقوف کہیں کی، محبت اس کی پروان چڑھ سکتی ہے جو محبت کرے، ماں باپ کو اس میں کیا دخل؛ ——— ؟

جمیلہ نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا،

"یہ نادانی کی باتیں ہیں، ماں باپ جب پہاڑ کی طرح راستہ روک کر کھڑے ہو جائیں تو کم از کم لڑکی کی ذات بالکل بے بس ہو جاتی ہے، وہ کچھ نہیں کر سکتی، روتی ہے، آہ بھرتی ہے، اور اس طرح زندگی ختم کر دیتی ہے!"

عائشہ نے جمیلہ کو سمجھاتے ہوئے کہا،

"تم غلط سمجھیں ——— ماں باپ پہاڑ بن کر شادی کا راستہ روک سکتے ہیں، محبت کا راستہ نہیں روک سکتے، اور یاد رکھو، محبت اور شادی دو الگ الگ چیزیں ہیں ———!"

جمیلہ کو اس بات پر بڑی حیرت ہوئی،

"کچھ پاگل ہوئی ہو؟ ——— الگ الگ ——— ہیں؛ جو محبت فراق اور غم میں بسر ہو اس سے فائدہ کیا؟ وہ تو جی کا جنجال اور جان کا روگ ثابت ہوگی، بات وہ کرو جو عقل میں آئے، بے تکی باتوں سے کیا فائدہ؟

عائشہ ہنسنے لگی،

"اس نے محبت کا اعتراف کر لیا ———؟"

"ہاں ———"

"اور تم نے بھی محبت کا اقرار کر لیا؟"

ایک ایسی ادا سے کہ اگر اسلم دیکھ لیتا تو شاید بیہوش ہو جاتا، وہ بولی،

"مجھے کیا پڑی تھی اقرار کرنے کی؟"

"واہ یہ کیسی زبردستی ہے، کر لیا ہوتا؟"

"یہ مشورہ تم نے پہلے دیا ہوتا، تو کر لیتی، اب تو وقت گزر گیا!"

"محبت کی دنیا میں گذرا ہوا وقت بھی واپس آ جایا کرتا ہے، ابھی اگر اسلم کو لا کر

تمہارے سامنے کھڑا کر دوں تو فوراً ہی گذرا ہوا وقت بھی واپس آ جائے گا ———

——— ہے اجازت؟"

"جی نہیں شکریہ!"

کچھ دیر تک دونوں سہیلیاں چپ چاپ بیٹھی رہیں لیکن حمیدہ زیادہ دیر تک

نہ چپ رہ سکی، اس کے دل میں سوالات کا طوفان برپا تھا، نہ جانے کیا کیا

اسی وقت پوچھ لینا چاہتی تھی، لیکن عائشہ کی نازک مزاجی سے ڈرتی تھی کہ

جواب دے یا نہ دے؟ اور اگر دے تو نہ جانے کیا اوٹ پٹانگ بک جائے،

ہو اس نے بہر حال اپنے آپ کو مزید سوالات پر آمادہ کر لیا،

"کیوں عائشہ یہ محبت پروان چڑھ جائے گی؟"

عائشہ کی تیوریاں چڑھ گئیں، اس نے ذرا تلخ لہجہ میں کہا،

"کیا دنیا میں کوئی ایسی طاقت بھی ہے جو محبت کو پروان چڑھنے

جمیلہ نے کچھ سوچتے ہوئے سوال کیا ۔

"تو تمہارا مطلب یہ ہے کہ محبت کبھی نہیں مرتی، کبھی نہیں مٹتی، کوئی حادثہ، کوئی واقعہ اسے فنا نہیں کر سکتا، اس میں تنزلزل اور کمزوری نہیں پیدا کر سکتا ؟"

عائشہ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا ۔

"ہاں میرا مطلب ہے ——— سچی محبت ایسی ہی ہوتی ہے !"

"سچی محبت ؟ ——— کیا محبت کی کئی قسمیں ہوتی ہیں ؟ ——— کیا محبت بھی جھوٹی ہوتی ہے ——— ؟"

"ہاں ——— سچی محبت تو موت کے سوا کوئی ختم نہیں کر سکتا اور جھوٹی محبت، روپیہ سے، دولت سے، جاہ و جلال سے خریدی جا سکتی ہے، جھوٹی محبت دوسروں کے رعب میں بھی آجاتی ہے، جھوٹی محبت باد مخالف کے سامنے ایک لمحہ بھی نہیں ٹھہر سکتی !"

عارفانہ انداز میں جمیلہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا،

"سمجھ گئی ——— تو اسلم سے تمہیں سچی محبت ہے ؟"

بے تامل عائشہ نے جواب دیا،

"ہاں ——— یہ میرا دعوےٰ ہے، اور مجھے خدا کے فضل سے امید ہے میں اپنے دعوے میں جھوٹی ثابت نہیں ہوں گی !"

"اگر اسلم سے تمہاری شادی نہ ہو سکے، ——— فرض کرو، نہ ہو سکے، تو بھی تمہاری محبت قائم رہے گی ؟"

"ہاں بھئی کیوں قائم نہ رہے گی ؟ پھر تو اور بڑھ جائے گی !"

"اری پگلی واقعی تو اوّل درجہ کی بے وقوف ہے!"

جمیلہ نے طنز بھرے لہجہ میں کہا،

"تو عقلمند صاحب، ذرا اس خاکسار بے وقوف کو سمجھا دیجیے گا!"

عائشہ نے ایک استاد کی طرح جمیلہ کو سمجھاتے ہوئے کہا،

"بے شک محبت کے بعد یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ جدائی اور فراق کا دور ختم ہو، دونوں محبت کرنے والی ہستیاں زندگی کا ایک ایک لمحہ ساتھ ساتھ بسر کریں، ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک رہیں، ایک دوسرے کے کام آئیں، زندگی کی مشکلات کو اپنی محبت سے آسان بنالیں، زندگی کی دشواریوں پر اپنی محبت کے سہارے غالب آجائیں۔"

جمیلہ بیچ میں بول پڑی

"یہی تو میں بھی کہہ رہی تھی!"

عائشہ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا،

"لیکن میں کچھ اور کہہ رہی ہوں ——— میرا مطلب یہ ہے کہ محبت ہر
ہیں زندہ رہتی ہے ہجر کی حالت میں بھی اور وصال کے دور میں بھی، دو محبت کر
والی ہستیاں بھی ایک دوسرے سے نہ مل سکیں، کبھی دونوں کی شادی نہ ہو سکے، پھر
محبت قائم رہے گی؟ بے وقوفوں کی ملکہ کیا تم سمجھتی ہو یہ جدائی محبت کا گلا گھو
دے گی؟ ——— نہیں جمیلہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، جو محبت اس درجہ
ہو، وہ محبت نہیں ہوس ہے، حرص ہے اور ایسی محبت جس قدر جلد فنا ہو جائے
بہتر ہے!"

اپنی جان خطرہ میں ڈال دے، وہ محبت کرنے کے بعد بے وفا ثابت ہو سکتا ہے؟ کھوٹا ثابت ہو سکتا ہے؟ انسانیت کے معیار سے گر سکتا ہے؟"

جمیلہ حیرت سے عائشہ کو تکنے لگی، اس نے پوچھا،

"بولو، بتاؤ —— میرے سوال کا جواب دو!"

جمیلہ نے ہار مان لی،

"کہتی تو ٹھیک ہو! —— بس اب ایک دُعا ہے، خدا وہ دن جلد لائے، جب تم اور اسلم ایک جان دو قالب ہو جاؤ!"

عائشہ ہنسنے لگی،

"پگلی —— کیا تو ہم دونوں کو ایک جان دو قالب نہیں سمجھتی؟"

جمیلہ لاجواب ہو گئی،

"سمجھتی تو ہوں، مگر میرا مطلب تھا شادی ——!"

عائشہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور مسکرانے لگی، !

"اور اگر شادی کے بعد اسلم بے وفا ثابت ہو تو ؟"

بڑے فیصلہ کن لہجہ میں عائشہ نے کہا،

"ایسا نہیں ہو سکتا !"

جمیلہ ہنسنے لگی،

"اپنے اوپر، اپنی محبت پر، اگر تمہیں اعتماد ہے، تو میں کچھ نہیں کہتی، لیکن اسلم کی وکالت کیسے کرنے لگیں تم ؟"

عائشہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا،

"اس لئے کہ محبت کاروبار نہیں ہے، وہ ایک لطیف، پاک اور سراسر روحانی جذبہ ہے، جو جذبات اغراض پر مبنی ہوں، ان میں کھوٹ ہو سکتی ہے، جو صداقت پر مبنی ہوں وہ کبھی بھی کھوٹے نہیں ثابت ہو سکتے ——— کیا تم کو یاد نہیں رہا، اسلم نے میری جان بچائی تھی ؟"

"ہاں خوب یاد ہے، !"

"کیوں بچائی تھی ؟"

"انسانی ہمدردی میں !"

"یعنی بغیر کسی غرض کے ؟"

"ہاں اور کیا !"

"اور جب اس نے مجھے تالاب سے نکالا اس وقت مجھ سے محبت نہیں کرتا تھا"

"ہاں ظاہر ہے نہیں !"

"ذرا سوچو، جس شخص کا کردار اتنا اونچا ہو کہ بغیر محبت کئے کسی کے لئے

یا نہیں ؛ دل پھر اس کی شیریں، دل نشیں اور سحر طراز باتوں کا لطف لے سکے گا

یا نہیں ——— ؟

پھر یکایک اس کے دل میں ایک اور خیال پیدا ہوا،

رخصت ہونے سے پہلے اُن سے ملاقات ہو سکے گی یا نہیں ؛

کیونکر کس طرح، اس سے الوداعی ملاقات کی جائے گی ؛

وہ یہی سوچ رہی تھی کہ جمیلہ آئی، اس وقت تک وہ بہت مسرور و خرّم نظر آرہی تھی، جمیلہ کو دیکھ کر وہ چونک پڑی،

"تم آگئیں جمیلہ ؛"

وہ بولی،

"ہاں آگئی ——— کیا تم مجھے یاد کر رہی تھیں ؛"

"بہت زیادہ ——— ایک کام تھا تم سے !"

"تو بلا لیا ہوتا، یا خود آجاتیں، عمار کو میرے گھر کا راستہ معلوم ہے، اور شاید تمہارے پاؤں میں بھی مہندی نہیں لگی ہے !"

"بس لڑنے لگیں، کبھی تو آدمی بنا کرو !"

"(ہنستے ہوئے) ایسی بد دعا تو نہ دو میرے دشمن آدمی بنیں، میں تو ایک عورت ہوں اللہ خدا کا شکر کرتی ہوں کہ عورت ہوں !"

عائشہ کو ہنسی آگئی، اس نے اس کی پیٹھ پر ہولے سے ایک دھپ لگائی، پھر کہنے لگی،

"اچھا اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں اب تو خوش ہوئیں ؛"

وعدہ

خوشی کی گھڑیاں بہت جلد گذر جاتی ہیں، آتی دیر ہیں ہیں، جاتی اس طرح ہیں جیسے پر لگ گئے، اسلم سات آٹھ روز تک بادیہ میں شیخ احسان کے ہاں مقیم رہا، صبح رخصت ہو رہا تھا، جب وہ آیا تھا تو عائشہ کتنی خوش تھی، جب تک اس کا یہاں قیا[م] رہا، عائشہ خوشی کے جھولے جھولتی رہی، وہ اس کے لئے نوید مسرت بن کر آیا تھا، صرف اس کا وجود، اس کا قیام عائشہ کے دل و جان کے لئے مایۂ صبر و شکیب بنا ہوا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے یہ خوشی لازوال ہے، جیسے یہ مسرت جاوداں ہے، جیسے اسے کوئی نہیں چھین سکتا، اسلم یہاں ہے میرے خیمہ کے قریب، بس اس سے زیادہ اور کیا چاہئے لیکن اب اسلم جا رہا ہے، اس کا جانا خوشی کا جانا ہے، نشاط و مسرت کی رخصت جس خوشی کو وہ لازوال سمجھ رہی تھی، وہ کتنی عارضی ثابت ہوئی، جس مسرت کو جاوداں سمجھ رہی تھی، وہ کتنی سبک سیر نظر آنے لگی، !

اسلم جا رہا ہے ——— اب نہ جانے کبھی وہ یہاں آئے گا یہ آنکھیں اس کا دیدار کر سکیں گی یا نہیں، ان کانوں تک اس کی سحر آواز پ[ہنچے]

کچھ ، ابھی ذرا دیر ہیں ——— !"

جمیلہ خفا ہو گئی ،

" اچھی بات ، دیکھنا ہے کس طرح سب کچھ اگلے دیتی ہوں ، کیا مجال جو میرے منہ سے ایک لفظ بھی نکل جائے ——— اچھا میں چلی ؟

عائشہ نے اس کی اوڑھنی کا پلّو پکڑ کر کھینچا ،

" خبردار ——— !"

وہ بیٹھ گئی

" اچھا نہیں جاتی ، لیکن اطمینان رکھو ، کچھ بتاؤں گی نہیں !"

بڑے داعیہ کے ساتھ عائشہ نے کہا ،

" ہم پوچھ کر رہیں گے ——— تمہیں بتانا پڑے گا ——— غضب خدا کا ، تم اب اتنی دیدہ دلیر ہو گئی ہو کہ راہ چلتے لوگوں سے مڈبھیڑ ہونے لگی ہے تمہاری ؟ اگر ان کرتوتوں کا پتہ تمہارے گھر والوں کو ، یا یوسف کو ، یا محلہ کے لوگوں کو چل جائے تو جانتی ہو کیا حشر ہو گا تمہارا ؟ ——— خیر میں وعدہ کرتی ہوں تمہارا راز میرے سینہ میں دفن رہے گا ، بتا دو کس سے مڈبھیڑ ہوئی تھی ——— ؟"

جمیلہ کو عائشہ کی ان باتوں پر ہنسی آ گئی ،

" بڑی چالاک ہو گئی ہو تم ؛ اس طرح پوچھو گی ؟"

" تو کیا ہوا ؛ کیا یہ طریقہ غلط ہے کچھ ؛ ——— بحث مباحثہ کر کے اپنا اور میرا وقت کیوں ضائع کر رہی ہو ، مجھے ابھی بہت سے کام کرنا ہیں !"

عائشہ نے جواب دیا،

"خوش تو تم نظر آرہی ہو، نہ جانے کیوں؟"

جمیلہ نے اقرار کر لیا،

"ہاں بھئی واقعی اس وقت بہت خوش ہوں!"

عائشہ نے بڑی بوڑھیوں کی طرح دعا دینے کے انداز میں کہا،

"خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے!"

بے ساختہ جمیلہ کے منہ سے نکلا،

"آمین!"

اور پھر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی، عائشہ بھی ہنسنے لگی، اس نے پوچھا،

"آخر راز کیا ہے اس خوشی کا ——— ؟ نہ بتاؤ گی؟"

اپنے چہرہ پر سنجیدگی طاری کرتے ہوئے اس نے کہا،

"بتا دوں گی ——— اور تو کوئی خاص بات نہیں، آج ان سے یکایک مڈبھیڑ ہو گئی ———"

عائشہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، اس کا جی چاہا کہ پوچھے کس سے مڈبھیڑ ہو گئی، لیکن الفاظ زبان تک آ کر رہ گئے، پوچھنے کی ہمت اپنے اندر نہ پیدا کر سکی، خاموشی سے سوالیہ انداز میں اسے تکنے لگی، جمیلہ نے کہا،

"پوچھو کس سے مڈبھیڑ ہو گئی تو آگے بتاؤں!"

عائشہ نے مسکراتے ہوئے کہا

"تم جیسی ہلکے پیٹ کی عورت سے، کچھ پوچھنا بیکار ہے، خود ہی اگل دو گی

لیکن عائشہ کو مجھ سے نفرت ہے یا محبت، مجھے نہیں معلوم!"

اُن الفاظ میں اتنا درد اتنا سوز و گداز، اتنی حسرت تھی کہ میں بیان نہیں کر سکتی،

میں نے کہا۔

"کیا آپ یہ جاننا چاہتے ہیں؟"

اُن کی آنکھوں میں عجیب طرح کی چمک پیدا ہو گئی۔ بیکلی کے عالم میں اُنہوں نے مجھے دیکھا، اور دیکھتے رہ گئے، میں نے کہا،

"میں آپ کو خوش خبری سناتی ہوں عائشہ بھی آپ سے محبت کرتی ہے، شاید اس سے زیادہ جتنی آپ کو ہے! ————!"

عائشہ سنتی ہو جیسے میرے یہ الفاظ ان کے کان میں پڑے، ایسا معلوم ہوا جیسے وہ بیہوش ہو جائیں گے، اُن کا بدن کانپنے لگا، اگر چٹان کی ٹیک نہ لے لیتے تو شاید گر پڑتے، اُنہوں نے آنکھیں بند کر لیں، میں تو یہ سمجھی گئے، اپنے آپ کو ملامت کرنے لگی میں بھی۔ یہ شادیٔ مرگ کی کیفیت ہے، بیچارہ کہیں جان سے نہ گزر جائے، میں نے نبض دیکھی بہت آہستہ آہستہ چل رہی تھی دل پر ہاتھ رکھا، دھڑک تو رہا تھا لیکن صاف معلوم ہو رہا تھا، بے حد کمزور ہو گیا ہے، میں نے ہلایا جلایا، جنبش تک نہ کی، میں نے پانی چھڑکا تو آنکھیں کھول دیں، پھر اٹھ بیٹھے، میں نے پوچھا،

"کیا ہو گیا تھا آپ کو؟"

"کچھ نہیں!"

میں نے کہا،

"آپ پر بیہوشی کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی!"

جمیلہ نے عائشہ کو شوخ نظروں سے دیکھا، پھر بولی،

"اسلم سے ملاقات ہوگئی تھی!"

اسلم کا نام سن کر عائشہ کا رنگ رخ بدل گیا، پھر وہ کچھ نہ پوچھ سکی جمیلہ نے کہا،

"سنتی ہو بی عائشہ ——— میں نے اسلم سے ایک وعدہ بھی کر لیا ہے، اب لاج تمہارے ہاتھ ہے!"

عائشہ چونک پڑی،

"تمہارے وعدہ کا مجھ سے کیا تعلق؟"

بڑی معصومیت کے ساتھ جمیلہ نے کہا۔

"وہ وعدہ تمہارے ہی متعلق تو ہے ——— سچ تو یہ ہے بہن کہ اسلم کی حالت مجھ سے نہیں دیکھی گئی، اپنی بکریاں چرا کر میں واپس آ رہی تھی، کہ تالاب کے پاس سے گزری، وہاں اسی ٹیلہ پر حضرت مجنوں تشریف فرما تھے، لیکن حد درجہ اداس بلکہ سچ تو ہے آنکھیں آنسوؤں سے لبریز، چہرہ اترا ہوا، رنگ فق، مجھے ترس آ گیا، آنا ہی چاہیئے تھا، اب میرا اور اسلم کا رشتہ غیر تو نہیں بہن بھائی کا ہے

میں نے پوچھا،

"اسلم بھیا، آپ اتنے اداس کیوں نظر آ رہے ہیں؟"

انہوں نے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا اور ان کی آنکھیں بھر آئیں، میرے دل پر بہت اثر ہوا، میں نے کہا۔

"آپ پریشان کیوں ہیں، میں جانتی ہوں آپ کو عائشہ سے محبت ہے!"

بڑی حسرت اور مایوسی کے لہجہ میں کہا۔

کہنے لگے ۔

"اگر ایسی حالت میں میری موت واقع ہو جاتی، تو کتنا اچھا ہوتا، جمیلہ بہن آپ
کوئی اندازہ نہیں کر سکتیں، آپ کے الفاظ نے میرے دل پر کیا اثر کیا ہے ۔!"

میں نے پوچھا،

"کیا آپ نے میرے الفاظ پر یقین نہیں کیا! کیا آپ سمجھتے ہیں، میں جھوٹ بول
رہی ہوں؟"

پھر ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا، کہنے لگے ۔

"نہیں ایسا تو نہیں ہے ——————!"

میں نے بڑی اپنائیت کے لہجہ میں کہا،

"پھر کیا بات ہے؟ کچھ کہیئے بھی تو سہی، میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں،
میرے لائق کوئی کام ہو تو بے تکلف کہئے!"

حسرت بھری نظروں سے مجھے دیکھا، پھر بولے،

"جو امرت آپ نے میرے کان میں ٹپکایا ہے کاش! ——————؟"

پھر وہ کچھ نہ کہہ سکے میں نے پوچھا،

"کیا آپ عائشہ سے اس کی تصدیق چاہتے ہیں؟"

بڑی پُر امید نظروں سے مجھے دیکھا اور کہنے لگے ۔

"کیا ایسا ممکن ہے؟"

یہ الفاظ نہیں تھے، التجا تھی، التماس تھی، حسرت تھی، آرزو تھی، میرا جی چ
پیدا کر کے اڑوں اور عائشہ کو لا کر اس کے سامنے بٹھا دوں، میری آنکھیں

ہو گئیں، جی چاہا خوب روؤں، میں نے کہا،

"سب کچھ ممکن ہے، جو کچھ کہتی ہوں وہ کر کے بھی دکھا سکتی ہوں!"

بے بسی کے ساتھ گویا ہوئے،

"شاید آپ کو معلوم نہیں کل صبح ہم لوگ واپس جا رہے ہیں!"

میں نے دلدہی اور تسلی کے لہجہ میں کہا،

"یہ مجھے نہیں معلوم تھا، لیکن اگر کل صبح آپ جا رہے ہیں تو آج شام کو عائشہ آپ سے ملنے یہاں آئے گی، ٹھیک غروب آفتاب کے بعد پہنچ جائیے!"

یہ سنتے ہی ان کی جان میں جان آ گئی، بہت بہت شکریہ ادا کیا، اور رخصت ہو گئے، اب میری لاج تمہارے ہاتھ ہے، بتاؤ عائشہ چلو گی؟

عائشہ بڑے غور سے جمیلہ کی باتیں سن رہی تھی، اور ٹکر ٹکر اسے دیکھے جا رہی تھی، جمیلہ نے پھر پوچھا،

"بتاؤ، وعدہ کرتی ہو؟"

عائشہ نے منہ سے کچھ نہیں کہا، صرف اقرار میں گردن ہلا دی، اور مسکرانے لگی!

ہیں، اور الفاظ کا جامہ پہنے بغیر گھٹ گھٹ کر مر جاتی ہیں، وہی باتیں اس وقت بے دھڑک تصور کی زبان پر آ رہی تھیں،

وہ سوچ رہی تھی، میں اسلم سے محبت کرتی ہوں، وہ مجھ سے محبت کرتا ہے، لیکن جمیلہ سچ ہی تو کہہ رہی تھی، کیا ہماری یہ محبت پروان چڑھ سکے گی ———؟

میں نے اُسے خاموش کر دیا تھا، لیکن اپنے دل کو ٹٹولتی ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کے بغیر اگر زندگی بسر کرنا پڑی تو زندہ رہنا ناممکن ہو جائے گا ——— پھر کیا ہو گا؟

لیکن میں ایسا سوچتی ہی کیوں ہوں؟

آخر کیا وجہ ہے کہ ہم دونوں کی زندگی ایک نہ ہو سکے؟ ہمیشہ کے لئے ہم دونوں ایک دوسرے کے شریک زندگی نہ بن سکیں؟ کیا ابا جان کو اسلم سے اچھا بھی کوئی داماد مل سکتا ہے؟ وہ خوبصورت ہے، بہادر ہے، شریف ہے، نیک ہے، پارسا ہے، کردار و سیرت کے اعتبار سے اس کا جواب نہیں، اس میں ایثار کا مادہ ہے، قربانی کا حوصلہ ہے، کون سی خوبی ہے جو اس میں نہیں؟ ——— یقیناً ابا جان کے لئے اس سے بڑھ کر فخر کی کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ اسلم ان کا بیٹا، ان کا داماد بن جائے۔!

ہاں خوب! یاد آیا، ابھی کل رات ہی کی تو بات ہے، جب میں اپنے کمرہ میں بیٹھی تھی، اور عمار ابا جان سے کہہ رہا تھا،

"اسلم کو دیکھ کر محبت کی لہریں اُٹھنے لگتی ہیں میرے دل میں!"

اور ابا جان نے جواب دیا تھا،

"ہاں عمار سچ کہتے ہو، خود میرا بھی یہی حال ہے، اور ایمان کی بات یہ ہے

بزمِ خیال

تھوڑی دیر بیٹھ کر جمیلہ چلی گئی، عائشہ تنہا رہ گئی، !

تنہائی میں اس نے مجلس خیال قائم کی، اب وہ تھی، اور اسلم! تصور کی دُنیا بھی کتنی دلفریب اور روح پرور ہوتی ہے، اسلم اس سے ملنے کو بے قرار ہے اگر نہیں مل سکتا، بہت سی پابندیاں ہیں، جنہیں ملاقات سے پہلے دُور کرنا ہے، وہ اسلم سے ملنا چاہتی ہے، لیکن نہیں مل سکتی، ایک لڑکی کا گھر سے باہر نکلنا اور ایک غیر مرد سے ملنا کچھ آسان ہے؟ اور آسان بھی ہو تو کیا ہر وقت ملاقات کی جا سکتی ہے؟ لیکن تصور کی دُنیا میں نہ وقت کی کوئی قید ہے، نہ ماہ و سال کی، نہ اپنوں کا اندیشہ ہے اغیار کا ڈر، نہ دوستوں کی پرواہ ہے، نہ دشمنوں کا خوف،

جمیلہ جا چکی تھی اور عائشہ عالم خیال میں اسلم کے پاس موجود تھی، جو آنکھیں شر اس کے سامنے جھکی رہتی تھیں، انہی آنکھوں سے اس وقت اس کا نظارہ کر رہی تھی زبان اس کے سامنے لب گویا کی محتاج نظر آتی تھی، اس بزم خیال میں وہ ط بھر رہی تھی، جو باتیں کسی کے سامنے زبان پر نہیں لائی جا سکتیں، جو دل میں

"جی ہاں ضرور ایسا ہی ہونا چاہیئے!"

اس پر ابا جان نے سوال کیا تھا،

"لیکن کسی طرح ہم اپنی طرف سے تو پیام نہیں دے سکتے، پہل سلیمان کی طرف سے ہونی چاہیئے، اور پھر ظاہر ہے نصرت ہمیں کوئی عذر نہ ہوگا، بلکہ فخر اور مسرت کے ساتھ ہم قبول کریں گے —————!"

عمار نے ابا جان کو توجہ دلائی،

"میرے خیال میں شیخ سلیمان کے یہاں آنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ بات پکی کرلیں!"

ابا جان نے فرمایا، اور ان کی آواز سے خوشی اور مسرت کا لہجہ ظاہر ہو رہا تھا،

"ممکن ہے یہی بات ہو، لیکن —————"

پھر ابا جان خاموش ہو گئے، عمار کچھ دیر منتظر رہا کہ اب کیا فرماتے ہیں، لیکن ابا جان نے خاموشی ہی اختیار کرلی تو اس نے پوچھا۔

"آپ کچھ فرما رہے تھے؟ ————— لیکن کے بعد خاموش ہو گئے، کیا کوئی خاص بات ہے؟"

ابا جان نے ایک لمحہ تامل کے بعد فرمایا،

"میرے خیال میں ایسا نہیں ہوسکتا!"

یہ سن کر میرا دل بھی زور زور سے دھڑکنے لگا، اور عمار بیچارہ بھی پشیمان سا ہو گیا، اس نے پوچھا،

"کیوں میرے آقا؟"

ابا جان نے جواب دیا،"

کہ اسلم ہے بھی اس قابل کہ اسے چاہا جائے، اس سے محبت کی جائے، میں تو اس لڑکے کی بہادری پر بےحد عش عش کرتا ہوں، یہ عمر اور یہ ہمت یاد ہے کس طرح اس دن اس نے میری بچی کی جان بچائی تھی؟"

عمار نے جواب دیا تھا،

"ہاں میرے آقا بہت اچھی طرح یاد ہے، بھلا وہ دن فراموش ہو سکتا ہے!"

پھر ابا جان نے فرمایا

"اب تو اسلم سے ایسی محبت ہو گئی ہے، جیسے وہ اپنے ہی گھر کا ایک فرد ہو!"

اس پر برجستہ عمار نے سوال کیا تھا،

"لیکن میرے آقا کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اسلم واقعی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس گھر کا ایک فرد بن جائے ———— ؟"

ابا خاموش ہو گئے، شاید کچھ سوچنے لگے، پھر ان کی آواز آئی،

"شاید تمہارا مطلب یہ ہے کہ عائشہ اور اسلم کی شادی ہو جائے؟"

عمار نے بڑی مستعدی اور آمادگی کے ساتھ جواب دیا،

"جی ہاں میرے آقا، میرا یہی مطلب ہے، نہ اسلم کو عائشہ سے اچھی بیوی مل سکتی ہے، نہ عائشہ کو اسلم سے اچھا شوہر!"

ابا جان نے عمار کی اس بات سے اتفاق کیا تھا،

"ہاں کہتے تو ٹھیک ہو، اگر یہ ہو جائے تو اس سے بڑھ کر خوشی اور مسرت کی کیا بات ہو سکتی ہے۔؟"

عمار نے زور دیتے ہوئے کہا تھا،

کہ ہمارے اور شیخ سلیمان کے تعلقات میں استحکام پیدا ہو!"

عمار نے بے پروائی اور کسی قدر برہمی کے لہجہ میں کہا،

"تو جبریل ہمارا کیا بگاڑ لے گا؟ وہ شیخ سلیمان کا نہ بھائی ہے، نہ عزیز، نہ مشیر ہے نہ صلاح کار۔ وہ صرف ان کا ایک دوست ہے اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ اسے گھریلو اور ذاتی معاملات میں شیخ سلیمان دخل اندازہونے کی اجازت دیں گے!"

ابا جان نے عمار کو سمجھاتے ہوئے فرمایا،

"اصولی اعتبار سے تمہاری بات بالکل درست ہے، لیکن جبریل سلیمان کا منہ چڑھا دوست ہے، وہ ضرور ان کی رائے پر اثر انداز ہوگا ——— !"

یہ جبریل کون شخص ہے؟

اسے کیا پڑی ہے کہ وہ محبت کرنے والے دلوں کو توڑے، دو محبت کرنے والی ہستیوں کی زندگی تباہ کرنے کی کوشش کرے؛ میرا خیال ہے یہ ابا جان کی غلط فہمی ہے، وہ سلیمان پر اتنا حاوی نہیں ہو سکتا کہ ان کا ارادہ بدل دے،

پھر وہ سوچنے لگی، آج اسلم سے ملنا ہے، ضرور پوچھوں گی یہ حضرت جبریل کون ہیں؟ لیکن اگر واقعی ابا جان کا اندیشہ درست ثابت ہوا اور جبریل کی دراندازی کامیاب ہو گئی؟ ———

——— اونھ میں ان باتوں کی پروا نہیں کرتی، مجھے اسلم پر اعتماد ہے، مجھے اپنے آپ پر بھروسہ ہے، کوئی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا،!

"یہ جبریل مجھے اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا"

عمار نے لقمہ دیا۔

"جی ہاں بڑا کھاؤ اور پیٹو آدمی ہے!"

ابا جان نے ذرا تلخ لہجہ میں کہا،

"مہمان کے کھانے پر اعتراض نہ کرو ——— میرا مطلب ہے کہ یہ شخص بد طینت اور مفسد معلوم ہوتا ہے!"

عمار نے بیتابی کے ساتھ پوچھا،

"یہ آپ نے کیسے جانا؟"

ابا جان نے بتایا،

"شیخ سلیمان کا یہ حال ہے کہ ہر ملاقات میں کرید کرید کر عائشہ کا حال پوچھتے ہیں اس سے اپنی محبت اور تعلق کا اظہار کرتے ہیں، بار بار اصرار کرتے ہیں کہ میں عائشہ سمیت ان کے ہاں جا کر کچھ دن مہمان رہوں لیکن ایسے موقع پر جبریل کی تیوری چڑھ جاتی ہے اس کی آنکھیں چمکنے لگتی ہیں، چہرہ کا رنگ بدل جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ اس طرح کی بات چیت پسند نہیں کرتا، جیسے وہ عائشہ سے جلتا ہے اس کا نام سنتے ہی ناگواری کے اثرات اس کے بشرے سے ظاہر ہونے لگتے ہیں!"

عمار نے غور سے یہ باتیں سنیں پھر کہا،

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، میرا بھی اس شخص کے بارے میں یہی خیال ہے!"

ابا جان نے فرمایا۔

"یہ ضرور پتھر بن کر اس راستہ میں حائل ہوگا، یہ ہرگز اسے گوارا نہیں کرے

کیا وہ میری محبت قبول کرلے گی ؟

ہاں جمیلہ یہ بھی تو کہہ رہی تھی ، عائشہ مجھ سے محبت کرتی ہے ،

کیا واقعی اسے مجھ سے محبت ہے ؟

اگر یہ جمیلہ کی شرارت نہیں ، تو پھر میں ساحل مراد پر پہنچ گیا ، مجھے گوہر مقصود حاصل ہو گیا ، پھر دنیا کی کوئی طاقت ہم دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں رکھ سکے گی ، (آ جان (شیخ سلیمان) وہی کریں گے جو میں چاہوں گا ، مجھے کتنا چاہتے ہیں ، میری فرمائشوں کو کس کس طرح پورا کرتے ہیں ، مجھے رنجیدہ دیکھ کر کس طرح اختلاج قلب میں مبتلا ہو جاتے ہیں ، میری خاطر کس درجہ عزیز رکھتے ہیں ، اور مجھے مسرور پا کر کس طرح ان کی رگوں میں زندہ اور تازہ اور جوان خون گردش کرنے لگتا ہے ، یہ سارے تماشے میں دن رات دیکھا کرتا ہوں ، لہٰذا ان کی طرف سے تو مجھے کوئی اندیشہ نہیں ، اسی طرح والدہ کی طرف سے بھی میری پسند پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا ،

ہاں ——— لیکن شیخ احسان ؟

کیا وہ عائشہ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیں گے ؟

اس رشتہ پر انہیں تو کوئی اعتراض نہ ہوگا ؟

دل سے آواز آئی نہیں شیخ احسان اس رشتہ کو ناپسند نہیں کر سکتے ، وہ مجھے بہت زیادہ مانتے اور چاہتے ہیں ، ہر وقت میری تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں ، ان کی نگاہوں سے ، ان کے برتاؤ سے ، ان کے طور طریقہ سے محبت ٹپکی پڑتی ہے ، وہ میرا اتنا ہی خیال رکھتے ہیں ، جتنا باپ اپنے بیٹے کا رکھ سکتا ہے ، عمار اس گھر کا پرانا اور بڈھا خادم ہے ، وہ بھی مجھے کتنا چاہتا ہے ، کتنا خیال رکھتا ہے میرا ؟ ———

ایک اور موقع

پہلی ملاقات میں اسلم نے جمیلہ کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں قائم کی تھی بجز خو
اور طراری دلپسند کرتا تھا، لیکن نہ اتنی جتنی جمیلہ میں پائی جاتی تھی، لیکن آج اس نے
جس انسانیت اور شرافت کا برتاؤ کیا تھا، جس اپنائیت سے اس کا حالِ زار دریافت
کیا تھا، جس توجہ سے اس کے آزارِ محبت کا مداوا کرنے کی کوشش کی تھی اور جس ہمد
سے عائشہ کو تالاب پر لے آنے کا وعدہ کیا تھا اس سے وہ بہت متاثر ہوا تھا، اور اب
اس کی عزت کرنے لگا تھا،

اسلم خوش خوش جمیلہ سے رخصت ہو کر اپنی قیام گاہ کی طرف لوٹا، دل ج
روز سے جو ملمونان مچل رہا تھا جمیلہ کی دلسوزی سے اس کا زور ٹوٹ گیا تھا،

لیکن اس وقت سب سے اہم سوال یہ تھا کہ اگر جمیلہ قول کی سچی ثابت
اور وہ عائشہ کو اپنے ساتھ لے آئی تو میں اس سے بات کس طرح کروں گا؟
کیا میں کھلے الفاظ میں اپنی محبت کا اظہار کر سکوں گا ———
ہمت دے ایسی حوصلہ سے کام لوں، اور دلِ زار کی ساری کہانی اسے سنا

ہرگز زندہ نہیں رہ سکتا، یہ میری روح ہے، میری زندگی ہے، میرا سرمایہ حیات ہے،

اسی اثنا میں طلحہ آگیا، اس کے ساتھ احمد بھی تھا، ان دونوں کی آہٹ سن کر وہ چونک پڑا، طلحہ نے فقرہ چست کیا،

"اس وقت تو اسلم مراقبہ میں نظر آ رہے ہیں!

احمد بھی اسلم کو چھیڑنے کے موڈ میں تھا،

"ہاں نظر تو ایسا ہی آ رہا ہے، !"

اسلم اب اپنے ہوش میں آچکا تھا،

"تو آؤ تم دونو میرے ہاتھ پر بیعت کر لو۔!"

طلحہ :۔ یار یہ تو بہت برا ہوا اب اتنی مشکل سے تو یہاں جی لگا تھا، اور یہ جبریل زبردستی کر کے ہم سب کو واپس جانے پر مجبور کر رہا ہے۔

احمد :۔ اتنا مکروہ اور بدفطرت آدمی میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا،

طلحہ :۔ لیکن سوال یہ ہے کہ سلیمان چچا اس کی ہر بات کیوں مان لیتے ہیں؟

اسلم :۔ کہہ رہے تھے وہاں کوئی کام ہے۔

طلحہ :۔ چھوڑو بھی ان باتوں کو، کام تھا تو آئے کیوں تھے؟ آگئے تھے تو ذرا رہنا چاہیئے تھا۔

احمد :۔ بہرحال اب تو فیصلہ ہو گیا، اب کیا ہو سکتا ہے؛

طلحہ :۔ کیوں نہیں ہو سکتا؟

اسلم (مسکراتے ہوئے) اگر ہو سکتا ہے تو کرو کوئی ترکیب،

طلحہ :۔ ابھی لو ——— ترکیب بھی وہ سوچی ہے کہ مزہ آجائے گا،

ان دونوں کی طرف سے میں یہ وہم بھی نہیں کر سکتا کہ اس رشتہ کی راہ میں یہ حائل ہوں گے ؛

اگر عائشہ نے واقعی میری محبت کو قبول کر لیا ہے، اگر عائشہ سچ مچ مجھ سے محبت کرتی ہے، اگر حقیقتاً اس کے دل میں میری جگہ ہے، اگر وہ کہانی سچ ہے جو حمیدہ نے سنائی تھی تو پھر ہماری محبت کامیاب ہو گی، پھلے پھولے گی! آج عائشہ سے گفتگو ہو گی سب کچھ ظاہر ہو جائے گا، معلوم ہو جائے گا، اور پھر میں ابا جان سے اس معاملہ پر براہِ راست یا طلعت کے ذریعہ گفتگو کروں گا، یقیناً انہیں کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا، وہ فوراً میری درخواست قبول کر کے شیخ احسان کو پیام دیں گے،

اور پھر ———— ؛

یہ سوچتے سوچتے اس کی آنکھوں کے سامنے ایک پیکرِ دل آویز آکر کھڑا ہو گیا،

یہ عائشہ تھی،

عائشہ جسے وہ دنیا میں سب سے زیادہ چاہتا ہے، جسے پالینے کے لئے، جسے حاصل کرنے کے لئے، جسے اپنا بنانے کے لئے، اور جس کا خود بن جانے کے لئے وہ بہت کچھ کر گزرنے پر تیار ہے!

عائشہ سامنے کھڑی تھی، اس کے گلابی ہونٹوں پر تبسم کی بجلی چمک رہی تھی، کی طرح اس کے شگفتہ اور شاداب چہرے پر قیامت کی رعنائی طاری تھی،

یہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار۔

اس نے عائشہ کو دیکھا، اور اس کے دل میں حشرِ آرزو برپا ہو گیا، اس ایک لفظ پر میری زندگی کا، میری قسمت کا، میرے مستقبل کا فیصلہ ہے، میں اس

اسے درہم برہم کر دیا۔

جبریل :- خیر جمعہ تک رک جانے میں تو کوئی خاص مضائقہ نہیں ـــــــ لیکن احسان نے مجھ سے تو ذکر نہیں کیا،

طلحہ :- نہ کیا ہو گا، مجھ سے تو کہہ رہے تھے، بلکہ یہ بھی کہہ رہے تھے کسی طرح آپ کو راضی کروں اس دعوت کے قبول کر لینے پر ـــــــ تو بتائیے کیا کہلاؤں ان سے ـــــــ ؟

جبریل :- اب ان کا اصرار ہے تو کیا کہا جا سکتا ہے!؟"

اس گفتگو کے بعد جبریل چلا گیا، اس کے جاتے ہی احمد نے بے تحاشا ہنسنا شروع کر دیا

اسلم :- واقعی بڑے موذی کو مارا کتنی آسانی سے راضی ہو گیا کمبخت؟"

طلحہ :- یعنی کھانے پینے کے معاملہ پر تو یہ عمر بھر یہاں رہنے کو تیار ہے،

احمد :- لیکن اب شیخ احسان اس کی دعوت کس طرح کریں گے؟

طلحہ :- کرنا پڑے گی،

احمد :- کیوں کرنا پڑے گی؟ ـــــــ کچھ زبردستی ہے؟

طلحہ :- اسے مجھ پر چھوڑ دو، شیخ احسان سے کہوں گا، جبریل دعوت کی شرط پر دو دن رہنے کے لئے تیار ہے، وہ فوراً انتظامات شروع کر دیں گے، ابھی تھوڑی دیر ہوئی، اچھا سلیمان سے بہت افسوس ظاہر کر رہے تھے کہ آپ اس قدر جلد جا رہے ہیں، انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا تھا کیا کروں؟ میرا خود ابھی جانے کو جی نہیں چاہتا لیکن جبریل ساتھ آیا ہے، اور وہ واپسی پر بضد ہے، اور یہ اچھا نہیں لگتا کہ اسے تنہا واپس جانے دوں ـــــــ سارا فساد اس جبریل کا تو ہے!

احمد :- بتاؤ بھی تو کیا ہے وہ ترکیب ذرا ہم بھی تو سنیں ،

طلحہ :- دیکھو جبریل آ رہا ہے، تم لوگ بالکل خاموش ہو جاؤ، میں جو کچھ کہوں سنتے رہو

خبردار جو کوئی بیچ میں بولا،

احمد :- نہیں کوئی نہیں بولے گا ،

طلحہ :- (بگڑ کر مصنوعی غصہ سے) اور بولے جو جا رہے ہو !

احمد :- (کان پکڑ کر) اب نہیں بولوں گا ،

اتنے میں جبریل آ گیا، اُسے دیکھ کر طلحہ نے کہا،

"اچھا ہوا جو آپ تشریف لے آئے اس وقت ،

جبریل :- کیوں ؛ خیریت تو ہے ،

طلحہ :- آپ نے فیصلہ کر لیا ہے کہ کل صبح ہوتے ہی یہاں سے مع ہم سب کے تفری

لے جائیں گے ؟

جبریل :- ہاں اور کیا ساری زندگی ان وحتھانیوں میں گزار دیں گے جنہیں نہ بات کرنے

کا سلیقہ ہے، نہ زندگی بسر کرنے کا ،

طلحہ :- بجا ارشاد ہوا، واقعی یہ لوگ نہ بات کرنا جانتے ہیں، نہ آدابِ زندگی سے

واقف ہیں، لیکن اس سے تو آپ انکار نہیں کر سکتے کہ کھانا بہت اچھا، اور بہت

زیادہ کھلاتے ہیں،

جبریل :- (آنکھیں نکال کر) تو ؟

طلحہ :- بات یہ ہے کہ شیخ احسان کا ارادہ تھا کہ پرسوں جمعہ کو ایک زور دا

دعوت کریں ہم سب کی ؛ سارا پروگرام طے ہو چکا تھا، مگر آپ کے اس ف

"اچھی عائشہ پریشان نہ کرو، وقت گزرا جارہا ہے کسی کا دل دکھانے سے کیا فائدہ؟"

عائشہ نے چلنے کی تیاری کرتے ہوئے جمیلہ کو جتایا،

"نہیں مانتیں تو چل چلتی ہوں لیکن میرا مزاج جانتی ہو، زیادہ باتیں کرنے کی میں عادی نہیں، لہٰذا ان سے کہہ دینا کوئی کہانی سنانے نہ بیٹھ جائیں!"

جمیلہ ہنسنے لگی،

"اچھا بھئی سب شرطیں منظور ہیں، قدم تو نکال چلو گھر سے کسی طرح!

کافی دیر تک عائشہ نے جمیلہ کو پریشان کیا، پھر غروب آفتاب کے قریب گھر سے نکلی، تالاب کچھ زیادہ فاصلہ پر نہیں تھا، جلد ہی یہ دونوں پہنچ گئیں، اسلم باحال پریشان منتظر بیٹھا تھا، انہیں آتا دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا، جمیلہ نے شرارت بھرے لہجہ میں اُسے ٹوکا۔

ار، ارے آپ کھڑے کیوں ہو گئے؟ بیٹھئے تشریف رکھئے، ——— دیکھئے میں نے اپنا وعدہ پورا کیا، آپ کی لیلےٰ کو اپنے ساتھ لے آئی، کم سے کم شکریہ تو ادا کر دیجئے اس خاکسار کا!

اسلم جمیلہ کی باتیں بڑی توجہ سے سن رہا تھا، اس نے مسکراتے ہوئے کہا،

"بہت بہت شکریہ آپ کی اس نوازش کا!"

جمیلہ نے پوچھا،

"واقعی کل آپ جا رہے ہیں؟"

اسلم نے جواب دیا۔

"جی ہاں ارادہ تو یہی تھا، مگر اب شاید دو دن کے بعد ہم لوگ جائیں گے،!

یہ سن کر جمیلہ خوش ہو گئی،

سناٹا

جمیلہ ٹھیک وقت پر آگئی، اُس نے آتے ہی تقاضہ کیا،

"چلو بھئی عائشہ، بھڑک رہے ہوں گے وہ تمہارے انتظار میں، اور مجھے مفت

گالیاں دے رہے ہوں گے کہ ایک وعدہ کیا وہ بھی پورا نہ کر سکی!"

عائشہ نے مصنوعی سنجیدگی کی کیفیت اپنے اوپر طاری کرتے ہوئے کہا،

"سر میں درد ہو رہا ہے، جاؤ معذرت کر دینا میری طرف سے، پھر کبھی آئیں گے

دیکھا جائے گا!"

یہ سن کر جمیلہ کے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی،

"اب چلتی ہو یا باتیں بناؤ گی، دیکھو میرا غصہ بڑا بے ڈھب ہے!"

عائشہ نے چھیڑتے ہوئے کہا،

"جانتی ہوں تمہارا غصہ بڑا بے ڈھب ہے، لیکن میرا کیا بگاڑ لو گی، ہیں کا

بھائی تو ہوں نہیں، وہ بیچارے سنا ہے بہت ڈرتے ہیں تم سے!"

جمیلہ اب خوشامد پر اتر آئی،

...ی سی بات کرلے، آپ لوگ اطمینان سے باتیں کیجئے، میں ابھی آئی!"

یہ کہہ کر حمیدہ تیزی کے ساتھ سامنے والے ٹیلے پر پہنچی، پھر وہاں سے اس نے پکار کر کہا۔

"میں ذرا تالاب تک جاتی ہوں ڈرنا نہیں ابھی آجاؤں گی!"

اور پھر وہ آبِ رواں کی طرح اٹکھیلیاں کرتی تالاب کی طرف اُتری چلی گئی، یہ سب کچھ اتنی تیزی اور سرعت کے ساتھ ہوا کہ عائشہ اسے روک بھی نہ سکی، اب یہ دونوں بالکل تنہا تھے!

ہلکی ہلکی چاندنی چھٹکی ہوئی تھی، ساری فضا پر گہرا سکوت چھایا ہوا تھا، کہیں دور سے کسی پرندے کے پھڑ پھڑانے، یا چڑیا کے چہچہانے یا جانور کے بولنے کی آواز آجاتی، اور پھر ایک مہیب سناٹا فضا پر طاری ہو جاتا! ———— فضا خاموش تھی، اور ان دونوں کے لبوں پر بھی مہرِ سکوت لگی تھی!

———

وز ہے قسمت ، لیکن یک بیک ارادہ بدل کیسے گیا ؟"

اسلم نے مزے لے لے کر جبریل اور طلحہ کی ساری داستان سنا دی ، حمیدہ نے ساری روداد سننے کے بعد کہا ،

" اچھا تو یہ بات ہے ، آپ عائشہ کی وجہ سے نہیں جا سکے ، عورت نے روکا ہے آپ کو "

اسلم نے لقمہ دیا -

" مجھے نہیں جبریل کو ، اور جبریل نے ہم سب کو روک لیا ، وہ دادا کے منہ چڑھے دوست ہیں ، وہ ان کی ہر بات مان لیتے ہیں ، انہی کے اصرار پر دادا جا رہے تھے ورنہ ان کا خود بھی جی نہیں چاہ رہا تھا جانے کا !

جبریل کا نام سن کر عائشہ کو بہت سی باتیں یاد آ گئیں ، جو اس نے گذشتہ رات احسان اور عمار کو کرتے ہوئے سنی تھیں ، اس نے آہستہ سے حمیدہ سے کچھ کہا ، وہ اسلم سے مخاطب ہوئی !

" یہ (عائشہ) پوچھتی ہیں جبریل کس قسم کا آدمی ہے ؟"

اسلم نے جواب دیا ،

" نہایت خراب ——— لیکن ہم اس کا لحاظ کرنے پر مجبور ہیں اس لئے کہ وہ بڑا ہے ، بوڑھا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمارے دادا جان کا عزیز دوست ہے ——— لیکن یہ سوال آپ نے کیوں کیا ؟"

حمیدہ نے ناک بھوں چڑھا کر کہا ،

" میں نے نہیں یہ سوال عائشہ نے کیا تھا ، اور جو جواب آپ نے دیا ہے وہ یقیناً انہوں نے سن لیا ، لیکن آپ دونوں کے درمیان مجھے واسطہ بننا منظور نہیں ، جس کا جی

تبسم اسلم کے ہونٹوں پر بھی نمودار ہوا،

۔نہیں ایسا نہ کہیئے، مجھے ہر کوئی اسیر دام نہیں کر سکتا، زندگی میں پہلی اور آخری مرتبہ ایک ہی دام ہے، جس میں خود سے گرفتار ہوا ہوں،

عائشہ کے پھول سے رخساروں پر شرم کی سرخی دوڑ گئی،

کتنی باتیں بنانا آتی ہیں آپ کو ؟

اسلم نے ایک جذبہ کے عالم میں کہا،

۔نہیں عائشہ یہ نہ کہو، میری محبت کی توہین نہ کرو، میرے دل کا مذاق نہ اڑاؤ، میں باتیں نہیں بناتا، باتیں بنا کر کیا کروں گا ——— ؟ میں تم سے محبت کرتا ہوں، محبت کیوں ہو جاتی ہے، میں نہیں جانتا، صرف اتنا معلوم ہے کہ گرفتارِ محبت ہوں، میں نے اپنے دل سے جنگ کی، میں اپنے دماغ سے لڑا، لیکن مجھے اعتراف کرنا چاہیئے کہ میں ہار گیا۔ نہ دل نے میری سنی نہ دماغ نے، میں کل یا پرسوں، یا ایک دن بعد یہاں سے جا رہا ہوں، لیکن میرا دل یہیں رہے گا، میری روح یہیں رہیگی ممکن ہے اب میں کبھی نہ آسکوں، ممکن ہے اب میں تمہارے چہرۂ زیبا کی کبھی زیارت نہ کر سکوں، لیکن عائشہ یقین کرو، اور یاد رکھو، زندگی کی آخری سانس تک میرا دل تمہارا کلمہ پڑھتا رہے گا، میں یہاں اپنی زندگی کی پونجی چھوڑے جا رہا ہوں، اپنی زندگی کا سرمایہ، میری جھولی خالی ہے، ہاں تم چاہو تو اس میں اپنے اعترافِ محبت کی بھیک ڈال سکتی ہو، یہ مجھے مل جاتے تو میں اپنے آپ کو دنیا کا سب سے زیادہ خوش قسمت اور کامیاب انسان سمجھوں گا ——— کیوں عائشہ کیا تم کچھ بولو گی ؟ کچھ کہو گی ؟ کچھ جواب دو گی ؟

راز و نیاز

تھوڑی دیر کے بعد پہلو بدلتے ہوئے عائشہ نے کہا۔

"جمیلہ ابھی تک نہیں آئی بڑی شریر ہے!"

اسلم نے جمیلہ کی حمایت کی،

"آ جائے گی ——— اسے شریر نہ کہیے!"

عائشہ نے پوچھا،

"وہ شریر نہیں ہے، یہ آپ نے کیسے جانا؟ ———؟"

اسلم نے جواب دیا۔

"وہ رحم دل ہے، دوسروں پر اُسے ترس آتا ہے، وہ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کی کوشش کرتی ہے، وہ بہتے ہوئے آنسوؤں کو اپنے دامن میں جذب کر لیتی ہے، وہ نا اُمیدوں کو اُمید اور آس کی بشارت دیتی ہے، آپ اُسے شریر کہتی ہیں، میں کیسے مان لوں"

عائشہ ذرا کے ذرا مسکرائی، پھر اس نے کہا،

"اس کی شرارت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آپ کو اسیرِ دام کر لیا ہے!"

اسلم :- (متحیر ہو کر) کیا مطلب ؟ ——— تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں تنہا یہ عہد کروں؟

عائشہ :- میرا مطلب یہ ہے کہ ———

اسلم :- تم خاموش کیوں ہو گئیں، کیا کہہ رہی تھیں کہو۔

عائشہ :- میں تو یہ عہد اسی دن کر چکی تھی، جس روز آپ نے میری جان بچائی تھی، آپ نے تالاب سے مجھے نکالا تھا،

اسلم :- (بے خودی کے عالم میں) عائشہ،

عائشہ :- میں غلط نہیں کہتی،

اسلم :- ہاں تم غلط نہیں کہتیں، مجھے یقین ہے تم کبھی نہیں جھوٹ بول سکتیں، عائشہ تمہارے ان الفاظ نے، ان مختصر سے اور سادہ سے الفاظ نے میرے دل پر کیا اثر کیا ہے، میں بیان نہیں کر سکتا، عائشہ ایک نہیں دس ہزار جانیں بھی تمہیں بچانے کے لئے، تمہاری حفاظت کی خاطر، تمہیں خوش رکھنے کے لئے میں قربان کر سکتا ہوں

———

عائشہ :- مجھے یقین ہے، مجھے آپ پر اعتماد ہے،

اسلم :- کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں؟

عائشہ :- محبت اور صداقت کا معاوضہ شکریہ سے نہیں ادا کیا جا سکتا،

اسلم :- سچ کہتی ہو عائشہ محبت کا معاوضہ تو جان بھی نہیں ہو سکتی،

عائشہ :- ایک بات میں بھی پوچھنا چاہتی ہوں، اجازت ہے؟

اسلم :- ضرور ——— ضرور پوچھو، ایک نہیں ایک ہزار باتیں۔

یہ کہہ کر اسلم نے عائشہ کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کوئی بھکاری کسی شہنشاہ کی طرف دیکھتا ہے، عائشہ ہمہ تن گوش بنی اسلم کی باتیں سُن رہی تھی، اسلم نے جو کچھ کہا، وہ اُسے معلوم تھا! اسلم نے اپنی جو کیفیت بتائی تھی، خود اس کی کیفیت بھی تو اس سے مختلف نہ تھی، لیکن وہ ایک لڑکی تھی، اور اسلم مرد تھا! اسلم دل کی ہر بات زبان پر لا سکتا تھا، اور وہ مجبور تھی، بے بس تھی، خاموش رہنے پر مجبور تھی، دل کی بات زبان پر لانا اس کے لئے کسی طرح بھی ممکن نہ تھا، پھر بھی اُس نے ہمت کی اور کہا،

"آخر آپ اتنے مایوس اور دل گرفتہ کیوں ہیں؟ آپ میری زبان سے کیوں کچھ کہلوانا چاہتے ہیں، کیا دل کی زبان نہیں سمجھ سکتے؟ کیا آپ کا خیال ہے تالی ایک ہی ہاتھ سے بجتی ہے؟ ——— ؟

اسلم :- (جوش اور جذبہ کے عالم میں) میں نے وہ پالیا جو چاہتا تھا، عائشہ اگر تمہارے دل میں میری جگہ ہے، تو پھر کوئی مشکل بھی مجھے ہراساں نہیں کر سکتی!

عائشہ :- ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے۔

اسلم :- ایک بات تم سے اور کہنا چاہتا ہوں!

عائشہ :- آپ کو تامل کیوں ہے کہنے میں؟ کہیئے،

اسلم :- آؤ ہم عہد کریں کہ زندگی بھر ہمارا یہ محبت کا رشتہ قائم رہے گا، دنیا کی کوئی طاقت اُسے نہیں توڑ سکے گی، یہ زمین تا آسمان مخالف ہو جائیں، اس دنیا کے لوگ ہمارے دشمن بن جائیں، کوئی رسم، کوئی رواج، کوئی مجبوری، ہمارے راستہ میں حائل نہیں ہو سکتی ———!

عائشہ :- اگر آپ بھی یہ عہد کر لینا چاہتے ہیں تو کر لیجیئے،

کبھی ایسی جرأت کی تو میری تلوار اس کا سر قلم کر دے گی"۔

عائشہ سہم گئی اس نے کہا،

"نہیں تلوار چلانے کی ضرورت نہیں ہے میں نے ایک خطرہ سے آپ کو آگاہ کر دیا اس کے تدارک کی کوئی تدبیر سوچ لیجئے۔

اسلم نے محبت بھری نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے جواب دیا،

اطمینان رکھو، یہ میرا کام ہے اور میں اسے بخوبی انجام دے لوں گا!

اتنے میں کسی کے چلنے کی آہٹ سنائی دی ایک وقت اسلم اور عائشہ نے مڑ کر دیکھا جمیلہ بالکل سر پر کھڑی مسکرا رہی تھی، عائشہ نے ملامت آمیز نظروں سے اُسے دیکھا اور کہا،

"کیا ضرورت تھی آنے کی؛ اب بھی نہ آتیں!"

وہ آکر پاس بیٹھ گئی، اور شوخ نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے بولی،

"کیوں نہ آتی؛ تمہیں گلچھرے اڑانے کے لئے چھوڑ دیتی، یہ مطلب تھا؟"

عائشہ جھینپ گئی۔

"اب تمہاری شامت آئی ہے شاید"

جمیلہ ذرا دور ہٹ گئی پھر بولی،

"یقیناً آئی ہے، لیکن میں اس سے دور بیٹھی ہوں،

عائشہ نے چڑاتے ہوئے کہا،

"جی ہاں، بہت دور، جیسے ان تک کوئی پہنچ ہی نہیں سکتا ——— !

جمیلہ نے اسلم کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگی،

عائشہ :- کیا آپ کا خیال ہے، دنیاوی طور پر بھی بغیر کسی دشواری کے ہم ایک دوسرے

کے بن سکتے ہیں؛

اسلم :- ہاں میرا یہی خیال ہے ——— اس لئے کہ شیخ احسان مجھے

اپنے فرزند کی طرح عزیز رکھتے ہیں،

عائشہ :- وہ تو میں جانتی ہوں، سچ پوچھئے تو بابا فرزند سے بھی زیادہ آپ کو عزیز

رکھتے ہیں، انہیں آپ پر فخر ہے، وہ آپ سے محبت کرتے ہیں، آپ کا نام کوئی لیتا

ہے تو وفورِ مسرت سے ان کا چہرہ گلنار ہو جاتا ہے ——— لیکن میرا مطلب

اس سوال سے کچھ اور تھا۔

اسلم :- تو کہہ ڈالو اسے بھی،

عائشہ :- کیا آپ کے ———

اسلم :- (قہقہہ لگاتے ہوئے) نہیں یہ اندیشہ بے بنیاد ہے، میرے گھر پر میری مرضی

کا راج ہے، میری خوشی، میرے دادا کی، میری ماں کی، میرے سارے گھر کی خوشی

ہے، ان کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں، بالکل نہیں،

عائشہ :- لیکن ابھی تو آپ نے بتایا ہے کہ جبریل ان کا منہ چڑھا دوست ہے۔

اسلم :- (حیرت سے) ہاں تو! اس سے کیا ہوتا ہے؛ یہ سوال کیوں کیا تم نے!

عائشہ نے وہ ساری گفتگو دہرا دی جو اس نے احسان اور عمار کو کرتے ہوئے

رات سُنی تھی، یہ باتیں سُن کر اسلم ہنسنے لگا، اس نے کہا،

"عائشہ تم کتنی بھولی ہو، بے شک جبریل میرے دادا کا دوست ہے، اور عزیز

دوست ہے، لیکن وہ ہمارے گھریلو معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتا، اور اگر

تو چھپے چھپکے ایک جاسوس کی طرح ہماری باتیں کیوں سُنیں اور اگر سُنی تھیں، تو تلوار سے سر قلم کر دینے کا ذکر کر کے اس نے ہمیں چھیڑا کیوں؟

اسلم نے مصنوعی طور پر پریشان ہوتے ہوئے جمیلہ سے کہا،

"آپ کے جرائم کی فہرست تو واقعی بہت لمبی ہے، کس کس جرم کو معاف کرنے کی سفارش کی جائے؟ آپ ہی بتا دیجئے!"

جمیلہ اٹھ کھڑی ہوئی،

"نہ آپ کی سفارش کی مجھے ضرورت ہے، نہ بی عائشہ کے رحم و کرم کی، آپ جانیں اور یہ، میں جاتی ہوں ——— خبردار جو میرے پیچھے پیچھے آئیں کہے دیتی ہوں!"

عائشہ نے اس کا دامن پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے اپنے پاس بٹھا لیا اور بولی،

"ابھی ہم تم سے معافی مانگتے ہیں نہ جاؤ، معاف کر دو، غلطی ہو گئی تھی ہم سے!"

جمیلہ مسکرانے لگی، اس نے اسلم سے کہا،

"سن لیا آپ نے؟"

اسلم نے جواب دیا۔

"جی ہاں سن لیا، کہاں وہ برہمی کہاں یہ نیازمندی، کس بات کا اعتبار کیا جائے اور کس کا یقین نہ کیا جائے؟"

جمیلہ نے بڑے ہمدردانہ لہجہ میں کہا

"یہ تماشہ میں نے اس لئے آپ کو دکھایا ہے کہ ابھی موقع ہے خوب اچھی طرح سوچ سمجھ لیجئے، یہ عائشہ اس طرح کی لڑکی ہے، گھڑی میں ماشہ، گھڑی میں تولہ، ابھی خوش ابھی ناخوش، کہیں ایسا نہ ہو آپ اس سے محبت کر کے پچھتانے لگیں

۔کوئی نہیں پہنچ سکتا، میرا بھائی میری حفاظت کرے گا، اگر ضرورت ہوئی تو اس کی تلوار سر قلم کر دے گی۔!

عائشہ مسکرانے لگی، اسلم بھی ہنسنے لگا، اس نے کہا،

۔اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ہماری باتیں سن رہی تھیں ——— یہ کونسی شرافت ہے؟

وہ روٹھی ہوئی بولی،

۔ہاں صاحب، ہم شریف ہوتے تو اس وقت یہاں کیوں نظر آتے؟

اسلم نے اسے منانے کی کوشش شروع کر دی،

۔ارے آپ تو خفا ہو گئیں، میرا یہ مقصد کب تھا؟ اچھا میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں!

جمیلہ نے دزدیدہ نظروں سے عائشہ کو دیکھتے ہوئے کہا،

۔شکریہ! ——— لیکن ضرورت اس کی ہے کہ یہ اپنے الفاظ واپس لیں ——— ! ابھی یہ مجھے دھمکی دے چکی ہیں، میرا دل نازک ہے، میں دھمکیوں کو برداشت نہیں کر سکتی!

اسلم نے عائشہ سے کہا،

۔معاف کر دو جمیلہ بہن کو!

عائشہ بولی،

۔اس معاملہ میں آپ دخل نہ دیجئے ——— یہ مجھے یہاں چھوڑ کر گئی کیوں؟ اگر گئی تھی تو اتنی دیر تک کیوں غائب رہی؟ اور اگر غائب رہی

ولولۂ جہاد

سلیمان، جبریل، احمد، طلحہ اور اسلم رخصت ہو رہے تھے، رخصت کرتے وقت احسان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، وہ واقعی اسلم کو اپنا لختِ جگر سمجھنے لگا تھا، اسلم کی وجہ سے اُسے سلیمان سے بھی تعلق خاطر ہو گیا تھا، پھر اس کے عادات و اطوار اور کردار و سیرت کا بھی مقتضا تھا کہ اس کی عزت کی جائے، اس کا احترام کیا جائے، جبریل سے اُسے ایک طرح کی کراہت سی محسوس ہوتی تھی، لیکن محض اس لئے کہ وہ سلیمان کا دوست اور ساتھی تھا، اس کی حد سے زیادہ خاطر تواضع پورے خلوص اور سرگرمی کے ساتھ اس نے کی، طلحہ اور احمد چونکہ اسلم کے عزیز اور مخلص اور جاں نثار دوست تھے اس لئے احسان انہیں بھی اتنا ہی عزیز رکھتا تھا، جتنا ایک خاندان کا کوئی فرد کہا جا سکتا ہے، چلتے وقت سلیمان نے بڑی شدت کے ساتھ اصرار کر کے اسے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی، احسان نے یہ دعوت فخر اور مسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ قبول کر لی، جب سلیمان روانہ ہو رہا تھا تو اس کی آنکھیں آب گوں ہو رہی تھیں، اور خود احسان کا یہ حال تھا کہ اگر وہ جلدی سے رومال سے

اسلم نے اُٹھتے ہوئے کہا،

"آپ کی اس نوازش کا شکریہ ———— آدمی دنیا کا ہر کام کر کے پشیمان ہو سکتا ہے، لیکن محبت کر کے کبھی پشیمان نہیں ہو سکتا، ———— شاید آپ یہ نکتہ سمجھ نہیں سکتیں، محبت کا فلسفہ صرف وہی سمجھ سکتا ہے، جو محبت کر رہا ہو، جو محبت کر چکا ہو، آپ شاید اس نعمت سے محروم ہیں!

اسلم نے ایسی روانی سے یہ تقریر کی کہ جمیلہ کچھ جواب نہ دے سکی، حیرت سے اُسے دیکھنے لگی، اور عائشہ کا دل ہی دل میں ہنستے ہنستے اس بے بسی پر بُرا حال ہوا جا رہا تھا!

سرکشی اور طغیانی کے مقابلہ میں شمشیر آبدار تھے، لیکن اب وہ دشمنوں سے دبتے ہیں، اور اپنوں کو آنکھیں دکھاتے ہیں، وہ اسلام کے مخالفوں سے، بدترین مخالفوں سے ان لوگوں سے جو اسلام کا قلع قمع کر دینا چاہتے ہیں مصالحت کرتے ہیں ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں، ان سے پیار و صلح استوار کرتے ہیں لیکن آپس میں لڑتے ہیں ایک دوسرے کا گلا کاٹتے ہیں، ایک دوسرے کا خون بہاتے اور گردن قطع کرتے ہیں، خود مسلمان کے ہاتھ سے مسلمان کی نہ جان محفوظ ہے، نہ مال، نہ آبرو

"تم نے ابھی کہا تھا: یہ مجاہدوں کے دستے ہیں، تم بے وقوف اور سادہ لوح آدمی ہو، اب مجاہد کہاں؟ مجاہدوں کا زور شور نورالدین زنگی کے ساتھ ختم ہو گیا، خدا ان کی تربت عنبرین کرے، جہاد کا ولولہ زنگی کے ساتھ قبر میں دفن ہو گیا، اب کون کرے گا جہاد؟ اب کہاں ہوگا جہاد ——— نہیں بھئی میں نہیں مانتا یہ صرف باتیں ہی باتیں ہیں، کھوکھلی، بے مغز، بے نتیجہ، !"

احسان یہ تقریر کر کے خاموش ہو گیا، عمار نے بھی چپ سادھ لی، آقا کی گفتگو میں دخل اندازی اسے مناسب نہ معلوم ہوتی، تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی، پھر احسان نے پوچھا،

"تم نے پوچھا نہیں یہ کس لشکر کے مجاہد ہیں، اور کہاں جہاد کرنے تشریف لئے جا رہے ہیں ——— ؟"

عمار نے بتایا

"زنگی کے انتقال کے بعد عیسائیوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے ہیں، انہوں نے عہد شکنی، بغاوت، اور سرکشی پر کمر باندھ لی ہے، حرص و ہوس سے مجبور ہو کر وہ

کام نہ لیا تو شاید اس کی آنکھیں آنسو برسانے لگتیں۔

سلیمان وغیرہ کو رخصت کر کے احسان اپنے خیمہ میں آ کر بیٹھ گیا، اس وقت وہ بہت ملول اور افسردہ تھا، عمار بھی ایک گوشہ میں ملول اور دل خستہ بیٹھا تھا، ابھی تھوڑی دیر پہلے تک یہاں کتنی چہل تھی، رونق تھی، آبادی تھی، لیکن مہمانوں کے رخصت ہوتے ہی یہ گلشن ویران نظر آنے لگا،

تھوڑی دیر بعد شور و غل کی آوازیں آنے لگیں، ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی لشکر ادھر سے گذر رہا ہے، احسان نے عمار سے کہا۔

یہ کیسا ہنگامہ ہے، جاؤ ذرا معلوم تو کرو ماجرا کیا ہے؛

عمار باہر گیا، اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا، اس نے کہا۔

"میرے آقا یہ مجاہدوں کے دستے ہیں!"

احسان کے ماتھے پر شکن پڑ گئی، وہ بولا،

"مجاہدوں کے دستے؛ ——— یہ کن مجاہدوں سے لڑنے جا رہے ہیں؛ کیا خود مسلمانوں سے نہیں؛"

پھر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر احسان نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا

آہ بد قسمت مسلمان قوم ——— یہ اس لئے صفحۂ ہستی پر نمودار ہوئی تھی کہ دنیا کو آلائشوں سے پاک کر دے، باطل کا سر کچل دے، اور حق کا بول بالا کر دے، مظلوم کی حمایت کرے، اور ظالم کی کلائی مروڑ دے، لیکن آج کیا یہ کیا مسلمان وہی مسلمان ہیں؛ کیا ان کی زندگی صحیح صحیح وہی ہے جو مسلمان کی ہونی چاہئے پہلے مسلمان آپس میں رحیم و کریم تھے، دشمن کے مقابلہ میں، باطل کے مقابلہ میں

پہنچ چکے ہیں کہ حاجیوں کے قافلے تک محفوظ نہیں ہیں،

احسان :- کیا کہا —————— کیا کہا ؟

عمار :- حاجیوں کے قافلے تک محفوظ نہیں ہیں، ان پر بھی یہ عیسائی حملے کرتے ہیں ان کا مال و متاع لوٹ لیتے ہیں، اور ان کے مردوں اور عورتوں کو لونڈی اور غلام بنا لیتے ہیں،

احسان :- آہ، آہ —————— یہ میں کیا سن رہا ہوں

عمار :- میرے آقا، صرف یہی نہیں، اب تو عیسائیوں کے دم خم کا یہ حال ہے کہ وہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے پروگرام کا علی الاعلان اظہار کر رہے ہیں، اب تک وہ صرف حاجیوں مسافروں اور تاجروں کے قافلے لوٹتے رہے تھے اب تک وہ صرف مسلمانوں کو لونڈی اور غلام بناتے رہے تھے، اور اب وہ مرکز اسلام کی بے حرمتی کا فیصلہ کر چکے ہیں، خدا انہیں غارت کرے،

احسان :- (جوش کے عالم میں) جب تک مسلمان زندہ رہے یہ نہیں ہو سکتا آہ، کیا کوئی مرد مسلمان ایسا نہیں جو میدان میں آئے، اور خدا کے ان دشمنوں کا استیصال کر دے؟

عمار :- میرے آقا وہ مرد مسلمان نمودار ہو چکا ہے، وہ اپنے عساکر قاہرہ لے کر دشمن کی سرکوبی کے لئے بڑھ رہا ہے،

احسان :- (بیتاب ہو کر) کون ہے وہ مرد مسلمان، وہ مرد مجاہد و مرد صالح کون ہے؟ بتاؤ عمار وہ کون ہے؟

عمار :- صلاح الدین ——————

مسلمانوں کے علاقوں پر تاخت و تاراج کر رہے ہیں، جہاں موقع ملتا ہے آگ لگا دیتے ہیں، عمارتیں ڈھا دیتے ہیں، لوگوں کو پکڑ لے جاتے ہیں، لڑکیوں اور عورتوں کو گرفتار کر لیتے ہیں اور پھر انہیں غلام اور لونڈی بنا کر اپنے پاس رکھتے ہیں، ان کی عزت و ناموس پر حملہ کرتے ہیں، اور اب تو ان کا یہ ارادہ ہے کہ اس پورے علاقہ سے مسلمانوں کو نکال باہر کریں،! ———

عمار کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ احسان نے بآواز بلند کہا،

ہاں عمار یہ سب کچھ ہو سکتا ہے مسلمان اب کمزور ہیں، بزدل ہیں، ڈرپوک ہیں مصلحت شناس ہیں، منفعت پرست ہیں، روپیہ، دولت، جاگیر ہی ان کا دین اور ایمان ہے۔ عیش تنعم اور نشاط، یہی ان کا سرمایہ حیات ہے، سیر، شکار، اور مختلف قسم کی بازیاں یہی ان کا شغلہ ہے، کیا ایسی قوم کو زندہ رہنا چاہیئے؟ کیا ایسی قوم زندہ رہنے کا حق رکھتی ہے؟ کیا ایسی قوم کو بھی قدرت نے زندہ رہنے دیا ہے ——— میرے خیال میں وقت آگیا ہے کہ اب یہ قوم ختم ہو جائے، اور خدا کسی دوسری قوم کو بھیجے ——— لیکن عمار تم ابھی کہہ رہے تھے عیسائی مسلمانوں پر بے پناہ مظالم کر رہے ہیں؟

عمار نے جواب دیا۔

"جی ہاں، یہی بات ہے، حد ہو چکی ہے ظلم کی!

احسان:۔ تم نے یہ بھی کہا تھا مسلمان عیسائیوں کے ہاتھوں خواری اور ذلت کی زندگی بسر کرنے لگے ہیں؟

عمار:۔ بجا ارشاد ہوا، میں نے یہ عرض کیا تھا، میرے آقا اب تو حالات یہاں تک

ان بوڑھی ہڈیوں میں وہ دم خم ہے، جو آج کل کے جوانوں میں نہیں، دیکھ لینا میدانِ جہاد میں احسان کسی سے پیچھے نہیں رہے گا،

عمار :- بے شک، بے شک، کیا میں نے اپنے آقا کو دادِ شجاعت دیتے بارہا خود اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے؟

احسان :- پھر تم لیکن لیکن کہہ کر میرے ارادہ اور عزم کو متزلزل کرنے کی ناکام کوشش کیوں کر رہے تھے؟

عمار :- میرے آقا، میرا مطلب کچھ اور تھا،

احسان :- تو کہہ ڈالو اسے بھی ——— کیا کہنا چاہتے ہو تم،

عمار :- ابھی جہاد آپ پر فرض نہیں ہے۔

احسان :- (بگڑ کر) کیا کہا ابھی جہاد مجھ پر فرض نہیں ہے ——— کیا میں بچہ ہوں؟ آخر تم نے مجھے سمجھا کیا ہے؟

عمار :- آپ میرے آقا ہیں، آپ مردِ بزرگ ہیں، جہاد کا میدان آپ کا انتظار کر رہا ہے ———

احسان :- اور پھر بھی مجھ پر جہاد ابھی فرض نہیں ہے ——— کیا تم مجھے غریب اور بے مایہ سمجھتے ہو، یا کیا میرے پاس دولت نہیں؟

عمار :- ہے میرے آقا،

احسان :- کیا میرے پاس سلاح جنگ کا پورا توشہ خانہ موجود نہیں؟

عمار :- بے شک ہے، میں خود ہی تو اس کا رکھوالا اور نگہبان ہوں،

احسان :- کیا میرے پاس بہترین گھوڑے اور بہترین سانڈنیاں موجود نہیں؟

احسان :- صلاح الدین ——— نورالدین زنگی کا پروردہ، اس کا وزیر، اس کا مشیر
بہادر، یکتا، بے ہمتا، صالح پارسا، باایمان، ——— کیا تم اس
صلاح الدین کا ذکر کر رہے ہو کیوں عمار ؟

عمار :- جی ہاں میرے آقا، میں اس کا ذکر کر رہا ہوں،

احسان :- (جوشِ مسرت سے بے تاب ہو کر) بس تو اب مسلمانوں کے دن پھر گئے، اب دشمن کو شکست ہو گی، اب ایک مرتبہ پھر باطل سرنگوں ہو گا اور حق سربلند، ایک مرتبہ پھر اللہ کا کلمہ اونچا ہو گا، اور دشمنانِ خدا کی زبانیں گنگ ہو جائیں گی، ایک مرتبہ پھر عدل وانصاف کا ڈنکا بجے گا، اور ظلم وسفاکی کو روپوش ہونا پڑے گا،

عمار :- بے شک میرے آقا ایسا ہی ہو گا،

احسان :- (کچھ سوچتے ہوئے) لیکن تمہیں کچھ مغالطہ تو نہیں ہوا ہے، صلاح الدین تو مصر میں تھا وہ یہاں شام میں کیسے آ گیا ؟

عمار :- آ گیا۔

احسان :- بس تو مجھے اپنی زندگی کا مقصد مل گیا، میں نے اپنی زندگی کا مقصد پا لیا، سامان تیار کرو، میں بھی جہاد میں شرکت کروں گا !

عمار :- (حیرت سے) میرے آقا، آپ !

احسان :- (ہاں عمار (جوش سے بے خود ہو کر) میری یہ سفید داڑھی سرخ خون کا خضاب لگائے گی ۔

عمار :- لیکن ——— لیکن میرے آقا،

احسان :- لیکن ویکن کچھ نہیں، تم مجھے بڑھا سمجھتے ہو، ہاں میں بوڑھا ہوں، لیکن میری

شادی بغیر اس کی مرضی کے نہیں ہو سکتی ،

احسان :۔ تمہارا مطلب ہے کہ عائشہ کسی سے محبت کرتی ہے ؟

عمار :۔ جی ہاں ——— اسلم سے ، اسلم بھی اس سے محبت کرتا ہے ، دونوں ایک دوسرے کو دل وجان سے چاہتے ہیں ، شادی ایک مقدس فریضہ ہے جلد بازی سے کام لے کر اُسے غیر مقدس نہ بنائیے میرے آقا !

احسان :۔ (فکر مند لہجہ میں) پھر کیا ہونا چاہیئے ؟

عمار :۔ شادی ——— اس کے بعد آپ میدانِ جہاد کی طرف رُخ کیجئے اور آپ کا یہ غلام ہم رکاب ہو گا ،

احسان :۔ تمہارے بغیر میں کیسے جا سکتا ہوں ؟ تم میرے دست وبازو ہو لیکن اس گتھی کو کسی طرح سلجھاؤ ،

عمار :۔ (مطمئن لہجہ میں) سلجھ جائے گی ———

احسان :۔ کس طرح ؟ کیونکر ؟

عمار :۔ اسے میرے اوپر چھوڑ دیجئے ،

احسان :۔ کیا کرو گے تم ؟

عمار :۔ کل ہی میں یہاں سے روانہ ہوتا ہوں ، شیخ سلیمان سے گفتگو کروں گا ، اسلم خود دل وجان سے یہی چاہتا ہے ، وہ پشت پناہی کرے گا ، انشاءاللہ اسے اپنے ہمراہ لے کر آؤں گا ، اور عائشہ سے رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دوں گا ،

احسان :۔ لیکن جبرئیل ؟ ——— ضرور دخل اندازی کرے گا ،

عمار :۔ میرے پاس اس کا علاج بھی موجود ہے ، وہ علاج زبان سے بھی ممکن ہے

عمار :- یہ سب کچھ ہے آپ کے پاس میرے آقا ،

احسان :- پھر کون چیز میرے عزم جہاد میں مانع ہو سکتی ہے ؟

عمار :- (سنجیدگی کے ساتھ فیصلہ کن انداز میں) عائشہ ——————— !

احسان :- (چونک کر) کیا کہا عائشہ ؟ ——————— عائشہ ؟

عمار :- جی ہاں میرے آقا ، آپ جہاد پر تشریف لے جائیں گے مگر عائشہ کیا کرے گی؟ وہ جوان لڑکی ہے ، جب تک وہ اپنے گھر کی نہ ہو جائے ، جب تک اس کا عقد نہ ہو جائے آپ جہاد پر نہیں جا سکتے ، یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے اس سے عہدہ برآ ہوئے بغیر آپ کچھ نہیں کر سکتے حتیٰ کہ جہاد بھی نہیں کر سکتے

———————

احسان :- (مغموم لہجہ میں) عائشہ ——————— جب تک اس کی شادی نہ ہو جائے میں کچھ نہیں کر سکتا حتیٰ کہ جہاد بھی نہیں ———————

عمار :- جی ہاں ، میں نے یہی عرض کیا تھا ،

احسان :- (جوش اور بے خودی کے عالم میں) تو عائشہ میرے لئے سنگ راہ بنے گی؟ ——————— نہیں میں ایسا نہیں ہونے دوں گا ، جاؤ قبیلہ کے کسی نوجوان کو پکڑ لاؤ ، میں ابھی اس کے ساتھ عائشہ کی شادی کئے دیتا ہوں ، اور پھر فوراً جہاد پر روانہ ہو جاؤں گا ، !

عمار :- یہ کیسے ہو سکتا ہے میرے آقا ؟

احسان :- کیوں نہیں ہو سکتا اس میں کیا قباحت ہے ؟

عمار :- عائشہ ایک خودار لڑکی ہے ، خود شناس اور بہادر لڑکی ہے ، عاقل و بالغ

نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبیؒ

صلاح الدین نورالدین زنگی کا پروردہ تھا، اور یہ نورالدین کوئی معمولی آدمی نہ تھا، اپنے وقت کا پارسا، عالم، عابد اور صالح فرمانروا، لیکن زندگی کس کا ساتھ دیتی ہے؛ اجل سے کون محفوظ رہا ہے؛ موت جس بے تکلفی سے کسی فقیر کے جھونپڑے میں داخل ہوتی ہے، اسی آسانی سے بڑے بڑے تاج اور کشور کشا اور فرماں روا کے قصر عالی شان میں بھی پہنچ جاتی ہے، جب تک وہ زندہ رہا اس کے نام سے دشمن کانپتے رہے، اس لئے جس بہادری، استقامت، حوصلہ اور عزم کے ساتھ عیسائیوں کے لشکروں کا مقابلہ کیا، وہ اسی کا حصہ تھا، ساری دنیا سے اور خاص طور پر یورپ کے ہر حصے سے، انگلستان سے، فرانس سے، اٹلی سے، جرمنی سے، بلجیم سے، آسٹریا سے، عیسائی جاں بازوں کے لشکر، شام پر قبضہ کرنے اور بیت المقدس کو چھین لینے، اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے آ رہے تھے، دوسرے مسلمان فرماں روا مست مئے عیش تھے لیکن یہ من چلا، سرفروش اور بہادر نورالدین، سچے معنوں میں دین کا نور اور اجالا بنا ہوا تھا، اس کی تلوار کفر کے اندھیرے میں اس طرح چمکتی تھی، جیسے شب تار میں بجلی چمک

تلوار سے بھی، اور سیم وزر سے بھی، وہ حریص اور لالچی آدمی ہے، مخلص اور صداقت شعار نہیں، اسے بڑی آسانی کے ساتھ راستہ سے ہٹایا جاسکتا ہے،!

احسان خاموش ہو گیا، گویا اس نے عمار کو اجازت دے دی کہ اس مرحلہ کو جس طرح چاہے اتمام تک پہنچائے،!

اور اس وقت تک دم نہ لیا، جب تک شکست فاش نہ دے لی،

لیکن ایک دن نورالدین مر گیا، اور شام کی مسندِ حکومت خالی ہو گئی،

نورالدین بادشاہ شام کے مرنے کی خبر مسلمانوں میں اس طرح پہنچی، جیسے آسمان سے بجلی گرے۔ کسی کو گمان تک نہ تھا کہ سلطان قضا کر جائے گا۔ ۶ مئی ۱۱۷۴ء کو گھوڑے پر سوار ایک مصاحب سے اپنے معمول حکیمانہ انداز میں زندگی کی بے ثباتی پر گفتگو کرتا نظر آیا تھا اور ۱۵ مئی کو چھپن ۵۶ برس کی عمر میں مرض خناق میں مبتلا ہو کر فوت ہو گیا، سلطان ملک شاہ سلجوقی کے بعد جتنے حکمران تھے، ان سب میں جس قدر ادب و تعظیم کے ساتھ مسلمانوں نے نورالدین محمود کو یاد کیا ہے کسی دوسرے بادشاہ کو نہیں کیا۔ رعایا میں وہ نیکی اور حسنِ اخلاق کا نمونہ سمجھا جاتا تھا۔ زہد و ورع کی مجسم تصویر تھا۔ یا یہ سمجھیے کہ دوسرا عمر بن عبدالعزیز تھا۔ پابند صوم و صلوٰۃ اور عادل اور مہربان بادشاہ ایسا دوسرا نہ ہوا تھا۔ صلیبی مجاہدین تک اس کی صولت و حشمت کے قائل تھے، چنانچہ ولیم صوری نے اس کی نسبت لکھا ہے کہ گو ہم میں اور اس میں قوم اور مذہب کا اختلاف تھا، مگر نورالدین ایک عادل بادشاہ تھا، دانشمند اور پکا دیندار تھا۔ گو عیسائیوں پر وہ بہت سخت تھا، مگر عدل وہ صفت تھی، جس کی قدر و قیمت اس کے دل میں خدا کے بعد تھی۔ اس کی رعایا میں سے اگر کوئی شخص اُسے قاضی کے سامنے عدالت میں طلب کرتا تو وہ حاضر ہو جاتا اور قاضی سے اصرار کرتا کہ اس کے اعلیٰ مرتبہ کے خیال سے کوئی رعایت اس کے ساتھ نہ کرے۔

چنگی اور عشر و دوسرے محصول اپنی قلمرو میں اس نے بند کر دیئے تھے، سادگی اور کفایت شعاری کے ساتھ اپنی ذاتی آمدنی پر بسر اوقات کرتا۔ بیت المال کے روپیہ کو ہاتھ تک نہ لگاتا، ایک مرتبہ جب اس کی بیوی نے افلاس کی شکایت کی اور نورالدین

جاتی ہے، اس کے وسائل کم تھے، دولت کم تھی، سپاہی کم تھے، لیکن عزم و حوصلہ
شجاعت و دلیری اور جوش و خروش کی کمی نہ تھی، اس نے ہر معرکہ سر کیا، اس نے
ہر جنگ میں فتح حاصل کی، بڑے بڑے دشمنوں کو اس نے نیچا دکھایا، عیسائیوں کے
ٹڈی دل لشکروں کو اس نے کاٹ کر پھینک دیا، وہ جب عیسائیوں کے بڑے بڑے
لشکروں کو شکست فاش دیتا تھا تو اسیرانِ جنگ کی کثرت سے اندازہ ہوتا تھا کہ
شاید دشمنوں کے سارے لشکرِ عظیم نے رضا کارانہ طور پر گرفتاری قبول کر لی ہے، اور
جب میدانِ جنگ کی لاشوں پر نظر جاتی تھی تو ایسا معلوم ہوتا جیسے دشمن کا سارا لشکرِ عظیم
مولی گاجر کی طرح کاٹ کر رکھ دیا گیا ہے،

نورالدین نہ شہنشاہوں سے ڈرتا تھا، نہ کشورکشاؤں سے، وہ صرف خدا سے ڈرتا
تھا، اس کی حکومت کی بنیاد ذاتی جاہ و جلال کے لئے نہ تھی، اس لئے سعی تھی کہ مسلمان متحد ہو
مضبوط ہوں، دشمن انہیں کبھی اور کسی حالت میں بھی لقمۂ تر سمجھ کر ہضم نہ کر سکے،
وہ جب تک زندہ رہا، جہاد کرتا رہا، اس نے اسلام کی تاریخ میں ایک نئی شاندا
اور یادگار مثال قائم کر دی، جو کام بڑے بڑے خلفاء سے، بڑے بڑے سلاطین سے،
وقت کے بڑے بڑے فرماں رواؤں سے انجام نہ پا سکا وہ نورالدین نے اپنی کم مائگی
اور بے بضاعتی کے باوجود انجام دے لیا، اگر نورالدین میدانِ جنگ میں نہ آیا ہوتا تو
مصر، شام، عراق اور دوسرے تمام اسلامی مراکز پر عیسائیوں کا قبضہ ہو جاتا،
مجاہد مسلمانوں کا وجود حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دیتے، لیکن وہ نورالدین
جس نے نامساعد حالات کے باوجود دنیا کی ہر طاقت سے ٹکر لی، ہر عیسائی بادشا
لڑا، بڑے سے بڑے عیسائی لشکر کا، بہادری، تہور اور شجاعت کے ساتھ مقابلہ

ممالک کی قوت میں ایک رکاوٹ پیدا ہو گئی، اور بیشتر اس سے کہ کوئی بڑا منصوبہ سوچے نورالدین کو خود اپنی قوتِ بازو سے ایک سلطنت بنانی پڑی، اور اس سلطنت کو مشرق اور مغرب دونوں سمتوں میں محفوظ کرنا پڑا اس کی یہی مصروفیت تھی کہ مسیحی سلطنت یروشلم کو کچھ دن سلامتی نصیب رہی۔ نورالدین کو شروع کی لڑائیاں جو صلیبیوں سے لڑنی پڑیں وہ ایک قسم کے لوٹ مار کے معرکے تھے لیکن جب ۱۱۵۴ء میں وہ دمشق پر قابض ہو گیا اور پھر باقی ملک شام کو فتح کرتا رہا تو اس زمانے میں اس کی توجہ زیادہ تر مصر کی طرف مبذول رہی۔ اس درمیان میں اکثر یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ وہ افرنجیوں سے چھوٹی چھوٹی معرکہ آرائیوں میں مصروف ہے، غرض یہ تھی کہ انہیں اپنے قریب نہ آنے دے۔ اس میں شک نہیں کہ اس نے عیسائیوں سے قلعہ حارم اور بانیاس کو فتح کر لیا تھا اور شمال میں مرعش تک اپنا سکہ بٹھا دیا تھا، بہر کیف اپنے انتقال سے کچھ دن پہلے وہ لڑائیوں میں زیادہ کوشش کا ارادہ رکھتا تھا، جب نورالدین کا بھائی سیف الدین اتابک موصل ۱۱۷۰ء میں فوت ہو گیا تو اس نے عراق کو اپنا محکوم کر لیا تھا۔ اور گو سیف الدین کے فرزند کو برائے نام تخت موصل کا مالک بنائے رکھا۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ جزیرہ اور دیار بکر اور دمشق اس کا ماتحت ہو چکا تھا۔ اس طرف سے جب کسی خدشہ کا احتمال نہ رہا اور فوجیں بھرتی کرنے کے لئے سلطنت بھی پہلے سے زیادہ وسیع ہو گئی، تو پھر اس غرض سے فوجیں جمع کرنے لگا کہ صلاح الدین کو بڑوں کا ادب معقول طریقہ سے کرنا سکھائے۔ لیکن اتنے میں پیغام اجل آ پہنچا۔ اور کل منصوبے یونہی کے یونہی رہ گئے، اور رہی یہ بات کہ اس میں نورالدین کو کامیابی ہوتی اور صلاح الدین کو معزول کرنے کے بعد وہ مصر اور شام کی متحدہ فوجوں کے ساتھ افرنجیوں سے لڑتا اور انہیں ارض مقدس سے خارج کر دیتا

نے حمص میں اپنی تین دوکانیں جن کی سالانہ آمدنی بیس [20] دینار تھی اسے ہبہ کرنی چاہیں
اور بیوی نے انہیں قبول نہ کیا تو بگڑ کر بیوی سے کہنے لگا: "میرے پاس اس سے
زیادہ کچھ نہیں ہے۔ باقی جو کچھ ہے وہ میرا اپنا نہیں ہے بلکہ رعایا کی امانت ہے"۔ اور
اسی امانت کا خیال کرکے اس نے شہروں میں اہل شہر کی حفاظت کے لئے قلعے تعمیر
کئے۔ مدارس اور دارالعلوم، خانقاہیں، بیمارستان (ہسپتال)، کارواں سرائیں رعایا
کی جسمانی اور روحانی فلاح کے لئے بنوائیں، علماء اور مشائخ کی صحبت میں جو لطف اسے
حاصل ہوتا تھا وہ کسی اور کو نہ ہوتا تھا۔ دین کے جملہ احکام کا جیسا وہ پابند تھا،
دوسرا نہ تھا۔ اس کی سنجیدہ اور متین آنکھوں کا پرسکوت عالم، بارعب پیشانی اور گندم
رنگ میں ایک گھلاوٹ پیدا کرتا تھا۔ چہرہ تقریباً بے ریش تھا، اس میں ایک سچے
مشرقی شریف انسان کا انداز خودداری اور صدق وصفا پایا جاتا تھا۔ جہاں کہیں وہ
ہوتا خاموشی اور سکوت طاری رہتا۔

نورالدین کی عظمت و بزرگی اس کی فتوحات سے اتنی پیدا نہیں ہوئی جس قدر
کہ اس کے حسن انتظام سے ظاہر ہوتی، اس کے ساتھ وہ ایک جری اور دلیر مرد
بھی تھا۔ شہسواری میں بے مثل اور لڑائی میں سب سے آگے ہو کر لڑنے کو تیار رہتا
اس نے اپنے جاگیرداروں سے فوجوں کے حاصل کرنے کا انتظام نہایت ہوشیاری سے
کیا تھا۔ اپنے سپاہیوں کو جاگیریں دیں انہیں موروثی کر دیا اور ایک کتاب ایسی
کی جس سے فوراً معلوم ہو جاتا تھا کہ کس جاگیردار کو طلبی پر کس قدر فوج مہیا کرنی
ہے۔ شروع ہی سے یعنی اس وقت سے جبکہ اس کے باپ عماد الدین زنگی شہید کی
تقسیم ہوئی اور اس نے اپنے بڑے بھائی سیف الدین زنگی کا حسد اور رشک دیکھا

کے تعلقات تھے۔ اور جس کا باپ صلاح الدین کا آقا اور سرپرست رہ چکا تھا۔ شام کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ جو کچھ صلاح الدین نے کیا اس کے سوا دوسرا چارہ نہ تھا اور نہ پھر یہ دیکھنا پڑتا کہ وہ سلطنت جسے عماد الدین زنگی اور اس کے فرزند نورالدین نے بڑی محنت اور جانفشانی سے قائم کیا تھا پارہ پارہ ہو کر یا تو ایسے امیروں میں تقسیم ہو جاتی جو باہم حریف اور دشمن تھے یا عیسائیوں کا اس پر قبضہ ہو جاتا۔ بدانتظامی اور بدنظمی ہر طرف پھیل رہی تھی۔ سلطان نورالدین کے فرزند الصالح اسمٰعیل کے چچا کا بیٹا۔ یعنی آتابک موصل اسمٰعیل کی اطاعت سے نہ صرف سرتابی کر چکا تھا بلکہ وہ الرہا کے علاقہ پر اور دیگر صوبجات شام پر قابض و متصرف بھی ہو گیا تھا۔ اور جس امیر کی سپردگی میں حلب تھا وہ ان لوگوں کا حامی دشمن ہو رہا تھا جو دمشق میں الصالح اسمٰعیل کے دربار میں پیش پیش تھے۔ شام کے اکثر بڑے بڑے جاگیرداروں نے خودمختاری اختیار کی تھی گویا اسلام کا آج کل شام میں کوئی سردار باقی نہ رہا تھا۔ اور اگر افرنجی خود ہی خراب نہ ہوتے تو پھر زنگی کی سلطنت کے اجزا کا جان کے حق میں آتا وہ حال کرتے۔

اس خراب حالت میں چونکہ صلاح الدین سلطان نورالدین کے سرداروں میں سب سے بڑا سردار تھا۔ اس لئے قدرتی طور پر اپنے آقائے سابق کے فرزند کو اس کے فائدہ کے لئے امداد کے وعدے اور اس کی بھلائی کے لئے نیک نصیحتیں کرنے لگا۔ مگر یہ نصیحتیں رفتہ رفتہ حکم اور فرمان معلوم ہونے لگیں۔ باوجودیکہ جو کچھ الصالح اسمٰعیل کو وہ لکھتا تھا اس میں سب سے ادب اور تعظیم کو ملحوظ رکھتا تھا۔ صلاح الدین نے ایک سفیر الصالح اسمٰعیل ابن نورالدین کے پاس اس غرض سے روانہ کیا کہ وہ الصالح کو صلاح الدین کی خیر خواہی کا یقین دلائے۔ اور حکم دیا کہ خطبہ میں سلطان نورالدین کے فرزند الصالح اسمٰعیل کا نام پڑھا

قیاسی باتیں ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ عیسائی نورالدین کی محتاط حکمت عملی سے اتنے
خائف نہ تھے جس قدر اس کے جانشین (صلاح الدین) کے جوش و خروش سے ڈرتے تھے۔

نورالدین کے مرنے پر صلاح الدین بغداد اور قسطنطنیہ کے درمیان سب سے بڑا حکمران
ہو گیا۔ سلطان نورالدین کا وارث اس کا فرزند الصالح اسمٰعیل تھا، اس کی عمر اس وقت گیارہ
برس کی تھی۔ جن لوگوں کی تولیت میں یہ نابالغ دیا گیا انہوں نے اسے پر کی گیند بنا
رکھا تھا۔ عراق میں عمادالدین زنگی کی اولاد کی سلطنت مختلف حاسد فرقوں میں تقسیم
ہو گئی تھی، جولائی کے مہینے میں جب یروشلم کا بادشاہ امال رک مرا ہے تو الفرانی لاطینی
سلطنت کی موت کا گھنٹہ بھی بج گیا۔ امال رک کی سلطنت اس کے فرزند بالدون کو پہنچی
مگر یہ تیرہ برس کا لڑکا تھا اور مرض جذام میں مبتلا تھا۔ عیسائی امیر طرابلس ریمنڈ وارث
کے نابالغ ہونے کی وجہ سے بادشاہی مسند پر بیٹھا۔ غرض دمشق میں الصالح اسمٰعیل اور یروشلم
میں بالدون حاسد اور جاہ پرست مشیروں کے سپرد ہو گئے۔ ایسی صورت میں وہ ایک شدید الجو
حملہ آور کے مقابلہ میں کوئی بڑی مزاحمت کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ بالخصوص اس حالت میں
جبکہ اس حملہ آور کے پاس ایک زبردست اور آزمودہ کار لشکر بھی موجود ہو محض جب
بہت لوگوں کو ایسی حالت میں جیسے کہ صلاح الدین اس وقت رکھتا تھا اس طرف راغب کرتی
کہ وہ اپنے ہمسایوں کی کمزوری سے نفع اٹھائیں لیکن صلاح الدین کی نسبت ایسا خیال
کرنا تاریخ کو غلط پڑھنے کے برابر ہوگا۔ جب تک صلاح الدین یہ نہ سمجھ لیتا کہ مسلمانوں
کے عام فوائد بالخصوص ان کے دین کی حفاظت کے لئے اسے دخل دینے کی ضرورت پیش
ہے۔ اس وقت تک وہ اپنی سلطنت کو بڑھانے میں تامل ہی کرتا رہتا اور ایک ایسے
شخص کو نقصان پہنچا کر اپنا نفع مرتب کرنے کی ہوس نہ ہوتی جس سے زندگی بھر

ان امیروں نے بھی کافروں سے ویسا ہی میل ملاپ کر لیا جیسا کہ اس نے کیا تھا۔

لیکن جب اگست کے مہینے میں اس نابالغ الصالح اسمٰعیل کو دمشق سے حلب بھیج دیا گیا۔ تو اُمرائے دمشق کو ایک اور سخت خطرہ لاحق ہوا۔ اور وہ یہ تھا کہ نور الدین کے فوجی سرداروں میں جو سب سے زبردست اور پرانا سردار تھا وہ اس وقت حلب کا حاکم تھا۔ اس نے صالح کی نگہداشت اپنے ذمہ لی۔ اور اب ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جتنے حریف اس کے پیدا ہو گئے ہیں ان سب کو وہ پامال کر ڈالے گا۔ اور یہ پامالی پہلے دمشق سے شروع کی جائے گی۔ جب یہ صورت پیش آئی تو پہلے تو ان امیروں نے اتابک موصل (سیف الدین غازی) سے فریاد کی کہ وہ ان کی امداد کو آئے۔ جب سیف الدین غازی متوجہ نہ ہوا اور اس نے انکار کر دیا تو انہوں نے صلاح الدین کو بلوانا چاہا۔ صلاح الدین پہلے ہی تیار بیٹھا تھا۔ تقاضا کی ضرورت بھی نہ ہوئی۔ اور وہ سات سو منتخب سواروں کو ساتھ لے کر بیعا صحراؤں سے ہوتا ہوا دمشق کے قصد سے چل پڑا۔ اور جب اس کا گذر افرنجیوں کی سرحد سے ہوا تو تقدیر پر بھروسہ کیا اور صحرا سے صحیح سلامت دمشق کی طرف نکل گیا۔ جب دمشق میں داخل ہوا تو لوگوں نے خوشی کے نعرے لگائے۔ یہاں وہ اپنے باپ ایوب کے پرانے مکان میں ٹھہرا۔ پھر شہر کے قلعہ دار نے اپنے دروازے اس کے لئے کھول دیئے۔ یہ واقعہ ۲۷ نومبر کو پیش آیا۔ اس کے بعد قصر دمشق میں صلاح الدین نے مسند جمائی اور لوگ سلام اور اطاعت کا حلف لینے آئے۔ الصالح اسمٰعیل ابن نور الدین نے شاہی خزانے لوگوں کو انعام واکرام دیئے۔ اور ان کی زبان سے اپنی تعریفیں سنیں۔ یہ کریم امر نے شام کے موجودہ بادشاہ یعنی الصالح اسمٰعیل کی طرف سے کئے تھے۔ جس کا مملوک وہ اپنے آپ کو اب تک کہا کرتا تھا۔ اور جس کی بادشاہی کو اس کا نام خطبوں

جایا کرے، اور مصر کے سکہ پر بھی یہی نام مضروب ہو۔ اس نے امراء دمشق کو ایک تحریر بھیجی جس میں انہیں ان کے رشک و عداوت پر ملامت کی۔

اس تحریر میں صلاح الدین نے امراء دمشق کو لکھا کہ نورالدین تم میں سے کسی کو بھی اگر میری جگہ کے لائق سمجھتا یا جتنا اعتبار اس کو میرا تھا تم میں سے کسی کے اوپر ہوتا تو پھر اسی کو وہ مصر کی سلطنت سپرد کر دیتا، اگر موت مانع نہ ہو جاتی تو وہ اپنی سب سے بڑی دولت کی حفاظت میرے سپرد کرتا یعنی اپنے فرزند کی تعلیم و تربیت اور اس کی تولیت لیکن اب میں اپنے نقصان کے ساتھ دیکھ رہا ہوں کہ تم نے خود میرے آقا ابن آقا کی نگہداشت اپنے ذمہ کر لی ہے اور اس کے ولی بن بیٹھے ہو۔ میں حلفِ اطاعت لینے آقا کی خدمت میں حاضر ہوں گا، اور جو فوائد مجھے آقا کے باپ سے پہنچے ہیں ان کا بدلہ ایسی خدمت سے دوں گا جو ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ اور پھر میں تم میں سے ہر ایک کے ساتھ وہ سلوک کروں گا جو اس کے کام کے مطابق ہو گا خاص کر اس عدم توجہی کا خیال کروں گا جو بادشاہ کی سلطنت کو دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے بارے میں کی گئی ہے۔

دمشق کی مجلس وزراء چپ بیٹھی یہی نہ دیکھا کی کہ اتابک موصل سیف الدین غازی کس طرح شام کے شہروں کو لوٹ رہا ہے بلکہ افرنجیوں کو روپیہ دے کر ان کو راضی کیا یہ بات ایسی تھی جو صلاح الدین کو جلا کر خاک کر دینے والی اور ان امیروں کی طرف سے بے حد نفرت پیدا کرنے والی تھی، امرائے دمشق دونوں طرف کے ہمسایوں سے خائف رہتے تھے۔ ایک طرف تو اتابک موصل یعنی سیف الدین غازی تھا۔ اور دوسری جانب مصر کا مالک صلاح الدین تھا۔ ان دونوں سے محفوظ رہنے کے لئے امرائے دمشق نے بھی وہی حرکت کی جو عماد الدین زنگی سے محفوظ رہنے کے لئے وزیر دمشق معین الدین نے کی تھی۔

حاکم حلب گمشتگین جو وزیر بھی تھا اس کی ہرگز نیت نہ تھی کہ وہ ایسے زبردست زواڈ کے سپرد اپنے اختیارات کر دے۔ پس اس نے اسی دن قلعہ کا دروازہ بند کرا دیا تاکہ یہ مہمان وہاں داخل نہ ہو سکے۔ ۳۰ دسمبر کو صلاح الدین نے الشہبہ کا محاصرہ شروع کر دیا۔ اور وجہ اس محاصرہ کی یہ بتائی کہ وہ اپنے آقا اور بادشاہ کو برے صلاح کار دل اور مشیروں کے پنجے سے چھڑانے آیا ہے۔ مگر الصالح اسمٰعیل اپنے اس چھڑانے والے سے بھی ایسا ہی ڈرتا تھا جیسے کہ وہ گمشتگین والیٔ حلب سے خائف رہتا تھا۔ چنانچہ اسمٰعیل قصر سے نکلا اور اپنی رعایا سے رحم کی درخواست کی۔ اب ایک جم انبوہ اس کے گرد جمع ہو گیا۔ اور اس لڑکے نے کچھ ایسے درد اور تکلیف کے ساتھ آنکھوں میں آنسو لا کر فریاد کی کہ مجھے تم ہرگز اس نمک حرام کے سپرد نہ کرنا جس نے میرے باپ کے مقبوضات اور میری میراث پر تصرف کر رکھا ہے۔ حاضرین کے دل اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے ہمت سے کام لیا اور قلعے سے باہر نکل کر محاصرہ کرنے والوں پر بار بار ایسے سخت حملے کئے کہ صلاح الدین کو تردد پیدا ہو گیا۔[۱]

---

[۱] صلاح الدین (لین پول)

میں پڑھوا کر اور سکّوں میں مضروب کرا کے تسلیم کرتا تھا۔

اپنے بھائی طغتگین کو شہر دمشق کی مسندِ حکومت دے کر صلاح الدین فوراً اُن شہروں کی طرف متوجہ ہوا جو دراصل سلطان نورالدین مرحوم کے تھے۔ لیکن اب اُن پر وہاں کے حاکم اور ولی خود مختار بن بیٹھے تھے۔ زمانہ سخت جاڑے کا تھا، سردی تند تھی اور برف ان بلند پہاڑی علاقوں میں بہت گرا تھا۔ لیکن اُس کا کام ایسا تھا جس میں تاخیر مطلق گوارا نہ تھی، سرسبز اور پُرفضا البقاع یعنی نہر لیطہ کی شاداب اور ہری بھری وادی سے گزرتا ہوا ۹ دسمبر کو حمص کے متمول شہر میں وارد ہوا، یہ وہ شہر تھا جہاں قیصر روما اوریلیان کو تدمور کی ملکہ زنوبیہ (زینب) پر فتح ہوئی تھی۔ اور قیصر نے فتح کی خوشی میں دیوتاؤں پر قربانیاں چڑھائی تھیں اور پھر حمص کے قلعہ سے بچ کر جو دشمن کا مقابلہ کرنے میں نہایت مضبوط تھا۔ صلاح الدین دریائے عاصی کی شاداب وادی میں اُتر کر وہاں آیا، جہاں پانی کھینچنے کے بہت سے دولاب اور چرخ چل رہے تھے یعنی شہر حماۃ میں پہنچا۔ یہ وہی شہر تھا جس کا یونانی نام اپی فانیا تھا اور جہاں بہادر ملکہ تدمور کو اپنے تخت اور آزادی سے محروم ہونا پڑا تھا۔ صلاح الدین کے پہنچتے ہی حماۃ نے اپنے دروازے کھول دیئے اور قلعہ شہر نے بھی ایسا ہی کیا یہی متوقع تھا کہ صلاح الدین نے قسم کھا کر کہا کہ وہ سلطان الصالح اسمٰعیل کا غلام ہے اور اسی کی طرف سے یہاں آیا ہے۔ حماۃ سے چل کر صلاح الدین حلب میں وارد ہوا۔

حلب کے قلعہ کو اشہبہ کہتے تھے یہ قلعہ ایک گول اٹھی ہوئی پہاڑی پر واقع تھا۔ پہاڑی ارد گرد کی ہموار سطح سے بہت بلند تھی، یہ پہاڑی اور اس پر قلعہ حسن زیبائی کی عروس معلوم ہوتا تھا، اسی قلعہ میں اس کا برائے نام بادشاہ الصالح اسمٰعیل رہتا تھا

صلاح الدین

حالات بد سے بد تر ہوتے گئے ادھر زنگی خاندان کے افراد قوم، ملت اور مذہب سے زیادہ اپنے ذاتی مفاد کے لئے بر سرِ پیکار رہتے، امیر اور سردار اور جاگیردار، قوم کو فراموش کئے ہوئے تھے اور صرف اپنی سربلندی، اپنی منفعت، اور اپنے نام و نمود کے لئے مصروف سعی و عمل تھے، حتیٰ کہ اگر مصلحت دیکھتے تو دشمنوں تک سے ساز باز کر لیتے اسلام کے مخالفوں تک سے یارانہ گانٹھتے اور بد ترین اعدائے اسلام صلیبی مجاہدوں تک سے صلح و سلام کے تعلقات کر لیتے محض اس لئے کہ یہ خانہ جنگی کے لئے آزاد رہیں، البعض اس لئے کہ ان کے اقتدار اور جاہ و جلال میں فرق نہ آئے محض اس لئے کہ ان کا لقمۂ تر ان سے نہ چھنے، انہیں نہ اسلام کی پرواہ تھی، نہ مسلمانوں کی، نہ قوم کی، نہ مذہب کی، یہ صرف اپنا بھلا چاہتے تھے، صرف اپنے لئے مصروف جہد و عمل رہتے تھے،

اگر حالات یہ نہ ہوتے، نور الدین زنگی نے جو کام احیاءِ اسلام کا شروع کیا تھا وہ جاری رہتا، جہاد کا سلسلہ نہ ٹوٹنے پاتا، اور دشمن کی سرکوبی کا سلسلہ قائم رہتا، اور ملت کے لئے مسلمانوں کی گردنیں نہ کٹ رہی ہوتیں، خانہ جنگیوں کے سلسلہ میں پانی کی طرح

مسلمانوں کا خون نہ بہایا جا رہا ہوتا، تو صلاح الدین کو اپنی حد سے قدم باہر نکالنے کی ضرورت نہ تھی، وہ قانع متوکل اور جاہ و جلال کی خواہش نہ رکھنے والا انسان تھا وہ اپنے آقا (نور الدین) کا وفادار اور جاں نثار تھا، ایک سپاہی کی حیثیت سے میدان جنگ میں تلوار کے جوہر دکھانے میں اُسے جو لطف آتا تھا، وہ ایک فرماں روا کی حیثیت سے مسندِ شاہی پر متمکن ہونے میں نہیں آتا تھا، وہ حرص و ہوس سے بیگانہ تھا اس کے دل میں کبھی یہ تمنا نہیں پیدا ہوئی کہ سونے چاندی کے انبار جمع کرے، فرماں روائی اور شان و شوکت اور جاہ و جلال حاصل کر لینے کے بعد بھی اس کی زندگی سادگی کا مرقع رہی۔

صلاح الدین اس حقیقت کو اچھی طرح محسوس کر رہا تھا کہ اگر اس نے مسلمانوں کے ڈلے والے خود غرض، اور مفاد پرست طبقوں کو ختم نہ کیا، اگر اس نے ان نام نہاد، اور چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کا چراغ نہ گل کیا، اگر اس نے شام کے اور عراق کے اور مصر کے تمام مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع نہ کیا، تو اس کا انجام بڑا ہولناک ہوگا، مسلمان صفحہ ہستی سے مٹ جائیں گے، یہ مقامات جو اسلامی تہذیب اور ثقافت کا گہوارہ رہے ہیں، عیسائی جاہ و حشم کا مرکز بن جائیں گے، اگر وہ سب کا سربراہ بننا چاہتا تھا تو اپنے لئے نہیں، اپنے خاندان کے لئے نہیں، اپنی آل اولاد کے لئے نہیں عامۃ المسلمین کے لئے مسلمان قوم کے لئے۔

ایک غیر مسلم مورخ لین پول بھی یہی لکھتا ہے۔

اب یہ پہلا موقع تھا کہ صلاح الدین نے خود مختاری اختیار کرنی شروع کی اور اپنی بادشاہی کا اعلان کیا۔ اور الصالح اسمعیل کا نام خطبے اور سکے سے اڑا دیا اور اس سال شام اور مصر کی مساجد میں وہ شام و مصر کا بادشاہ تسلیم کیا گیا، صلاح الدین نے اپنے

سال کے موسم ربیع تک پیش نہ آیا۔ زنگی اور ایوب کے گھرانوں میں جو نزاع شروع ہوئی تھی وہ قرون حماۃ پر صلاح الدین کی فتح کے بعد بھی ختم نہ ہوئی۔ دونوں فریق لڑائی کے لئے فوجیں جمع کرنے لگے۔ سیف الدین غازی اتابک موصل دیار بکر اور جزیرے کے علاقوں میں فوجیں بھرتی کر رہا تھا۔ ۱۱۷۶ء کے موسم بہار میں وہ ان فوجوں کے لئے بیرا کے مقام سے دریائے فرات اترا۔ سیف الدین غازی کی فوج کی تعداد چھ ہزار تھی، اس میں اضافہ اس وقت ہوا جبکہ حلب سے آنے والی صالح کی فوج سیف الدین نے اپنے لشکر میں شامل کر لی۔ صلاح الدین قاہرہ سے صرف سات سو سوار لے کر چلا تھا۔ لیکن اب اس نے مصر سے فوجیں بلائیں تاکہ دمشق کی فوجوں میں انہیں شامل کرے۔

۱۳ اپریل ۱۱۷۶ء کو جب صلاح الدین دریائے عاصی اتر لیا تاکہ دشمنوں کے اٹھتے ہوئے طوفان کو روکے تو سورج گرہن پڑا۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ دوپہر کے وقت آسمان پر تارے نظر آنے لگے، باوجود اس بدشگونی کے صلاح الدین نے اپنا کوچ دشمن سے مقابلہ کے لئے جاری رکھا، لیکن حماۃ سے آگے نہ بڑھا تھا کہ اس بدشگونی کے برے نتیجے ظاہر ہونے لگے۔ صلاح الدین کے آدمی گھوڑوں سے اترے جباب الترکمان کے کنوؤں پر گھوڑوں کو پانی پلا رہے ہیں ادھر ادھر پراگندہ تھے کہ سیف الدین غازی کا لشکر یکایک سامنے آگیا۔ اگر سیف الدین اسی وقت حملہ کر دیتا تو اسے فتح ہو جاتی۔ مگر اسے تامل ہوا۔ جب دوسرے دن سیف الدین جنگ میں اترا۔ یعنی یوم پنجشنبہ ۲۲۔ اپریل کو تو اس نے دیکھا کہ صلاح الدین ایک چھوٹی سی کارواں سرائے کے قریب جو تل سلطان پر واقع تھی، لڑائی کے لئے بالکل

نام کا سکہ قاہرہ میں سونے کا گھڑوا کر رائج کروایا اور قاہرہ کی ٹکسال سے اپنے نام کی اشرفیاں مضروب کر کے رائج کرائیں، عبارت یہ تھی "الملک الناصر یوسف بن ایوب جہاں یک الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہہ سکتے ہیں کہ صلاح الدین نے نوعمر صالح اسمٰعیل کو اس بات کا یقین دلانے میں تا حد امکان کوشش کی کہ وہ خیر خواہی کے ساتھ اس کی خدمت کے لئے حاضر ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ وہ تخت کے قریب کسی اپنے حریف کا ہونا گوارا نہ کرے گا۔ صالح اسمٰعیل اس کا مطلب یہ سمجھ رہا تھا کہ اس قسم کی خیر خواہی اور خدمت نام کی ہوا کرتی ہے درحقیقت اس پر حکومت کرنا اس کی اصل غرض ہے۔ اور الصالح کو یہ بات گوارا نہ تھی کہ کوئی اس پر حکومت کرے، غرض جب ہر قسم کی کوشش بیکار ثابت ہوئی تو پھر صلاح الدین الصالح کو بادشاہ ماننے کے فرض سے سبکدوش ہوا، پھر کوئی وجہ نہ رہی کہ وہ خود بادشاہ کا مرتبہ اختیار نہ کرتا[1]

خلیفہ بغداد نے اس کا بادشاہ ہونا منظور کر لیا۔ اور حسب دستور فرمان اور خلعت بادشاہ مصر و شام کے نام روانہ کیا۔ خلیفہ کے یہ عطایا صلاح الدین کو حماۃ میں ملے جبکہ وہ اپنے نئے فتح کئے ہوئے علاقوں کے انتظام میں مصروف تھا، یہ واقعہ مئی ۱۱۷۵ء کا ہے۔

سال کا باقی حصہ انتظامی امور اور فوجوں کی فراہمی میں گذرا اور کوئی نیا واقعہ دور

[1] صلاح الدین پر بدخواہی کا الزام بغیر کسی ثبوت کے اکثر عاید کیا گیا ہے۔ لیکن اگر الصالح اسمٰعیل و شام کے برائے نام بادشاہ تھا، صلاح الدین حریفوں کے قبضہ میں تھا اور ان حریفوں نے صلاح الدین کو بادشاہ کے ساتھ خیر خواہی دکھانے کا کبھی موقع نہ دیا، اگر صلاح الدین اس موقع پر شام سے یونہی چلا جاتا تو ملک اس وقت صالح کے قبضہ میں نہ رہتا۔ بلکہ جاہ پرست امراء میں سے کوئی امیر اس پر مسلط ہو جاتا۔ (مؤلف)

ان میں بعض جو اونچے درجے کے با اثر لوگ تھے وہ دریائے فرات کے راستے اپنے اپنے گھروں کو صلاح الدین کی تعریفیں کرتے چلے گئے ۔ وہ اس کے حلم و سخاوت اور دریا دلی کی تعریف و توصیف کرتے تھے اور اس کی رعایا بننے کے لئے دل سے آمادہ تھے ۔ خود صلاح الدین کے لشکر والے فتح سے خوش اور مالِ غنیمت سے متمول ہو کر بالکل تیار تھے کہ صلاح الدین جہاں چاہے لے جا کر انہیں لڑائے ،

کچھ دنوں حلب کے سامنے قیام کر کے جس کے دروازے اب تک صلاح الدین پر بند تھے اس نے اپنی فوج کے لوگوں کو جن کا خون ابھی تک گرم تھا آگے بڑھایا اور وہ ایک دن میں بزعہ پہنچ گئے ۔ بزعہ پر انہوں نے قبضہ کیا ، اس کے بعد منبج پر حملہ کر کے اس پر بھی قابض ہوئے ، پھر وہ مغرب میں قلعہ عزیز کی طرف گئے ۔ یہاں اڑتیس دن تک انہیں اس قلعہ کا محاصرہ کرنا پڑا اور اس محاصرہ میں بڑے بڑے نقصان اٹھانے بلکہ یہ سمجھئے کہ صلاح الدین کی جان پر بن گئی ۔ ۱۵ مئی کو محاصرہ شروع ہوا ۔

۲۲ مئی کو صلاح الدین اپنے ایک فوجی سردار کے خیمے میں بیٹھا تھا کہ ایک فدائی اس کی طرف لپک کر آیا اور صلاح الدین کے سر پر خنجر چلایا ۔ طربوش کے نیچے فولاد کی کڑیوں کی ٹوپی صلاح الدین پہنے تھا ۔ اس ٹوپی نے اس کی جان بچا دی صلاح الدین نے اس فدائی قاتل کے ہاتھ پکڑ لئے مگر صلاح الدین چونکہ بیٹھا تھا ، اس لئے وہ فدائی کو اپنے گلے پر خنجر کا وار کرنے سے نہ روک سکا ، فدائی کے خنجر نے خفتان کا گریبان کاٹ دیا ۔ لیکن زرہ کی فولادی کڑیوں نے گلے پر زخم نہ آنے دیا ۔ یہ کل کام آناً فاناً میں پیش آیا ۔ بازکش نے فوراً ہی فدائی کا خنجر پکڑ لیا اور اسے برابر پکڑے رہا ۔ گو انگلیاں کٹنے لگی تھیں ۔ غرض اس فدائی کا اس نے کام تمام کیا ، مگر مرنے پر بھی

تیار کھڑا ہے تل سلطان حلب سے پندرہ میل کے فاصلہ پر تھا۔ اب بڑی خونریزی کے ساتھ لڑائی شروع ہوئی۔ صاحب اربل نے لشکر صلاح الدین کے بائیں بازو کو زور دیا اور چاہتا تھا کہ اپنے آگے آگے مخالف کی فوج کو بھاگتا دیکھے اب خود صلاح الدین نے اپنی فوج مخالف کے آگے آ دشمن پر بڑے زور کا یلغار کیا، اس سخت دھاوے نے لڑائی کا رنگ بدل دیا۔ سیف الدین کے لشکر میں کھلبلی پڑی اور اس کا ہر شخص خوف زدہ ہو کر بھاگا۔

اتابک موصل سیف الدین غازی کے بہت سے فوجی سردار یا تو مارے گئے یا گرفتار ہو گئے۔ خود سیف الدین بہزار دشواری میدان جنگ سے بھاگ سکا لشکرگاہ کا کل ساز و سامان، گھوڑے، خیمے خورد و نوش کی چیزیں سب فاتحوں کے ہاتھ لگیں،

اب صلاح الدین نے ثابت کر دیا کہ فتح و ظفر کا اہل در حقیقت وہی تھا، لڑائی میں جو لوگ قید ہوئے تھے ان کے ساتھ اس نے نرمی اور فیاضی کا برتاؤ کیا۔ اور نہ صرف یہ کہ ان سب کو رہا کر دیا، بلکہ ان میں بہت سوں کو انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔ جو لوگ زخمی ہوئے تھے، وہ محض صلاح الدین کی توجہ اور تیمارداری سے صحتیاب ہوئے چنانچہ ان میں سے بہت سے امیروں کو شوق ہوا کہ وہ صلاح الدین کی ملازمت قبول کریں

اب رہا مال غنیمت جو دشمن کے لشکرگاہ سے ملا تھا، وہ سب اس نے اپنے لشکر والوں میں بانٹ دیا۔ کوئی چیز اپنے لئے نہ رکھی، یہ کام اس کا ایسا تھا جس میں اس نے اپنی فطرت کی فیاضی اور ایک مدبر کی سی لیاقت اور دوربینی دکھائی۔ اس نے خود اپنے لشکر والوں کو اور دشمن کے اہل لشکر کو احسان اور شکر کی بندشوں میں باندھ کر ایک قانون سے ان سب کو وابستہ کر لیا، جن قیدیوں کو اس نے رہا کیا

قلعہ الشہب کے لوگوں نے مصالحت کر لی تھی۔ اب ۲۹ جولائی کو ایک عام عہد و پیمان فریقین میں ہوا یعنی ایک فریق تو نوجوان بادشاہ حلب الصالح اسمٰعیل اور کیفا اور ماردین کے ارتقی فرمانروا تھے (جنہوں نے ہمیشہ الصالح کی مدد کی تھی) اور دوسرا فریق صلاح الدین کا تھا۔ عہد نامہ اس مضمون کا ہوا کہ جتنے ملک صلاح الدین نے فتح کئے ہیں، ان کا اُسے بادشاہ تسلیم کیا جائے۔ دونوں فریقوں نے بحلف اس بات کا عہد کیا کہ آئندہ اتفاق اور آشتی رکھیں گے۔

اس عہد نامہ کے ختم ہونے پر صلاح الدین کے پاس ایک چھوٹی سی لڑکی آئی ۔ یہ الصالح اسمٰعیل کی چھوٹی بہن تھی۔ صلاح الدین نے بڑی عزت اور تکریم سے اُسے بٹھایا اور پوچھا کہ آپ کیا چاہتی ہیں، لڑکی نے جواب دیا "قصر عزیز" صلاح الدین نے فوراً عزیز کے پرانے مالکوں کو قلعہ واپس کر دیا۔ اور اس بچی کو بہت سے تحائف دے کر جلوس کے ساتھ جس میں خود اپنی فوج محافظ کے آگے سوار تھا، حلب کے دروازے تک پہنچا دیا۔

گئے۔ اس کی ترقی عمر و اقبال کے لئے خدا کے حضور میں گڑگڑا گڑگڑا کر التجائیں کرتے

—————— !

اس نے جو معاہدے کئے تھے۔ وہ قائم رکھنے کے لئے تھے، اس کی نیت میں کسی طرح کا فتور نہ تھا، وہ اب تخریب کے بجائے تعمیر پر اپنی صلاحیتیں صرف کرنا چاہتا تھا وہ چاہتا تھا فرصت کے یہ لمحے جو صلح نے مہیا کر دیئے ہیں رائگاں نہ جائیں، کچھ ایسے کام کئے جائیں جو انہیں زیادہ گراں مایہ بنا دیں، اس زمانہ میں کچھ ایسے کام سرانجام پاجائیں، جن سے لوگوں کا بھلا ہو۔ جن سے عوام کو فائدہ پہنچے، جو ایک نیک یادگار کی طرح ہمیشہ نہیں تو عرصہ دراز تک باقی رہیں۔

چنانچہ فرنگی مورخ لین پول بتاتا ہے۔

صلاح الدین دمشق آیا (۵ راگست)، یہاں آتے ہی فوجوں کو برخاست کیا کہ سپاہی اپنے اپنے گھر جائیں۔ اور اپنے بھائی توران شاہ فاتح یمن کو شاہی فوجوں کا افسر بنایا اور خود اپنی مخصوص سپاہ کو ساتھ لئے قاہرہ روانہ ہوا (۲۲ ستمبر) قاہرہ سے دو برس غیر حاضر رہنے کے بعد اب وہاں آیا تھا، اور یہاں آکر اس نے بہت سے جدید انتظام کئے۔ شہر کے استحکامات اور اس کی عمارتوں کی طرف متوجہ ہوا، شہر کا نقشہ پہلے ہی سے سوچ رکھا تھا، شہر پناہ کی مرمت کرائی۔ اور جہاں نئی دیوار بنانی منظور تھی اس کی داغ بیل ڈالی۔ اور قلعہ شہر کی تعمیر شروع کی۔ ۱۱۸۳ء میں عرب سیاح ابن جبیر، قاہرہ میں وارد ہوا تو اس نے دیکھا کہ عیسائی قیدی عمارت کے لئے پتھروں کو گھڑتے ہیں۔ یا قصر کی بڑی بڑی آثار والی دیواروں سے ملی ہوئی خندق کو کھود رہے ہیں۔ مگر یہ صلاح الدین کے نتیجے کی قسمت میں آتا تھا کہ چچا کی شروع کی ہوئی تعمیر کو اس کے مرنے کے بیس برس

شکست و فتح

صلاح الدین ایک دیانتدار آدمی تھا، وہ قول کا پکا، بات کا دھنی اور عہد کا پورا تھا، کبھی اور کسی قیمت پر وہ پیماں شکنی کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا، وہ جو عہد کر لیتا تھا اس پر سختی سے قائم رہتا تھا، خواہ یہ عہد مسلمانوں سے کیا گیا ہو یا غیر مسلموں سے؛ دوستوں سے یا دشمنوں سے، وہ ہرگز اپنی طرف سے پیش قدمی نہیں کرتا تھا، لیکن جب اسے چھیڑا جاتا تو وہ خاموش بھی نہیں بیٹھتا تھا، پھر اس کی تلوار میان سے باہر نکل آتی تھی، پھر وہ مسند فرماں روائی سے اٹھتا تھا، اور گھوڑے کی زین اس کی مسند بن جاتی تھی،

اس نے جو صلح مسلمانوں اور عیسائیوں سے کی تھی، وہ سچے جذبے سے کی تھی، وہ امن پسند تھا، جنگ اور خوں ریزی سے طبعاً اسے کوئی لگاؤ نہیں تھا، وہ جب میدان جنگ کے زخمیوں کو دیکھتا تو اس کی آنکھیں آب گوں ہو جاتیں، اس کے دل میں رحم کا سمندر لہریں مارنے لگتا، جنگ کی مصیبت زدہ عورتوں اور بچوں کے بین و بکا سن کر وہ رونے لگتا، پھر اس کی تھیلیوں کا منہ کھل جاتا، اور وہ اتنی داد و دہش سے کام لیتا، اس طرح ان تباہ حالوں کی دستگیری کرتا کہ وہ اپنا غم بھول جاتے، اسے دعائیں د

پر یہ بند یا پُل قائم ہے۔ قاہرہ سے اس کا فاصلہ سات میل ہے۔ سمجھا جاتا ہے کہ مغرب کے حملہ آور حملے سے پناہ میں رہنے کے لئے یہ بند تعمیر ہوا تھا۔ مگر جنوب والوں نے قاہرہ پر کبھی فوج کشی نہیں کی۔

صلاح الدین جس زمانے میں یہ عمارتیں بنوا رہا تھا تو قاہرہ ہی میں وہ پورے ایک سال تک یعنی نومبر ۱۱۷۷ء تک رہا۔ اس زمانے میں بہت سے مدرسے شہر میں بنوائے منجملہ ان کے مشہور مدرسہ سیوف گراں تھا۔ علاوہ ازیں وہ اپنے اس خاص صوبے کے دیوانی انتظاموں میں بھی مصروف رہا۔ اسی زمانے میں افرنجیوں نے دمشق میں لوٹ مار کی اور جو جھوٹی صلح انہوں نے کی تھی اس پر قائم رہنے کی ضرورت نہ سمجھی اب انہوں نے اپنی فوجوں کا ایک حصّہ شمال کی طرف اس غرض سے روانہ کیا کہ وہ قلعہ حارم کا محاصرہ کرلے، یہ قلعہ اس وقت شاہ حلب کے متعلقات میں سے تھا فلسطین کے جنوبی حصّہ کی حفاظت کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ پس موقع اچھا تھا صلاح الدین خوش ہو کر عسقلان پر چڑھا جسے "عروس الشام" کہا جاتا تھا۔ ولیم صوری کا بیان ہے کہ اس نے مسلمان سپاہ کی تعداد چھبیس ۲۶۰۰۰ ہزار کی تھی اور تحقیق کے بعد یہ تعداد دریافت ہوئی تھی، ان میں آٹھ ہزار وہ منتخب اور چیدہ نبرد آزما تھے جنہیں طاوسین کہتے تھے۔ اور انہی میں زرد کرتیوں والے فوج محافظ کے مملوک بھی تھے (زرد رنگ صلاح الدین کا مخصوص رنگ تھا) اور اٹھارہ ہزار غلام (سیاہ رنگ والے غلام) تھے۔ یہ درجے میں کم تھے۔ بلاشبہ یہ سوڈانی پیدل فوجیں تھیں۔ جب ان فوجوں نے کسی طرف سے کوئی مخالفت نہ دیکھی تو خوب جی کھول کر ملک کو لوٹا اور غارت کرنا شروع کیا۔ رملہ اور لدّ کے شہروں کو لوٹا۔ اور ان میں آگ لگا دی اور تمام ملک میں اس طرح پھیل گئے کہ لوٹتے اور غارت کرتے یروشلم کے

بعد ختم کرے سلاطین مملوک نے اپنے زمانہ میں شہر کے قلعہ میں اتنی تبدیلیاں کیں بالخصوص
محمد علی نے اس قدر ردو بدل کیا کہ اصلی دیواروں اور دمدموں میں اور نئی دیواروں اور
تعمیروں میں آج کل تمیز کرنا مشکل ہے بانی تعمیر کا لگایا ہوا کتبہ اب تک باب المدرج کی
پیشانی پر نصب ہے، اس کی عبارت یہ ہے کہ "شہر کے اس عظیم الشان قلعہ کی عمارت قاہرہ
سے قریب ایک پہاڑی پر واقع ہے جو حسن و کشادگی کو اس وقت اور استحکام میں شہاتی
ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو بانی قلعہ کی پناہ میں آنا چاہتے ہیں۔ اس کی تعمیر کا حکم ہمارے
آقا اور بادشاہ الملک الناصر صلاح الدنیا والدین ابوالفتح یوسف ابن ایوب محی خلافت
نے اپنے بھائی اور وارث العادل سیف الدین ابوبکر محمد محب امیر المومنین کے مشورے
دیا تھا اور یہ عمارت اس کی سلطنت کے ایک مشیر و معاون دولت قراقوش ابن عبداللہ
غلام الملک الناصر کے زیر اہتمام ۵۷۹ھ (۱۱۸۳ء) میں تعمیر ہوئی"۔ وہ مشہور و معروف کنواں
جس میں پانی تک چکردار سیڑھیاں گئی ہیں اور جسے اب تک بیر یوسف کہتے ہیں۔ قراقوش نے
صلاح الدین کے حکم سے سالم چٹان میں ترشوایا تھا لیکن بعض دوسری عمارتیں جو اب تک
قلعہ میں موجود ہیں اور جنہیں صلاح الدین سے منسوب کیا جاتا ہے۔ درحقیقت وہ صلاح الدین کے
بعد کے زمانے کی ہیں۔ اہل مصر کی عادت تھی کہ رفاہِ عام کی اکثر عمارتوں کو مشہور سلطان صلاح الدین
کی بنائی ہوئی بتا دیتے تھے۔ بالائی مصر کی بڑی نہر کو جسے اب تک "بحر یوسف" کہتے
ہیں، گو اس کی تعمیر فراعنہ مصر کے زمانے کی ہے، مگر اسے بھی مصر کے لوگ صلاح الدین
منسوب کرتے ہیں۔ رفاہِ عام کا جو کام قاہرہ کے شہر سے باہر صلاح الدین نے کیا وہ
جیزہ والا بند یا پل ہے۔ یہ بند بھی شہر کے قلعہ کی طرح اہرام مصر سے پتھر لے کر
بنایا گیا ہے۔ زمانہ اس بند کی تعمیر کا ۸۳-۱۱۸۴ء ہے۔ صحرا کے کنارے چالیس محراب

بھاگ گئے تھے۔ غرض لشکر میں سے جو بہت خوش ہو کر ارضِ مقدس کو لوٹنے گیا تھا، بہت کم لوگ زندہ بچے۔ جو کام تلوار نے شروع کیا تھا اُسے کثرتِ بارش اور سردی نے ختم کیا۔ صلاح الدین کو کبھی پہلے ایسی ہزیمت نہ ہوئی تھی۔

مگر صلاح الدین ہمت ہارنے والا آدمی نہ تھا۔ جب ایک لشکر تلف ہو گیا تو اُس نے دوسرا لشکر تیار کر لیا۔ اپنے بھائی توران شاہ کو دمشق لکھ کر بھیجا کہ لڑائی سخت تھی۔ اپنے خط میں چند اشعار بھی لکھے (ابن الاثیر کہتا ہے کہ میں نے یہ خط پڑھا تھا) اشعار کا مطلب یہ تھا۔

"جب وہ ہمارے برچھیاں مارتے تھے اور جب وہ اپنی سیدھی چمکتی ہوئی خون آلود تلواروں سے اپنی پیاس ہمارے خون سے بجھاتے تھے تو میں اس وقت تمہیں یاد کرتا تھا" اس کے بعد لکھتا ہے کہ ہماری قوت بالکل ہی غارت ہونے کے قریب پہنچ گئی تھی۔ اگر خدا کو ہم سے کوئی کام آئندہ نہ لینا ہوتا تو ہم اس ہلاکت سے جانبر نہ ہوتے۔"

تین مہینے کے اندر صلاح الدین فرنجیوں سے پھر لڑنے کو تیار ہو گیا۔ اور ۱۱۷۸ء کے موسمِ بہار میں دیکھتے ہیں کہ حمص کی شہر پناہ کے سامنے مع لشکر کے موجود ہے۔ چند چھوٹی چھوٹی لڑائیاں اس کے فوجی سرداروں (جن میں سے بعض اس کے عزیز تھے) اور سافر نجیوں میں ہوئیں۔ حماۃ کی فوجوں کو ایک فتح عیسائیوں پر حاصل ہوئی اور انہوں نے دشمن کے کٹے ہوئے سر مالِ غنیمت کے ساتھ سلطان کو پیش کئے۔ کچھ قیدی بھی ساتھ لائے تھے، سلطان نے ان کے قتل کا حکم صادر کیا۔ اور کہا کہ "یہ کافر ہیں انہوں نے مومنوں کی زمینوں اور جائیدادوں کو غارت اور تباہ کیا ہے۔

سال کا باقی حصہ دمشق میں بسر ہوا۔ اور جب پھر موسمِ بہار آیا تو سلطان تیار تھا

دروازوں تک پہنچ گئے۔

یہ اپنی قوت کے بل پر ایسے پھولے کہ انہوں نے دشمن کو حقیر سمجھا۔ اور یروشلم کا بادشاہ بالدون جب عسقلان میں آیا تو اسے روکا تک نہیں۔ یہاں تک کہ طبقۃ الداویہ کے سواروں کو بھی بالدون کی مدد پر عسقلان میں آنے دیا اور اس بات کی مطلق پرواہ کی کہ دشمن ان پر اچانک حملہ کرے گا۔ یہ سچ ہے کہ بادشاہ بالدون کے پاس صرف تین سو پچھتر نائٹ (سوار) اس کی مدد کو تھے لیکن صلاح الدین کو معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ دشمن ایسی چیز نہیں تھا جسے حقارت کی نظروں سے دیکھا جاتا۔ بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ ان مسیحی سواروں کے سردار مشہور لڑنے والوں میں سے بالیان حمید اکا رینی لند اوڈ طبقۃ الداویہ کا مقدم جوسلن جو صلیبیوں کا خادم خاص تھا اور جبکہ بیت اللحم کا اسقف عیسائیوں کی ہمت بڑھانے کے لئے اصل صلیب مقدس کندھے پر رکھے آگے آگے تھا۔ واقع کی تفصیل نہیں معلوم مگر اتنا تحقیق ہے کہ صلاح الدین کے لشکر کے زیادہ حصے کی عدم موجودگی میں تل جزر پر شہر رملہ کے قریب صلاح الدین کی سپاہ پر صلیبیوں نے اچانک حملہ کیا (۲۵ نومبر ۱۱۷۷ء) اسلامی سپاہ اپنی صفیں بھی درست نہ کرنے پائی تھی کہ صلیبی سواروں نے ان میں قتل کا بازار گرم کر دیا۔ شروع میں صلاح الدین لڑتا ہوا پیچھے ہٹا اور کوشش کی کہ اپنی سپاہ کو لڑائی کی صفوں میں ترتیب دے لے، لیکن صلیبیوں نے اس کی فوج محافظ کے ٹکڑے اڑا دیئے اور خود صلاح الدین بھی اس معرکہ میں قریب تھا کہ عیسائیوں کا قیدی ہو جائے۔ یہ دیکھ کر کہ لڑائی بگڑ چکی ہے آخر کار سلطان ایک تیز رفتار اونٹ پر بیٹھ کر میدان سے بھاگا۔ اس کی سپاہ کا ایک قلیل حصہ بھی اس کے ہمر یہ سب ہتھیار اور زرہیں پھینک کر رات کے اندھیرے میں بے تحاشا مصر کی ط

افرنجیوں میں ہمفری کی موت سخت صدمہ کا وقوعہ تھا - ایک عرب مورخ لکھتا ہے کہ
"ہمفری کی خوبیاں بیان کرنے میں الفاظ کام نہیں دیتے - شجاعت اور جنگ کے وقت
بہادری دکھانے میں اس کا نام ضرب المثل ہو گیا تھا حقیقت میں وہ ایک بلا تھا جو مسلمانوں
کو سزا دینے کے لئے خدا نے نازل کی تھی -"

۱۱۷۹ء میں فرخ شاہ کو جو فتح عیسائیوں پر ہوئی تھی اس سے نفع اٹھانے کو صلاح الدین
آگے بڑھا - اب اس نے بانیاس میں اپنا صدر مقام تبدیل کر دیا تھا - جون کے مہینہ میں
صلاح الدین نے بالدون کا مقابلہ دوسری مرتبہ کیا - کیونکہ بالدون نے جب سنا کہ مسلمان صیدا
کی طرف تاخت و تاراج کرتے ہیں تو بالدون اپنی رعایا کو دشمن سے محفوظ رکھنے کو اسی طرف
چلا اور دراصل خیال یہ تھا کہ حال میں جو ذلت اٹھانی پڑی تھی کسی طرح اس کی تلافی ہو جائے
غرض شمال میں صفد اور تبنین کے راستے سے وہ پہاڑوں پر موضع رسافہ میں پہنچا ، یہ
مقام اتنا بلند تھا کہ وہاں سے دور دور تک کا منظر دکھائی دیتا تھا ، اس نے صلاح الدین کے
لشکر کو دیکھا کہ گویا قدموں کے نیچے مرج العیون کی سطح زمین پر پھیلا پڑا ہے - بالدون نے
نیچے اتر کر حملہ کرنے میں اتنی جلدی کی کہ اپنی فوجوں کی صفوں کو بے ترتیب کر دیا -
پیدل فوج پیچھے رہ گئی اور اس کا لشکر جستہ جستہ میدان میں اترا ، پہلے تو اس لشکر نے جو
دھاوا کیا - اور حریف مخالف کے ایک حصہ فوج کو میدان سے بھگا بھی دیا لیکن اوڈو
جو طبقہ داویہ کے سواروں کا مقدم اور افسر تھا فراریوں کے تعاقب میں دور نکل گیا عیسائیوں
کی فوجیں جو پہلے ہی سے پراگندہ ہو رہی تھیں اب اور منتشر ہو گئیں - صلاح الدین نے
اس بات سے نفع اٹھایا - اس نے اپنی بھاگتی ہوئی فوجوں کو یکجا کر لیا اور ان سے ہمت
سے لڑنے کو کہا - غرض سلطانی فوجوں نے دشمن پر سختی کے ساتھ یلغار کی عیسائی جو سمجھ

کہ بالدون نے آخری مرتبہ جو معرکہ آرائیاں کی تھیں، اُن کی حقیقت کھول دے۔

بادشاہ یروشلم نے رملہ پر فتح پا کر جسارت کی کہ وہ مسلمانوں کے علاقوں پر چڑھائی کرے
اور دمشق کو جو سڑک جاتی تھی وہاں اس نے ایک چوکی بٹھا دی، دریائے اردن اُترنے کا
ایک پل تھا جسے جسر یعقوب کہتے تھے (کیونکہ عیسائیوں میں مشہور تھا کہ یہاں جناب یعقوبؑ ایک
فرشتہ سے لڑے تھے) اس پل کا دوسرا نام جسر مصائب بھی تھا، یہاں ایک پرانا قلعہ بھی تھا
اس کی مرمت بادشاہ بالدون نے کرائی اور اسے درست کیا۔ یہ قلعہ نہ صرف اس پل کی
حفاظت کرتا تھا بلکہ بانیاس کے سامنے کا مسطح میدان بھی اس کی زد میں واقع تھا۔ یہی
ہماری زمین تھی جہاں کا غلہ دمشق کو مہیا کیا جاتا تھا، اس پر چاول اور روئی کے بڑے
بڑے کھیت تھے۔ اور جبل ثلج کے پائیں لیموؤں کے گنجان باغات کھڑے تھے۔ یہ شاداب
اور زرخیز خطہ مسلمانوں اور افرنجیوں میں دوستانہ طریقہ پر تقسیم تھا اور دونوں قوموں
کی سرحد ایک شاہ بلوط کے درخت سے قائم ہوتی تھی، افرنجیوں اور مسلمانوں کے گلے پاس
پاس چرا کرتے تھے۔ بادشاہ بالڈون نے یہاں کوئی بات ایسی کرنی چاہی تھی جو مسلمانوں کو
سخت ناگوار تھی۔ صلاح الدین نے پہلے ساٹھ ہزار اور پھر ایک لاکھ اشرفیاں اس لئے
دینے کو کہا کہ وہ اپنی اس حرکت سے باز رہے۔ جب بالڈون نے نہ مانا تو پھر صلاح الدین
نے اس قلعہ کو جس کی عیسائی بادشاہ نے مرمت کرائی تھی مسمار کر کے اُسے زمین کے برابر
کرنا چاہا۔ اپریل ۱۱۷۹ء میں سلطان کے بھتیجے فرخ شاہ نے کمین گاہ میں فوجیں
عیسائیوں پر بڑی فتح پائی تھی اور اس نے یروشلم کے بادشاہ بالدون کو مع اس کے چند
ہمراہیوں کے شقیف ارنون کے قریب ایک پہاڑ کے غار میں گرفتار کر لیا، اب یہ
تبلیغی کا کام تھا کہ بادشاہ کو اس قید سے رہا کرا دیا۔ گو ہمفری کی جان اس میں جاتی

جو جسر یعقوب کے قریب واقع تھا۔ ۲۵۔اگست کو صلاح الدین نے اس طرف کوچ
کیا۔ جونہی اس کے قراولوں نے نیستانوں سے بانس نکال نکال کر اتنے جمع کر لئے کہ اس
کے نقب چیوں کے لئے آڑ کھڑی ہو سکے اور وہ اس پردے میں نقب لگائیں کہ صلاح الدین
نے حملہ شروع کر دیا، پہلے ہی حملہ پر قلعہ کی دیواروں سے باہر جو مٹی کے ڈھس بندھے تھے،
وہاں سے ایک آدمی پھٹے کپڑے پہنے آیا اور دشمن سے اس طرف لڑنے لگا، جہاں نقب چی
آڑ میں بیٹھے نقب لگاتے تھے۔ پھر اور لوگ لڑنے آئے۔ مگر باہر کے ڈھسوں پر مسلمانوں کا
قبضہ ہو گیا۔ لیکن افرنجیوں نے بہر کیف قلعہ کی دیواروں سے دشمن قلعہ کو بچانے میں
بڑی ہمت اور دلیری سے کوشش کی اور انہیں بھروسا تھا کہ کمک کے جلد پہنچنے پر وہ
اس کام سے فارغ ہو جائیں گے۔ دوسرے دن صبح کو مسلمانوں نے قلعہ کی فصیل کے نیچے
سرنگ لگائی اور زمین کو بہت نیچے تک کھود کر اس میں جلتی لکڑیاں بھر دیں۔ اور اب
وہ دو دن تک فصیل کے گرنے کا انتظار کرتے رہے لیکن فصیل پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور
وہ بدستور کھڑی رہی۔ دیوار کا آثار نو ہاتھ کا تھا اور یہ ہاتھ بھی معمولی پیمانہ کا نہ تھا،
بلکہ ایک نجار کا ہاتھ تھا جو معمولی ہاتھ سے ڈیوڑھا ہوتا ہے۔ سرنگ جو کھودی تھی،
وہ اس آثار کے صرف تہائی حصہ تک گئی تھی۔ صلاح الدین نے سوچا کہ دیوار کے گرنے کا
انتظار فضول ہے۔ اس نے پانی منگوایا اور حکم دیا کہ جو پانی لائے گا اسے فی مشک ایک
اشرفی دی جائے گی۔ پھر کیا تھا۔ لوگوں نے پانی لانا شروع کیا اور دیوار کی جڑ میں اس
کثرت سے پانی ڈالا کہ ایک سیلاب سا معلوم ہونے لگا۔ اس اثنا میں نقب چی سرنگ
کو برابر کھودتے رہے حتیٰ کہ دیوار کے آر پار سوراخ ہو گیا۔ اب پھر وہاں آگ جلائی گئی،
آخر کار ۳۰۔اگست ۱۱۷۹ء یوم پنجشنبہ کو دیوار گری۔ اب جہاں سے دیوار گری تھی وہاں

رہے تھے کہ ہم لڑائی جیت رہے ہیں - اچانک سلطان کی فوجوں میں گھر گئے - چونکہ عیسائی سپاہیوں نے مقتول مسلمانوں کا سامان لوٹ کر اپنے اوپر خوب لاد رکھا تھا - لہٰذا انہیں اتنا وقت نہ مل سکا کہ صفوف جنگ کو وہ پھر آراستہ کر سکیں، پس بہت سے عیسائی یا تو قتل ہو گئے یا مسلمانوں نے انہیں گرفتار کر لیا، جو باقی بچے تھے، انہوں نے دریائے لیطہ کی طرف بھاگ کر چاہا کہ قریب کے قلعہ شقیف ارنون میں پناہ لیں بعض عیسائی فراری ایسے بھی تھے جنہوں نے صیدا میں پہنچنے سے پہلے کہیں دم نہ لیا - یہ اسلامی فتح اس وجہ سے بہت مشہور ہوئی کہ اس میں جو عیسائی قید ہوئے وہ بڑے درجے کے آدمی تھے - مثلاً مقدمان طبقہ اسپتار اور داویہ ، ریمنڈ امیر طرابلس ، ہبلین کا بالیان ، رملہ کا بالڈون طبریہ کا ہیوگ - یہ ان ستر مسیحی نائٹوں میں سے تھے جنہیں معتمد عماد الدین نے سلطان صلاح الدین کے خیمہ میں گنا تھا - بالڈون نے ڈیڑھ لاکھ صوری اشرفیاں ادا کر کے اور ایک ہزار مسلمان قیدی چھوڑ کر کے اپنی رہائی حاصل کی ، لیکن صلاح الدین نے اوڈو کی رہائی کے بدلہ میں اپنے ایک امیر کو جو عیسائیوں کی قید میں تھا مانگا - تو اوڈو مقدم داویہ نے جو بڑا مغلوب الغضب آدمی تھا ، جسے خدا کا خوف تھا نہ بندے کا ڈر - قہر و غضب سے جس کے نتھنے ہمیشہ پھولے رہتے تھے اور جس کے لڑنے کا مجنونانہ طریقہ آج لوگوں میں موجب حیرت اور لڑائی میں عیسائیوں کی شکست کا باعث ہوا تھا - بڑے غرور اور نخوت سے کہنے لگا - کہ طبقہ داویہ کا ایک نائٹ بھی اپنے زرفدیہ میں سوائے اپنی کمر کی پیٹی اور خنجر کے اور کچھ نہیں دے سکتا - غرض اوڈو حالت اسیری ہی میں مرا - ابو شامہ لکھتا ہے -

" قید خانے سے وہ سیدھا جہنم کو روانہ ہوا "

اب وہ راستہ صاف تھا جو بادشاہ بالڈون کی حماقت یعنی قصر معاب کو جاتا تھا

جگہ جگہ حملہ کر کے ایک ہزار عیسائیوں کو قید کر کے لایا۔ اس بیڑے کی وجہ سے سلطان
صلاح الدین کی ہمت ہوئی کہ وہ خشکی پر اتر کر دونوں طرف سے دشمن پر حملہ کیا کرے،
چنانچہ ۱۱۸۰ء کے موسم بہار میں سلطان پھر ان علاقوں میں آیا۔ جو صفد کے علاقے تھے
اور یہاں سخت جنگ کے ارادے سے اس انتظار میں رہا کہ بیڑا ساحل پر آجائے۔ مگر
بالدون نے ہوشیاری سے وہ راہ اختیار کی، جو سب سے زیادہ محفوظ تھی۔ اور سلطان
کے پاس صلح کی غرض سے قاصد روانہ کئے، صلاح الدین کو بھی اس موقع پر صلح کرنے پر
افسوس نہ ہوا، کیونکہ خشک سالی اور فصلوں کے خراب ہو جانے سے سلطان کے ذخیرۂ
ماکولات میں بہت کچھ کمی پیدا ہو چکی تھی۔ چنانچہ گرمی کے موسم میں اس نے عہد کیا کہ
دو برس تک خشکی یا تری میں کسی سے خواہ اپنے ملک کا ہو خواہ غیر ملک کا جنگ نہ
کی جائے گی، یہ عہد و پیمان باہم قسمیں کھا کر کیا گیا۔ مگر افرنجیوں کے لئے اس قسم کا عہد
کرنا موجب ذلت و خفت تھا، کیونکہ اس سے پہلے کبھی افرنجیوں نے ایسے عہد نامے
پر جس میں برابر کے شرائط منظور ہوئے ہوں اور جن میں خود ان کا فائدہ نہ نکلتا ہو
دستخط نہیں کئے تھے۔ جب ان کا غرور اس امر میں مانع ہوا تو کوئی تعجب کی بات
نہ تھی کہ ریمنڈ والی طرابلس جو بادشاہ یروشلم کا سچا دوست نہ تھا سب کے سامنے
اس عہد نامہ کو نامعقول بتانے لگا۔ لیکن جب مسلمانوں نے بڑی تیزی سے ریمنڈ کے
علاقے یعنی طرابلس پر حملہ کر دیا اور صلاح الدین کا جہازی بیڑا انطرطوس کے
سامنے آگیا تب ریمنڈ کی عقل درست ہوئی بہر کیف جنگ مقدس کچھ دن کیلئے ملتوی ہو گئی
اس معاہدہ صلح میں کچھ فریق ایسے بھی تھے جن کا آج کل ادھر کے مشرق میں
دور دورہ تھا۔ اور اس عام صلح کی فوری وجہ ایک گانے والی عورت تھی۔ نور الدین

سے مسلمان قلعہ میں داخل ہوئے، غرض قصر مصائب کو ہلّہ کرکے مسلمانوں نے فتح کر لیا۔ جو لوگ قلعہ میں ایسے تھے کہ غنیم کو ہٹانا چاہتے تھے اور جن کی تعداد سات سو تھی وہ سب گرفتار ہو گئے۔ عیسائیوں نے جن قیدیوں کو اس قلعہ میں قید کر رکھا تھا انہیں رہا کیا گیا۔ لیکن افرنجیوں میں سے صلاح الدین نے بہت لوگوں کے لئے قتل عام کا حکم دیا۔ اور یہ افرنجی اس طرح ہلاک کئے گئے کہ فصیل پر سے انہیں نیچے گرا دیا گیا۔ جو اس سزا سے باقی رہے انہیں دمشق میں قید رہنے کے لئے روانہ کیا۔ صلاح الدین نے اس قصر مصائب یا جسر یعقوب کو مسمار کرا کے اسے زمین کے برابر کر دیا۔ جیسا کہ شاعر علی دمشقی نے جو گھڑیاں بنایا کرتا تھا، اپنے اشعار میں لکھا ہے:-

"ہم بطریق کے گھر میں ایسے لوگ کب چھوڑ سکتے ہیں جو قسم کھا کر توڑتے ہیں:-

"میں تمہیں سچے دل سے نصیحت کرتا ہوں اور سچائی مذہب کا ایک جزو ہے:- یعقوب کا گھر چھوڑ دو یوسف آن پہنچا ہے۔" جب یروشلم کا بادشاہ بالدون فوجیں لے کر آیا کہ اپنے اس پیارے قصر سے دشمن کا محاصرہ دور کرے تو وہاں قصر کی جگہ پتھروں کے تودے نظر آئے، اور پتھر بھی آگ سے جھلس کر سیاہ ہو گئے تھے۔

اس سال صلیب کے مجاہدوں نے پھر صلاح الدین کا مقابلہ نہیں کیا۔ بالدون مرض جذام میں پہلے ہی سے مبتلا تھا۔ اب مرض نے زیادتی پکڑی، افرنجیوں کو فکر اس بات کا ہوا کہ اس کے بعد بادشاہ کون ہو۔ اس پریشانی میں صلح کرنی بہتر نظر آئی، غرض جاڑا سب نے آرام سے بسر کیا۔ مگر صلاح الدین اس زمانے میں بھی بیکار نہ رہا۔ اس نے جہازوں کا ایک زبردست بیڑا تیار کرایا تا کہ آئندہ لڑائی میں وہ کام آئے۔ ستر جہازوں کے اس بیڑے نے ۱۱۷۹ء کی خریف میں بڑا تہلکہ ڈالا۔ ساحل شام؛

ترکمانوں کے ساتھ اپنے قول اور اقرار کا پابند رہے۔ ترکمان اس بادشاہ کے علاقے اور پناہ میں اپنے مویشی چرایا کرتے تھے۔ آخرکار جب صلاح الدین نے حصن المناقر کو سماں کر دیا۔ تب بادشاہ روبن نے سراطاعت خم کیا۔

صلاح الدین کی قوت اب ایشیائے کوچک میں بھی محسوس ہونے لگی تھی اور حقیقت بھی یہی تھی کہ اسلامی فرمانرواؤں میں رود فرات سے لے کر دریائے نیل تک صلاح الدین سب سے بڑا تاجدار تھا اور والیان ملک میں جب کوئی نزاع پیدا ہوتا تھا وہ صلاح الدین کو اس فیصلہ کے لئے بلایا کرتے تھے۔ شاہان وقت میں یہ اعلیٰ درجہ جو اُسے حاصل تھا اس کو وہ ایک بڑے مقصد کے لئے کام میں لاتا تھا، جو کچھ ہو مگر ہمیشہ ایک شریفانہ مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ اپنے اس اونچے مرتبہ سے کام لیتا تھا چنانچہ جن بادشاہوں یا قوموں پر اس کا اثر تھا ان میں اس نے صلح و آشتی پیدا کر دی۔

والیٔ کیفا کی شادی ایک معزز خاتون یعنی قلیج ارسلان سلجوقی بادشاہ قونیہ کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ بدقسمتی سے نورالدین نے اس خاتون کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا بلکہ ایک مغنیہ کو اپنا دل نذر کر دیا۔ خاندانی اعتبار سے یہ عورت کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی، قلیج ارسلان کی بیٹی نے باپ سے شکایت کی۔ قلیج ارسلان نے نورالدین کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ لیکن حلب میں جو معاہدہ ہوا تھا۔ اس کی رو سے صلاح الدین مجبور تھا کہ جن ریاستوں میں اتحاد ہوا تھا اگر ان میں سے کسی کو ضرورت پڑے تو اس کی مدد کرے جن ریاستوں سے اتحاد ہوا تھا۔ ان میں کیفا کی ریاست بھی تھی، اس کے علاوہ صلاح الدین کا خود ایک نزاع قلعہ رعبان کے متعلق پہلے سے چلا آتا تھا۔ رعبان کا قلعہ شمالی سرحد پر واقع تھا اور اس نزاع میں کشت و خون تک ہو چکا تھا۔ پس صلاح الدین کو کسی طرح گوارا نہ ہو سکتا تھا کہ اپنے اتحادی بادشاہ کیفا سے مقابلہ کے لئے قلیج ارسلان اپنی فوجیں روانہ کرے۔ پس صلاح الدین نے قلیج ارسلان کے سفیر سے کہا: "خدا کا نام لے کر اپنے آقا سے کہہ دینا کہ دو دن کے اندر میں اس کے دارالحکومت میں پہنچ کر اس کی کل سلطنت پر قابض ہو جاؤں گا"

غرض صلاح الدین اسی حالت قہر و عتاب میں شمال کی طرف رعبان کے قلعہ تک چلا آیا۔ یہاں پھر اسی سفیر سے ملاقات ہوئی۔ اس مرتبہ اس نے نرمی اور مصالحت کی نیت سے گفتگو کی، صلاح الدین نے کل معاملہ پر غور کر کے اپنے عاشق مزاج اتحادی یعنی نورالدین صاحب کیفا پر زور ڈالا، اور یہ معاملہ اس طرح طے ہو گیا کہ صاحب کیفا نے اس مغنیہ کو اپنے ہاں سے نکال دیا۔ اس معاملہ کے تصفیہ کے بعد صلاح الدین ایک مہم آرمینیہ کو حلب میں مقام المصیصہ تک لے گیا تاکہ وہاں کا عیسائی بادشاہ روبن

اس سے فارغ ہو کر صلاح الدین ۱۱۸۱ء کے شروع میں پھر قاہرہ پہنچا، مقصد یہ تھا کہ تعمیری سرگرمیوں کی طرف متوجہ ہو، لیکن زمانہ کی گردش بیکار تو نہیں جاتی، وہ بھی اپنی چال چلتا رہا - ۴ دسمبر ۱۱۸۱ء کو حلب کے فرمانروا الصالح اسمٰعیل کا انتقال ہو گیا، یہ نورالدین زنگی کا لڑکا تھا، مرتے وقت اس نے اپنے چچا زاد بھائی عزالدین اتابک (فرماں روائے) موصل کے لئے اطاعت کی وصیت کی !

عزالدین یہ خبر سنکر شاداں و فرحاں موصل سے حلب آیا، یہاں اس کا پرتپاک خیر مقدم ہوا، لیکن وہ یہاں ٹھہر نہ سکا، اس نے اپنے بھائی عمادالدین والی سنجار سے تبادلۂ مملکت کر لیا، عمادالدین حلب آ گیا، اور عزالدین سنجار میں پہنچ گیا،

یہ حرکت صلاح الدین کے لئے تشویش تھی، لیکن اُسے پاس عہد تھا، اس نے پیش قدمی نہیں کی، لیکن دوسری طرف سے عہد شکنی کا سلسلہ جاری تھا، صلاح الدین نے حالات کا جائزہ لینے کے لئے پھر باگ اٹھائی اور شام آیا، اور ماہ جون میں دمشق تک عیسائیوں اور مسلمان غالیوں کی علانیہ اور خفیہ رکاوٹوں کے باوجود پہنچ گیا، یہاں آ کر معلوم ہوا کہ فرنگیوں نے عہد شکنی کرتے ہوئے اپنا لشکر کوکب پر پہنچا دیا ہے، یہ ایک نئے تعمیر قلعہ تھا، یہاں عیسائیوں کے پاس سلاح جنگ کا بہت بڑا ذخیرہ موجود رہتا تھا، یہاں صلاح الدین نے اپنے بھتیجے فرخ شاہ کو مقابلہ کے لئے بھیجا، جسے نمایاں کامیابی ہوئی،

اس اثناء میں صلاح الدین کو معلوم ہوا کہ زنگی خاندان کے لوگوں نے عیسائیوں سے اسماعیلی فرقہ کے لوگوں سے اس کے خلاف معاہدہ صلح کر لیا ہے، اس نے فوراً اپنا لشکر بڑھایا اور صلاح الدین کو کبری کے اشارہ پر جزیرہ پر دھاوا بول دیا، کسی میں تاب مقاومت نہ تھی، سب نے اطاعت قبول کر لی، یہاں سے آگے بڑھا تو بڑی آسانی سے

دورِ فتوحات

صلاح الدین کی قسمت میں امن اور چین سے بیٹھنا نہیں لکھا تھا، وہ مسلمانوں سے معاہدے کرتا تھا، لیکن جب موقع ملتا مسلمان بھائی یہ معاہدے تارِ عنکبوت کی طرح توڑ کر رکھ دیتے، وہ غیر مسلموں سے معاہدے کرتا تھا، لیکن یہ غیر مسلم بھی ان معاہدوں پر صرف اس وقت تک عمل کرتے تھے جب تک اپنے آپ کو کمزور اور مجبور محسوس کرتے تھے، جہاں ذرا توانائی اور قوت محسوس کی، فوراً تلوار کی نوک سے معاہدہ کو چاک کیا اور فوجیں لے کر میدان جنگ میں پہنچ گئے، وہ صلاح الدین ہی تھا جو بار بار انہیں معاف کرتا تھا، ان کی غلطیوں سے چشم پوشی کرتا تھا، ان کی لغزشوں سے درگزر کرتا تھا۔

۲۲ نومبر ۱۱۸۰ء کو ایک مجلس مصالحت کی صدارت کرتے ہوئے جو سمیساط میں منعقد ہوئی تھی اور جس میں شاہان عراق، موصل، جزیرہ، اربل، کیفا اور ماردین، نیز سلطان قونیہ اور بادشاہ آرمینیہ وغیرہ شریک ہوئے تھے، یہ عہد نامہ کرا دیا تھا کہ ایک مدت معینہ تک یہ سب آپس میں صلح سے رہیں گے اور کسی طرح کا ہنگامہ کر کے امن و امان کو درہم برہم نہیں کریں گے۔

تمام والیان ملک جو اس کی دسترس میں تھے۔ ان سب کا وہ بلاشبہ بادشاہ تھا لیکن اس غرض کے لئے کہ وہ تمام اسلامی دنیا پر بغیر کسی خدشے کے حکومت کرے اُسے ابھی ایک اور کام بھی کرنا تھا، مشرق اور شمال کی طرف سے اب اُسے کسی بات کا خوف نہ تھا،

موصل کا غرور اب ٹوٹ چکا تھا۔ اور قونیہ کا سلجوقی سلطان بھی اب دوست ہو گیا تھا لیکن ابھی تک زمین کی وہ پتلی سی پٹی یعنی باقی تھی جو پہاڑیوں کے سامنے ساحل شام پر انطاکیہ سے لے کر عسقلان تک پھیلی ہوئی تھی۔ دریائے عاصی اور دریائے اردن کے پار والے شہر اور جبل البنان کے پہاڑ اور سب سے بڑھ کر خود یروشلم کا شہر جو مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں کی نظر میں مقدس اور متبرک تھا یعنی دشمن کا وہ علاقہ جو سلطان کی سلطنت کو سمندر سے جدا کرتا تھا، اور وہ قلعے، شہر اور مقدس مقامات جو دشمن کے دست تصرف میں تھے یعنی دریائے اردن کی وہ وادی یمن و سعادت جہاں عیسائیوں کے ناقوس کی کرخت آواز موذن کے شیریں لحن کے مقابلہ میں ناگوار معلوم ہوتی تھی۔ یہ چیز سلطان کی پہاڑیاں تھیں، جو بادشاہِ اسلام و اسلامیان کی خفت اور بدنامی کا باعث ہو رہی تھیں، جب تک مقدس اور متبرک شہر ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کے قبضہ اور حفاظت میں نہ آ جائے گا اور جب تک افرنجیوں کی حکومت کو غارت نہ کر دیا جائے گا اُس وقت تک بادشاہانِ اسلام کو چین اور آرام نصیب نہ ہوگا۔

الرہا، سروج، رقہ، قرقیسیہ، نصیبین وغیرہ مقامات پر قبضہ کر لیا۔

یہاں سے فارغ ہو کر صلاح الدین موصل کی طرف بڑھا، ۱۰ نومبر ۱۱۸۲ء کو اس کی فوجیں موصل کا محاصرہ کئے پڑی تھیں، محاصرہ کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے نے سنجار پر چڑھائی کی، اور ایک خوں ریز جنگ کے بعد اس پر قبضہ کر لیا، فروری ۱۱۸۳ء میں صلاح الدین کا لشکر یاروین کی طرح فاتحانہ شان سے بڑھا، یہاں کے لوگ بہادروں کی طرح لڑنے نکلے لیکن صلاح الدین کا لشکر دیکھ کر عورتوں کی طرح بھاگ گئے۔!

۲ مئی ۱۱۸۳ء کو صلاح الدین نے ایک اور مقام شہر آمد پر قبضہ کر لیا، ۱۲ جون ۱۱۸۴ء کو سلطان کی فوجیں حلب پر قابض ہو گئیں، سلطان نے ازراہ کرم والی سنجار کو اس کی مملکت بخش دی جو اس کے قبضہ میں آ چکی تھی،

ان شاندار فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے فرنگی مؤرخ رقمطراز ہے:۔

حلب پر قبضہ ہو جانے سے صلاح الدین اب تمام مسلمان بادشاہوں میں سب سے طاقتور بادشاہ ہو گیا، دریائے دجلہ سے رود نیل تک اور ساحل افریقہ پر طرابلس الغرب تک بڑے بڑے شہر اور مختلف قومیں اس کے زیر نگین ہو گئیں مکہ معظمہ سے بغداد تک مسجدوں میں اسی کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا، جب پاپائے روم[1] کو صلاح الدین خط لکھتا تھا تو اپنے کو تمام مشرق کے بادشاہوں کا بادشاہ لکھتا تھا اور حقیقت میں مشرق کے

---

[1] سلطان صلاح الدین کے بعض مراسلات لاطینی زبان میں شائع ہو چکے ہیں ان میں ایک مراسلہ ۱۱۸۳ء کا ہے جو بھیجا ہوا پاپائے روم کے نام کا ہے۔ یہ ایک خط کی رسید ہے جو اولیسیدو تاس کی معرفت سلطان کو بھیجا گیا تھا خط میدان جنگ کے متعلق تھا۔ اس سے پہلے کی بھی ایک تحریر جو العادل نے لیوکریس ثالث کو لکھی تھی اس کا بھی یہی مضمون تھا۔ دو خطوط اور بھی ہیں جو فریڈرک باربروسا کو لکھے گئے تھے اور ایک خود قیصر کی طرف سے صلاح الدین کے نام کا ہے۔ (مؤلف)

مسلمانوں کو پریشان کیا ہو، حاجیوں، مسافروں اور تاجروں کو لوٹا ہو، یہ بیک وقت کئی خصائص کا حامل تھا، یہ بہت بڑا سازشی بھی تھا، خود غرض اور مفاد پرست مسلمانوں سے ساز باز کرتا رہتا، یہ عہد شکن اور غدار بھی تھا، بظاہر دوست بنا رہتا، اندر اندر سازشیں کرتا رہتا، بظاہر معاہدوں کے احترام میں پیش پیش رہتا، لیکن درحقیقت اس کی نظر میں معاہدوں کی وقعت ردی کاغذ سے زیادہ نہیں تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ریجی نالڈ صرف ایک دشمن اسلام و مسلمین عیسائی ہی نہیں تھا، وہ حد درجہ بد باطن اور خبیث النفس بھی تھا، اس کے ناپاک ذہن میں ایسی ایسی شرارتیں آتی رہتی تھیں، اور ایسی ایسی ترکیبیں سوچتا رہتا تھا جو مسلمانوں کے لئے حد درجہ دل آزار، تکلیف دہ، اشتعال انگیز اور ناقابلِ برداشت تھیں،

ریجی نالڈ نے کیا کیا؛ اور پھر اس کی سرکوبی کرنے اور مکمل سرکوبی کی پوری طاقت رکھتے ہوئے بھی سلطان صلاح الدین نے اس کے ساتھ کیا کیا یہ تاریخ کا ایک دلچسپ اور ناقابلِ فراموش صفحہ ہے، یہ واقعہ ہم اسلامی مورخوں کے بجائے ایک عیسائی مورخ لین پول کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں ۔

حلب کے دو ماہ کے قیام میں صلاح الدین وہاں کا انتظام کرتا رہا، کسی کو عہدے دیئے، کسی کو جاگیر دی، شہر اور قلعہ جو حلب سے متعلق تھے، ان کا نظم و نسق درست کیا۔ ۲۴ اگست ۱۱۸۳ء کو حلب سے دمشق روانہ ہوا۔ اور اس زمانے سے باقی عمر میں دمشق ہی اس کا صدر مقام اور دار الحکومت رہا، جس زمانے میں وہ بلادِ شمال کی طرف گیا ہوا تھا تو دمشق میں بہت سے حالات پیش آ گئے تھے، اس کا بہادر بھتیجا اور نائب السلطنت یعنی فرخ شاہ انتقال کر چکا تھا، فرنگی بہت گستاخ اور دلیر ہو گئے تھے، اُن کی لوٹ مار بصرے اور زرعہ تک پہنچی تھی، بلکہ بڑھتے بڑھتے اُن کی تاخت و تاراج کا یہ سلسلہ دریہ تک پہنچ

غدار ریجی نالڈ اور روادار صلاح الدین

صلاح الدین کی یہ خوبی تھی کہ وہ دشمنوں، غداروں، پیمان شکنوں اور بدعہدوں کے ساتھ بھی زیادہ سے زیادہ رعایت کرتا تھا، ان عیسائیوں نے بدعہدی اور غداری کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا، تین مرتبہ صلاح الدین نے طرح دی، ٹالا، ان کی غلطیاں معاف کیں، جب انہیں صلح پر مائل دیکھا صلح کر لی، ان کے نقصانات کی تلافی تک سے دریغ نہ کیا لیکن ان رعایتوں اور رواداریوں، احسانوں، اور نوازشوں سے ان بدبختوں نے ہمیشہ ناجائز فائدہ اٹھایا، ان کے حوصلے بلند ہوتے رہے، ہمت بڑھتی رہی، وہ تاک میں لگے رہتے۔ جب کوئی موقع ملتا، ہر عہد، ہر پیمان اور ہر شرط کو فراموش کر کے شرارت اور امن شکنی پر اتر آتے،

جن عیسائی امیروں سے سلطان صلاح الدین نے معاہدۂ امن و صلح کیا تھا، ان میں ایک امیر ریجی نالڈ بھی تھا، یہ حزین کا فرماں روا تھا، شہر کرک کو اس نے کافی مستحکم کر لیا تھا کرک کا قلعہ تو گویا ناقابلِ تسخیر تھا،

ریجی نالڈ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ امن شکنی کی ہو، معاہدے توڑے ہو

اندلس کا رہنے والا مشہور سیاح ابن جبیر جو ۱۱۸۲ء میں اسکندریہ میں مقیم تھا، اس زمانہ میں ریجی نالڈ کی فوج کے چند آدمی قید کر کے وہاں لائے گئے تھے، یہ قیدی اونٹوں کی پیٹھ پر بندھے تھے ان کے منہ اونٹوں کی پیٹھ پر بندھے تھے، اُن کے منہ اونٹوں کے دموں کی طرف تھے۔ ڈھول اور نقارے بجتے جاتے تھے اور خلقت شور مچاتی ہوئی ساتھ تھی ابن جبیر سیاح لکھتا ہے کہ جس دن مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ ریجی نالڈ کے حملہ کی غرض کیا تھی اس دن جیسا طیش اور غصہ اُن پر طاری ہوا ایسا پہلے کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔ مسلمان غصے سے رو رو کر آپس میں کہتے تھے کہ کرک کے اس نصرانی امیر نے کس طرح بدوؤں کو رشوت دی اور ان کی معرفت اپنے جہاز صحرا میں سے لے کر بحر قلزم کے کنارے لایا۔ اور کس طرح اس نے عربوں کی بیس کشتیاں جلا دیں، اور جدہ کے قریب اس نے حاجیوں کے ایک جہاز کو پکڑ لیا عیذاب کی بندرگاہ میں جہاز سے اُتر کر ایک کارواں کو جو نیل کے کنارے مقام کوش میں اُترا ہوا تھا اور کارواں کے کسی آدمی کو زندہ نہ چھوڑا۔ اور کس طرح یمن کے دو جہازوں کو جو مکہ اور مدینہ کو سامان سے بھرے ہوئے جا رہے تھے لوٹ کر یہ دشمن عرب میں داخل ہوا۔ اس داخلہ سے اس کی ناپاک غرض یہ تھی کہ مدینہ طیبہ کو وہ مسمار کرے اور مزار شریف سے جسد مبارک نکال کر پھینک دے۔ کبھی ایسی خوف دلانے والی خبر نہ سنی گئی تھی، الحمدللہ کہ امیر بحر لولو نے اپنے تیز رفتار جہازوں سے جن کے چلانے والے مغربی قطعے کے لوگ تھے، ان موذی کافروں کو گرفتار کر لیا۔ اور یہ آفت مسلمانوں کے سر سے ٹل گئی۔

صلاح الدین کا پہلا مقصد اس وقت شام واپس آنے سے یہی تھا کہ ان افرنجیوں کو ان کی بیباکی اور بیہودگی کی سزا دے، حلب کے زمانہ قدیم میں اپنی جن فوجوں کو بطور

چکا تھا جو دمشق سے چند میل کے فاصلہ پر تھا، یہاں کھڑی فصلیں اور سیب کے باغات ویران
کئے بلکہ جو کچھ سامنے آیا اُسے غارت کر دیا، علاقہ سعید میں آکر وہاں کے ایک پہاڑی
قلعہ پر قبضہ کیا۔ یہ قلعہ مسلمانوں کو بہت عزیز تھا، حونین کے رنجی نالڈ نے جزیرہ نمائے
عرب پر فوج کشی کا قصد کیا تاکہ مدینہ طیبہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک کو
منہدم کرے اور مکہ میں کعبہ معظمہ کو مسمار کرکے زمین کے برابر کر دے، قلعہ کرک میں اس نے
جہاز ایسے تیار کرائے جن کے ٹکڑے ہو سکتے تھے، تیاری پر ان ٹکڑوں کو وہ کرک سے خلیج
عقبہ کے ساحل پر لایا اور یہاں ٹکڑوں کو جوڑ کر جہازوں کا ایک بیڑا تیار کیا اور عیذاب
کو لوٹنے چلا، عیذاب بحر قلزم کے افریقہ والے ساحل پر واقع تھا، وہ جہاز بیچ میں ڈال
کر اس نے ایلہ کا بحری راستہ بند کر دیا، مسلمانوں کو خبر لگی تو ان کا جہازی بیڑا عیسائیوں
کے بیڑے کے تعاقب میں چلا، اس بحری بیڑے کا امیر البحر لولو تھا، اس نے آتے ہی پہلے
تو ایلہ کا بحری راستہ کھولا اور اپنی فوج لئے الحوراء تک آیا جو بحر قلزم کا ایک چھوٹا سا
بندرگاہ تھا، یہی بندرگاہ تھا جہاں سے رنجی نالڈ نے مدینہ طیبہ پر حملہ کا ارادہ کیا تھا لیکن
افرنجیوں نے جونہی اسلامی فوجوں کو آتے دیکھا تو ایسے گھبرائے کہ جہازوں سے اتر کر پہاڑوں
کی طرف بھاگے کہ وہاں چھپ جائیں۔ لولو نے بدوؤں سے گھوڑے لے کر اپنے سپاہیوں کو
ان پر سوار کرایا اور دوڑ کر دشمن کو غار رود باغ میں جا پکڑا اور وہاں اُن کے ٹکڑے اڑا دیے
رنجی نالڈ اس گڑبڑ میں خود فرار ہوا، مگر اس کے ساتھ والوں میں سے بہت لوگ قتل کر دیے
گئے۔ لولو نے جان کی امان کسی کو نہ دی البتہ لڑائی کے چند قیدیوں کو البتہ مکہ اس غرض سے روانہ
کیا گیا کہ وہ وادی منیٰ میں بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیئے جائیں اور اس طرح کسی کے
دین کی بے حرمتی کی سزا اٹھائیں۔

اس کے علاوہ شام کے بڑے بڑے مسیحی رئیس اور مالکانِ اراضی تھے جیسے کہ لوسگنان کا گائی
حرنین کا ریجی نالڈ بالدون ابلین کا بالیان، صیدا کا ریجی نالڈ، قیساریہ کا والٹر، اور
کورتنی کا جوسلن۔

باوجود اس کے لڑائی کا کوئی قطعی نتیجہ نہ نکلا۔ لڑائی دست بدست ہو رہی تھی جس
میں ایک کی نظر دوسرے کے سامنے تھی۔ صلاح الدین کی فوج منقلا میں پانچ ہزار سوار
تھے۔ جنہوں نے سخت خونریزی کی لیکن وہ عیسائیوں کے نیزہ برداروں کی صفوں کو نہ توڑ
سکی۔ اور آخر کار دونوں لشکر ایک دوسرے کے محاذ نبانیہ اور عین جالوت کے میدانوں میں
پڑ رہے۔ دونوں لشکروں میں مشکل سے ایک میل کا فاصلہ تھا۔ اب ایک غیر معمولی تاخیر پیدا
ہوئی۔ پانچ دن تک عیسائی لشکر بے حس و حرکت رہا۔ فوجی سرداروں میں صرف اس مسئلہ
پر بحث ہوتی رہی کہ لوسگنان کے اختیارات کو قطعی تسلیم نہ کیا جائے۔ سوائے اس بحث
کے انہیں دوسرا کام نہ تھا۔ اس اثناء میں صلاح الدین نے بلند مقامات پر قبضہ رکھنے کے لئے
اپنی فوجیں وہاں بٹھا دیں اور اب مجاہدین صلیب کو معلوم ہوا کہ وہ تو چاروں طرف سے
دشمن میں گھرے بیٹھے ہیں اور ہر قسم کی رسد کی آمد بند ہے۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ عیسائیوں کے
لشکر میں آدمیوں کی تعداد اس طرح بڑھی کہ اٹلی کے تاجر پیسا لمبارڈی اور جینوا کے لوگ
جوق جوق اپنے جہازوں کو چھوڑ کر صلیبی سپاہ میں شامل ہونے کو چلے آئے۔ یہ لوگ نہ
تو ہتھیار چلانے جانتے تھے اور نہ انہیں آتے وقت اس بات کا خیال ہوا کہ کھانے کو کہاں
سے آئے گا۔ اور نہ انہیں تکلیف کی زیادہ برداشت تھی۔ غرض تھکن اور بھوک کی جنہیں سب سے
پہلے تکلیف ہوئی وہ یہی لوگ تھے، کھانے پینے کی کوئی چیز اس حلقہ سے نکل کر جو مسلمانوں نے
صلیبیوں کے گرد باندھ رکھا تھا، عیسائیوں تک نہ پہنچ سکتی تھی۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ

کر کے انہیں اپنے وطن جانے کا حکم دے دیا تھا انہیں پھر واپس بلایا۔ اور جنوب کی سمت میں جا کر صحرا میں قیام کیا اور پھر کافروں سے لڑنے کے لئے دریائے اردن ۲۹ ستمبر کو عبور کیا۔ اور شاداب علاقہ الغور کو تاراج کیا بیسان میں آیا تو اس کے باشندے ڈر کے مارے کہیں نکل گئے تھے پس اس مقام سے لوٹ کر اس میں آگ لگا دی۔ آگے بڑھ کر وادی جرزیل میں پہنچ کر جالود کے چشموں پر اپنا لشکر اتارا یہ چشمے جبل جلبوا کے نیچے واقع تھے، یہاں سے اس نے قراول فوجیں جو سلطان نورالدین کی بڑی آزمودہ کار فوجیں تھیں انہیں روانہ کیا۔ انہوں نے ملک کو بہتر اور ناصرہ کے پہاڑیوں تک لوٹا اور غارت کیا۔ افرابلہ پر قبضہ کیا۔ افرنجیوں کی ایک فوج کرک سے صفوریہ کو اس غرض سے جا رہی تھی کہ صفوریہ میں عیسائیوں کے بڑے لشکر سے جا ملے۔ جب اس فوج کا اسلامی فوج سے مقابلہ ہوا تو عیسائیوں کو سخت شکست ہوئی، اسلامی فوج سے صرف ایک آدمی کام آیا۔ اس سانحہ کے پیش آتے ہی لوسگنان کا گائی جو بادشاہ بالدوین کے زمانہ میں علالت میں سپاہ کی سرداری کرتا تھا اس نے لشکر برخاست کیا اور ناصرہ کی پہاڑیوں سے نکل کر دوسری طرف میدان میں آیا۔ اور یہاں سے الفولہ کو روانہ ہو گیا۔ اس قطعہ زمین کو افرنجی اپنی زبان میں فابایا لافیوی کہتے تھے۔ یہاں صلاح الدین نے افرنجیوں سے جنگ کی۔

بڑے بوڑھوں کا بیان تھا کہ انہوں نے اس سے پہلے فلسطین میں صلیبیوں کی اتنی صفیں جنگ کے لئے آراستہ نہ دیکھی تھیں۔ ایک ہزار تین سو بیس سوار (نائٹ) اور بے شمار اچھے ہتھیار رکھنے والی پیدل فوج حاضر تھی، ان پیدلوں میں یورپ کے بڑے بڑے شرفا موجود تھے مثلاً ہنری - لوورین کا ڈیوک ہلینی کا رالف جو فرانس میں اکر تین کے علاقہ

کہ کہیں شادی کی ضیافتیں موت کا کھانا نہ ہو جائیں۔ صلاح الدین اور اس کے ملوک زبردستی راستہ نکالتے ہوئے شہر میں گھس پڑے۔ ترنجی نالڈ نے خندق کے پل سے گذر کر قلعہ میں بھاگ کر آنا چاہا، ابھی جان کا خطرہ دور نہ ہوا تھا کہ ایک مسیحی نائٹ نے تن تنہا پل پر کھڑے ہو کر دشمن کو اس طرح روکے رکھا، جیسے کہ رومائے قدیم کی تاریخ میں ہوریشیو نے تنہا غنیم کو پل پر کھڑے ہو کر شہر میں داخل نہ ہونے دیا تھا۔ شہر میں فوج تھی اس نے اردن کے پل کے ستون کاٹنے شروع کئے تاکہ پل کے گذرنے سے قلعہ میں داخل ہونے کا راستہ نہ رہے اور ترنجی نالڈ کی جان بچ جائے۔ غرض اس طرح شہر پر تو صلاح الدین کا قبضہ ہو گیا اور ترنجی نالڈ قلعہ میں رہا۔ صلاح الدین نے ترنجی نالڈ کو گوشت اور شراب یعنی شادی کی دعوت کا کھانا اپنی طرف سے بھیجا گویا وہ بھی شادی کی ضیافت میں شریک ہوا ہے۔ السلطان نے اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ کوئی تیرانداز اس برج پر جس میں دولہا دلہن تھے تیر یا خدنگ نہ چھوڑے

صلاح الدین نے اس غدار ترنجی نالڈ کو اس کی شرارتوں کا مزہ چکھا دیا، اس کی کمر توڑ دی، لیکن اسے جان سے نہیں مارا صرف ایک سبق دے دیا۔ تاکہ آئندہ یہ احتیاط کرے اور اس طرح کی حرکتوں سے باز آ جائے، اس نے کرک کے قلعہ سے محاصرہ اٹھا لیا، پھر سماریہ کے علاقوں، نیز نابلس کے باغوں اور کھیتوں ________ زیتون کے باغوں اور خربوزے کے کھیتوں ________ کو پامال کرتا ۱۶ر دسمبر ۱۱۸۴ء کو پھر دمشق واپس آ گیا، اب دمشق ہی اس کا مرکز تھا۔

اہلِ حلب میں سخت قحط پڑا۔ زمانہ وسط اکتوبر کا تھا۔ برسات قریب آرہی تھی صلاح الدین
نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح صلیبی جنگ پر آمادہ ہوں مگر وہ نہ لڑے اور جہاں تھے،
آخر کار وہاں سے بھاگنا شروع کر دیا۔ کمانوں سے نکلے ہوئے تیر اڑ اڑ کر ان کا تعاقب
کرتے تھے۔ غرض یہ فراری عیسائی بیحد شرمندہ و خجل صفوریہ میں آئے۔ یہی وہ مقام تھا،
جہاں سے بڑی شان سے صفیں باندھ کر وہ لڑنے نکلے تھے،

اسی ماہ اکتوبر میں صلاح الدین دمشق سے نکل کر کرک پہنچا تاکہ حزنین کے رجی نا
سے اپنا حساب برابر کرے۔ مگر اس مکار قزاق کو گرفتار کرنے یا اس کے قلعہ میں داخل ہونے
کی کوشش بیکار رہی، اگر قلعہ کرک کے محاصرے میں صلاح الدین کے ساتھ العادل کا لشکر
بھی ہو گیا تھا، مسلمانوں کے سات منجنیق برابر قلعہ کرک پر پتھر برساتے رہے مگر قلعہ کی دیوار
ایسی مضبوط تھیں کہ ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ جب معلوم ہوا کہ یروشلم کی عیسائی فوجیں محصور
کی کمک پر آرہی ہیں تو صلاح الدین اپنے لشکر کو لے کر وہاں سے ہٹ گیا اور دل میں
پیچ و تاب کھاتا دمشق واپس آیا۔ سال آئندہ کے موسم بہار میں (یعنی ۱۳ اگست ۱۱۸۴ء
میں) اس نے قلعہ کرک کو فتح کرنے کی دوبارہ کوشش کی، کیونکہ جب تک حزنین کا رجی نا
زندہ تھا ملک میں امن و سلامتی کی امید رکھنی عبث تھی، لیکن اس دفعہ کا محاصرہ بھی
صلاح الدین کا پانچواں محاصرہ تھا، سابق کے محاصروں کی طرح بیکار ثابت ہوتا معلوم
ہوتا تھا۔ شروع میں امید ہوئی کہ مسلمانوں کی محنت اور جانفشانی کی داد ملنے والی ہے
قلعہ کرک ان کے ہاتھ پر فتح ہو جائے گا۔ شہر کرک کے لوگ اس وقت لڑنے کی جرا
نہ تھے۔ سارا شہر ناچنے گانے والیوں سے بھرا تھا۔ کیونکہ بادشاہ یروشلم کی سوتیلی بہن
کی شادی تبنین کے ہمفری رابع سے ہونے کی تیاری میں خوشیاں منائی جارہی تھیں

کرتی تھیں - اس کے کاروباری پر رونق بازاروں سے بابل - ایران اور ہندوستان کے دور دور مقامات کا مال گذرتا تھا - اور اس مال کی درآمد برآمد ایک از بار رفتہ زمانے سے کاروانوں کے ذریعہ ہوا کرتی تھی ، فرات میں کشتیوں سے تدمور یا حلب کے راستے یہ قیمتی مال دمشق سے گذرتا ہوا بحر متوسط کے بندرگاہوں میں پہنچتا تھا ، یا پھر وہاں سے جنوب میں مصر یا عرب کی طرف جاتا تھا - دمشق ہی وہ مقام تھا جہاں بدوؤں کی آوارہ گرد قوم کے بے شمار قبیلے گرمی جاڑے آتے اور صحرا کی ہلکی گھاس پر اپنے گلّے چراتے تھے - ہر سال عربستان اور دریائے فرات کی درمیانی زمین میں کنوؤں اور چشموں کے مشہور راستے گشت لگاتے رہتے - یہ قوم شتربانوں اور گلہ بانوں کی تھی جو دوسروں کی دولت کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچاتی تھی - اور اپنی حالتِ گلہ بانی میں جو چیزیں پیدا کرتی تھی ان کا تبادلہ سوداگروں کے مال سے کرتی تھی -

دولتمند اور کثرت سے آباد دمشق کو یہ باتیں اس وجہ سے میسّر تھیں کہ اس کا موقع مرکزی تھا اور دیگر قدرتی فوائد اسے حاصل تھے - یونانی اسے "سب سے زیادہ حسین شہر" کہتے تھے - عربوں نے اس کا نام "دنیا کی عروس" اور "باغِ عالم" رکھا تھا - اور اگر کوئی برج فتح پر چڑھ کر اس قدیم شہر پر نظر ڈالے تو پھر اس کی سمجھ میں آسکتا ہے کہ دمشق کے رہنے والے کیوں اسے دنیا میں جنت کا نمونہ سمجھتے ہیں - برج فتح جبل لبنان کے مغربی سلسلے کی چوٹی پر واقع ہے - اور یہ سلسلہ دمشق کے قریب ہی سے گذرا ہے - وہ مشہور ہموار قطعۂ زمین جسے خطہ دمشق کہتے ہیں ، نہایت شاداب اور سیر حاصل ہے گو وہ شام کی ارضِ مرتفع میں شامل ہے جس کی بلندی سطحِ بحر سے دو ہزار فیٹ ہے - مگر اس کی فضا اور خوش نمائی دمشق کے قریب کے بھورے رنگ کے ریگستانوں اور صحرا اور ادھر کی بے برگ اور خشک

دمشق

سلطان صلاح الدین مصر سے ایسا آیا کہ پھر وہ شام ہی کا ہو کر رہ گیا، پھر اسے مصر
جانے کی مہلت نہ ملی، اب اس کا پایہ تخت دمشق تھا ———— جنت الشرق

عروس البلاد دمشق

اس اثناء میں صلاح الدین اپنی قلمرو کے انتظام میں اپنا وقت صرف کرتا رہا۔ دمشق
پھر بادشاہی مستقر ہو گیا تھا، صلاح الدین کہا کرتا تھا کہ شام (یعنی دمشق) سلطنت کی بنیاد
بنیاد ہے، روما کا قیصر جولیان دمشق کو "چشم مشرق" کہا کرتا تھا، تاریخ کی ابتداء سے پیشتر
دمشق ایک بڑا شہر تھا جس وقت سے حضرت ابراہیمؑ نے الیعزر کو وہاں کے باشندوں میں
سے اپنا ذکر کیا تھا، اس وقت سے ملک شام میں اس قدیم عاد السیادت کو شہرت ہو گئی
بادشاہ حزقیل کے دورِ حکومت میں اس کی تجارت شہرۂ آفاق ہو چکی تھی، اور بندرگاہ صور
کو یہ لکھا گیا تھا کہ "دمشق تیرا تاجر ہے جو تیری بنائی ہوئی چیزوں سے سب کی دولت میں
اضافہ کرتا ہے۔" مشرق کی تمام پرانی سلطنتوں میں دمشق نے یہی بات دکھائی کہ جو طاقت
تھا وہاں کا دار الحکومت بنا۔ اور یہی وہ جگہ تھی جہاں دنیا کی مختلف قومیں آ کر باہم ملتی

چٹانی پہاڑیوں کی وجہ سے دوبالا ہو جاتی ہے۔ انہی پہاڑیوں اور ریگستانوں میں سے
روو بروہ جسے یونانی دریائے زرافشاں کہا کرتے تھے اپنا راستہ نکالتا ہے۔ اور سات شاخوں
میں پھیل کر اس قطعۂ زمین کو سیراب اور چشمۂ حیات بناتا ہے اور میلوں تک ایک ہرا بھرا
کھیت کی پہاڑیوں سے لے کر صحرا کے کنارے تک لہلہاتا نظر آتا ہے اور اس وسیع سبزہ زار
کے بیچوں بیچ ایک حلقۂ زمردیں ایسیوں، نارنگیوں، پھولوں اور قسم قسم کے میووں کے
باغات کا ہے، ہر طرف پانی کے گرنے کی آواز سنائی دیتی ہے اور پھر اس پر فضا سرسبز
حلقہ کے بیچ سے رومانیوں کے وقتوں کی فصلیں کھڑی دکھائی دیتی ہیں۔ اور اس شہر پناہ
کے اندر نظر ڈالیے تو کچے مکانوں کا خاکی رنگ کا ایک سمندر لہریں مارتا دکھائی دیتا
ہے۔ اور اس میں ایک طرف مسجد اموی کا بلند گنبد جو کسی زمانے میں یوحنا کا مشہور کلیسا
تھا شہر کا تاج بنا کھڑا ہے اور اس کلیسہ سے بھی پہلے یہاں بت ریمن تھا۔ گو قدامت
کے اعتبار سے اس شہر کی عمر فن تاریخ کی تدوین کے برابر ہے۔ مگر اب بھی تر و تازگی میں
وہ موسم بہار سے کم نہیں ہے۔ دمشق! اے مشرق کے موتی اتوا پنے ہی گلاب کی کلی کی
طرح کھل کر پھول بنتا ہے اور اپنے ہی لیموں کے پھول کی خوشبو کی طرح تو نے عالم کو
مہکا رکھا ہے۔

ہر تاریخی انقلاب جو زمانے کے ہاتھوں اس پر گزرا اس نے اپنا کوئی نہ کوئی نشان
ضرور دمشق میں چھوڑا۔ محلات سنگ سرخ کے دروازے جن کے کواڑوں پر تانبے کی میخیں جڑی
ہیں۔ پرانی شہر پناہ جس کی دیواروں کا آثار پندرہ فیٹ اور بلندی بیس فٹ کی ہے
جن کی بنیاد کسی پہلے زمانہ کی زبردست سنگین چٹانی پر رکھی گئی ہے۔ گوشوں پر
برج جہاں سے پرانے زمانے کے تیر اندازوں نے بڑے بڑے حملہ آوروں کو

تیروں سے پس پا کیا تھا۔ یہ سب رومانی یادگاریں ہیں۔ وہ راستہ جس کا نام "وایا ریکٹا" یعنی "راہ مستقیم" تھا اب تک شہر کے ایک مشرقی دروازے سے اسی طرح شہر میں گیا ہے جیسا کہ اس زمانہ میں تھا جبکہ والی پولس مقدس طرطوس کا سائل تھا، صلاح الدین کے مقبرے کو جاتے ہوئے راستہ میں ایک مسجد کی کھڑکی کی محراب پر ایک پتھر اب تک لگا ہوا ہے، جو کسی پرانے کلیسہ کی پیشانی پر نصب تھا۔ اس پتھر پر جو کچھ کندہ ہے اُسے مسلمانوں کے تیرہ سو برس کے روادارانہ دورِ حکومت نے کبھی نہ مٹنے دیا۔ کتبہ کا مضمون حسبِ ذیل ہے:۔

"اے مسیح۔ تیری بادشاہت ہمیشہ کی بادشاہت ہے اور وہ تمام پشتوں اور نسلوں میں ہمیشہ سے برقرار رہے گی۔"

صلاح الدین کے زمانے میں بھی دمشق میں مختلف رنگوں اور موقعوں کی وہی کیفیت ہوگی جو آجکل ہے۔ مسلمانوں کے لباس اور رسم و رواج میں تبدیلی بہت آہستہ آہستہ ہوتی ہے اور یہی قومیں صدیوں تک ایک ہی طرز کا لباس پہنے اس کے بازاروں میں چلتی پھرتی نظر آتی ہوں گی اور اس کے مکانوں کے سایہ دار صحنوں کے گرد نہایت خوشنما کمروں میں جس کی دیواروں پر نقش و نگار بکثرت ہوتے تھے رہتی بستی ہوں گی، جو حال پہلے تھا، وہی حال اب بھی ہے کہ شہر مختلف محلوں میں تقسیم تھا، ہر محلے کے گرد چار دیواری تھی اور رات کے وقت اس چار دیواری کے دروازے بند کر دیے جاتے تھے۔ ہر محلے میں ایک ہی قوم کے آدمی آباد ہوتے تھے۔ اب بھی یہی حال ہے۔ اور اس وقت بھی یہی کیفیت ہوگی، کہ دریائے بردہ (زرافشاں) نہایت احتیاط سے بنائی ہوئی نہروں میں ہو کر ہر بازار بلکہ مفلس سے مفلس کے گھر میں بھی آب رسانی کرتا ہوگا، لیکن غنیم کے حملوں، آگوں کے لگنے اور آدمیوں کی غارتگری اور ترکوں کی غفلت نے محلوں اور مسجدوں کی رونق کھو دی اور اب

صلاح الدین کی ایک جھلک

یہ صلاح الدین جو اپنے وقت کا بہت بڑا فاتح، بہت بڑا کشور کشا، بہت بڑا مجاہد اور بہت بڑا مرد صالح و نیکو کار تھا، جس کے کارناموں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں، جس کا لوہا دوست دشمن سب مانتے ہیں، جس کی فراست، ذہانت، صداقت، دیانت، عدالت، شرافت اور مہر و مروت کا ساری دنیا لوہا مانتی ہے، جو دوستوں سے زیادہ دشمنوں پر مہربان رہتا تھا، قبل ازیں کہ اس کے آخری معرکہ ہائے حیات کا نظارہ کیا جائے خود اس کے روئے زیبا کی ایک جھلک دیکھ لی جائے تو زیادہ بہتر ہو گا۔

اندلس کا مشہور سیاح ابن جبیر ۱۱۸۴ء میں دمشق آیا تھا۔ یہ زمانہ وہ تھا کہ صلاح الدین کا قیام دمشق میں تھا۔ ابن جبیر نے اپنے سفرنامے میں مسجد اموی کی شان و شوکت اور وہاں کے عجائبات کا حال مفصل طور پر لکھا ہے۔ ان عجائبات میں ایک گھڑی کا ذکر بھی کیا ہے جو عجیب تھی جس میں پیتل کے عقاب گھنٹہ بجاتے تھے۔ ہر گھنٹے کے ختم ہونے پر گھڑی میں ایک دروازہ بند ہو جاتا تھا۔ رات کے وقت گھڑی میں سرخ روشنی سے گھنٹے معلوم ہوتے تھے۔ گھنٹوں اور گھڑیوں کا اندازہ ظرف میں پانی کے نیچے ہو جانے سے

یہ حال ہے کہ مسجد امری جہاں ساتویں صدی عیسوی کے خلفاء امیر المومنین بن کر مسلمانوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے اور دین کے متعلق ہدایتیں کرتے تھے۔ جہاں حضرت امیر معاویہ رض نے حضرت عثمان رض شہید کی خون آلودہ قمیص اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں منبر پر رکھ کر لرزتے اور کانپتے حاضرین کو دکھائی تھیں۔ اور یہی وہ مسجد تھی جہاں صلاح الدین نے نماز پڑھی تھی اسے آگ نے جلا کر خاک سیاہ بنا دیا۔ یہی وہ مسجد تھی جس کے فرش کا کاشانی کام ایران، ہندوستان اور بیزنطیہ کے کاریگروں کے کمال کا نمونہ سمجھا جاتا تھا۔ یہی وہ خدا کا گھر تھا جس کے مصارف تعمیر میں ملک شام کے سات برس کے خراج کے علاوہ جزیرہ قبرص سے سونے اور چاندی کی چیزیں اٹھارہ جہازوں میں بار کر کے لائی گئی تھیں[1]۔

---

[1] صلاح الدین ۔ لین پول

صدی عیسوی میں کیونکر دربار کیا کرتے تھے۔ بیبرس صلاح الدین کے خاندان کا ایک غلام
تھا سلطان ہو کر اس نے اپنا دربار اسی طرز کا قائم کیا جو اس کے آقائے سابق یعنی
صلاح الدین کا تھا، اس زمانے کا سلطان ایسا آدمی نہ ہوتا تھا کہ تنخواہ پاتا ہو اور کام کچھ
نہ ہو۔ بلکہ اسے اپنی ادنے سے ادنے رعیت کے برابر جفاکش اور محنتی ہونا ضروری تھا،
ہفتہ میں دو مرتبہ عدالت کے کمرے میں بیٹھنا پڑتا تھا۔ لوگوں کی شکایتیں سننا، رعایا کے
ساتھ جو جو بدسلوکیاں ہوتی ہیں ان کی تلافی کرتا۔ خط و کتابت بھی اس کو بہت کرنی پڑتی
تھی۔ گو سلطان صلاح الدین کے معتمد اور وزیر بڑے محنتی اور جفاکش لوگ تھے۔ جیسے کہ
شروع میں قاضی الفاضل اور عماد الدین اور بعد کو بہاؤ الدین گذرے تھے لیکن خط و کتابت
کے صیغہ میں بہت کچھ کام خود صلاح الدین کو کرنا پڑتا تھا۔ سلطان بیبرس کے زمانے میں
یہ حال تھا کہ ایک باقاعدہ سلسلہ سرکاری ڈاک کا تھا۔ جس کے ذریعہ سلطنت کا ہر حصہ
دار الحکومت سے متعلق ہو جاتا تھا۔ ہر ڈاک کی چوکی پر بدلنے کے لئے گھوڑے کسے
کسائے تیار رہتے تھے۔ ہفتہ میں دو مرتبہ جس قدر کیفیتیں عہدیداروں کے پاس سے آتی
تھیں انہیں پڑھ کر ان کے جواب لکھتا تھا۔ برید کے معمولی انتظام کے علاوہ کبوتروں کی
ڈاک بھی تھی۔ ڈاک کی مختلف چوکیوں پر کبوتر خانے ہوتے تھے جن میں یہ ڈاک لے جانے والے
کبوتر رہتے تھے۔ کبوتروں کو سدھایا جاتا تھا کہ جب پرچے لے کر اڑیں تو پہلے چوکی جو ملے
اس پر ٹھیریں۔ جو پرچہ کبوتر لایا ہے اسے کھول کر دوسرے کبوتر کے بازو میں نہ باندھا
جاتا تھا تاکہ وہ پرچہ دوسری چوکی تک پہنچا دے۔

خوش قسمتی سے ہمیں کسی قدر حالات صلاح الدین کے معتمدین خاص کے معلوم ہیں
جو خط و کتابت کے وسیع محکمہ کا کام چلاتے تھے۔ جو بانت جنگجو اور بہادر عماد الدین زنگی کے

بھی کیا جاتا تھا۔ ابن جبیر نے بیس درسگاہوں، دو بیمارستانوں کا جن میں مریضوں کا
علاج مفت کیا جاتا تھا۔ اور متعدد خانقاہوں کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ دمشق میں
ایک قصر ہے جہاں سلطان سکونت رکھتا ہے اور آج کل کے ایک محلے میں یہ قصر سب سے
علیحدہ واقع ہے۔ قصر کے قریب شہر کے باہر مغرب کی طرف دو میدان ہیں۔ میدان کیا سبز
مخمل کے ٹکڑے ہیں جو حسن اور خوش حالی کو ظاہر کرنے کے لئے کھول کر بچھا دیئے گئے ہیں۔
دریا ان دونوں میدانوں کے بیچ سے گذرا ہے اور یہاں کے درختوں کی قطاریں دریا کے
کنارے دور تک چلی گئی ہیں۔ درختوں کی یہ صفیں دیکھنے میں بہت ہی خوشنما معلوم
ہوتی ہیں۔ سلطان صلاح الدین یہاں گھوڑ دوڑ اور چوگان بازی کیا کرتا ہے۔ اس گھوڑ دوڑ
اور چوگان بازی کو دیکھنے میں بڑا ہی لطف آتا ہے۔ سلطان کے فرزند روز شام کے وقت
تیر اندازی کی مشق کے لئے یا گھوڑے دوڑانے یا چوگان کھیلنے آیا کرتے ہیں۔

اندلس کا یہ سیاح سلطان اعظم کی ایک جھلک اس عمل میدان پر چوگان کھیلنے
کی حالت کی بھی دکھاتا ہے۔ سلطان کے وقائع نگاروں یا اور مورخوں نے بھی اس سے
زیادہ نہیں لکھا ہے۔ جو اس اندلس کے سیاح کے قلم سے نکلا ہے۔ اسی سیاح کے سفرنامے
میں اس دوستی کا حال بھی پڑھنے میں آتا ہے جو سلطان اسامہ بن منقذ سے رکھتا تھا۔
اسامہ شاعر بھی تھا اور بہادر لڑنے والا بھی۔ شعر شاعری کے چرچے رہتے تھے۔ شطرنج بھی
جاتی تھی۔ صلاح الدین کو شطرنج کھیلنے کا بہت شوق تھا۔ لیکن ان آوازوں کی گونج
بہت ہی ہلکی ہے۔ ایک مسلمان فرماں روا کی زندگی کے حالات اور مشاغل بالخصوص
جیسا کہ صلیب کے زمانے کے بچھے معلوم کرنے کے لیے سلاطین مملوک کے مورخ کی طرف
رجوع کرنا ضروری ہے تا کہ دریافت ہو کہ سلطان بیبرس بادشاہ شام و مصر ترجمہ

سلطان کے ہمراہ ایک مرتبہ عراق میں ایک لڑائی کی وجہ سے گیا تھا تو وہاں ایک نظم میں لکھتا ہے کہ "نیل کو میرا سلام پہنچا کر کہنا کہ فرات میری تشنگی کو نہیں بجھا سکتا۔"

دوسرا عالم و فاضل جس کی رائے اور مشورے کو تسلیم کرنے سے کبھی صلاح الدین انکار نہ کرتا تھا وہ علامہ الحکاری تھا۔ یہ مشہور عرب فقیہہ تھا۔ اور یہ اپنے آقا صلاح الدین سے ایسا بے تکلف ہو کر ملتا تھا کہ کسی دوسرے کی اتنی مجال نہ تھی۔ حکاری کی وضع عجیب تھی۔ سر پر فقہا کا بھاری عمامہ اور باقی لباس ایک سپاہی کا ہوتا۔ یہ عالم کبھی صلاح الدین کی مجلس مشورت سے غیر حاضر نہ ہوتا۔ لیکن صلاح الدین کا دست راست جیسا قاضی الفاضل مصر میں تھا ویسا ہی شام میں عماد الدین اصفہانی معتمد سلطنت تھا۔ عماد الدین اصفہانی کو اکثر نسر کہتے تھے جس کے معنی عقاب کے ہیں۔ عماد الدین شاعری میں یگانہ، انشاپردازی میں استاد، فقہ میں کامل، النجوم اور اس کے اسرار کا رازداں مانا جاتا تھا۔ مذہبی مباحثوں میں زبردست تکرار کا چلانے والا تھا۔ شروع میں دمشق کے ایک مدرسہ میں معلمی کرتا تھا، پھر یہ مدرسہ اسی کے نام پر عمادیہ کہلایا جانے لگا، اور وہ شام کی سلطنت کی سیاسی مجلس کا صدر اور وہاں کا وزیر مال ہو گیا۔ سیاسی خط و کتابت فارسی اور عربی میں نہایت پر تکلف و پرشوکت طرز پر کرسکتا تھا۔ اس کا علم و فضل اس درجہ کا تھا کہ سلطان کے لئے وہ ایک بے بہا کارگزار ہو گیا تھا۔ آخر کار سلطان کو اس پر پورا اعتماد اور بھروسہ ہو گیا۔

علاوہ سلطنت کے ضروری کاروبار کے دربار کے مراسم بھی سلطان پر ایک بڑا بار تھے۔ عہد وسطیٰ میں مسلمانوں کے شاہی دربار کے قواعد نہایت نازک اور بکثرت تھے۔ اس وجہ سے شاہی محل کے متعدد عہدوں پر عہدیداروں کا انتخاب ان کے آپس کے رشک و حسد اور مراعات، ان کی خدمتوں کا صلہ خلعت و خطابات، جاگیرات کا خیال رکھنا، وقت اور توجہ کا محتاج

وزیر الجواد کو زنگی کے ساتھ حاصل تھی، وہی بات صلاح الدین کے وزیر قاضی الفاضل کو صلاح الدین کے ساتھ اس کی زیادہ وسیع سلطنت میں جو شہنشاہی کا درجہ رکھتی تھی حاصل تھی۔ الفاضل ترک نہ تھا اور نہ وہ عجمی تھا جیسا کہ اس زمانے میں اکثر سرکاری عہدیدار ہوا کرتے تھے بلکہ وہ ایک شریف و نجیب لخمی عرب تھا جس کی ولادت عسقلان میں ہوئی تھی۔ یہ بڑا عالی خاندان شخص تھا جس کے خاندان سے اکثر قاضی ہوتے آئے تھے۔ باب وزارت میں الفاضل کے ایک سابقی الخ نامی نے اس کے طرز تحریر کی بہت تعریف کی ہے۔ یہ تعریف طرز انشا کی ہے جس کی عمدگی سلطنت کے ایک معتمد کے لئے ضروری سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:۔

"الفاضل قلم اور سلاست کا بادشاہ تھا۔ فصاحت اور طرز بیان میں اس کو ایک ملکہ تاباں اور درخشاں حاصل تھا۔ اس کی ذہانت درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ اس کا طرز انشا جیسا عجیب تھا ویسا ہی دل آویز بھی تھا۔ وہ شریعت محمدی کی مثل تھا کہ تمام دوسرے قوانین کو منسوخ کر کے سب کی بنیاد بن گیا۔ خیال میں اصلیت اور تصور میں جدت رکھتا تھا اس نے انشاء کے پھول خوب برسائے اور یہ پھول حسین اور خوشنما تھے۔ یہی شخص تھا جس نے سلطنت کو اپنے حسن تدبیر سے چلایا اور اپنی تحریر میں انشاء کے موتی پروئے" وغیرہ وغیرہ باوجود عمدہ تحریر و کلام میں عجیب تفنن اور رزمی کے اس میں شک نہیں کہ قاضی الفاضل عوام کے حق میں ایک بڑا لائق ملازم تھا۔ اور صلاح الدین جب کبھی لڑائیوں پر باہر جاتا تو مصر کی سلطنت کا انتظام اکثر اسی کے سپرد کر جاتا تھا۔ مصر فی الواقع اب الفاضل کا اختیار کردہ وطن ہو گیا تھا۔ صلاح الدین جب آیا ہے تو الفاضل وزارت مال کے محکمہ میں ملازم تھا۔ وہ کبھی اپنے عزیز نیل سے دور رہ کر خوش نہ رہا تھا۔ چنانچہ جب

کو جلوس کے نکلنے کے لئے راستہ صاف رکھیں۔ ایک آدمی جلوس کے آگے نفیری بجاتا چلتا اور ایک مغنی اس کے پیچھے ہوتا تھا جس کا یہ کام تھا کہ پُرانے بادشاہوں کے کام نغمہ میں بیان کرتا چلے۔ اس کے ساتھ طبل بھی بجتے جاتے تھے۔ شعرا اپنی نظمیں گانے کے لہجے میں پڑھتے تھے۔ ان کے ہمراہ کمنچہ اور موسیل بجتا چلتا تھا تبردار تبر لئے سلطان کے آگے اور پیچھے ہوتے سلطان کے بائیں طرف امیر چوگان بادشاہی خنجر غلافوں میں بند لپیٹے ہوئے تھے، اور ایک دوسرا خنجر جس میں چمڑے کے تسمے ہوتے تھے سلطان کے دائیں طرف ایک آدمی کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ سلطان کے قریب ایک عصا بردار سونے کا عصا اونچا کئے چلتا تھا۔ اور کبھی اپنی نظر بادشاہ کی طرف سے نہ ہٹاتا تھا۔ بڑے بڑے امراء دولت جو سلطان کے پیچھے پیچھے چلتے تھے ان کا تزک و احتشام بھی سلطان کے تزک و احتشام سے کم نہ ہوتا تھا۔

جب رات کے وقت سفر میں کہیں قیام کرنا ہوتا تو سلطان کے آگے مشعلیں روشن ہوتیں اور جہاں قیام کرنا ہوتا وہاں پہلے ہی سے خدام جاکر خیمہ نصب کر دیتے تھے۔ اور یہاں بادشاہی ملازم شمع دانوں میں بڑی شمعیں روشن کئے حاضر رہتے۔ غلام اور تبردار مرکب سلطانی کے ارد گرد جمع ہو جاتے۔ سپاہی مل کر گاتے اور سوائے بادشاہ کے سب گھوڑوں سے اتر پڑتے۔ بادشاہ خیمے کے دروازہ کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اُتر کر دروازے سے آگے اپنے عالیشان مُدَوّر خیمہ میں داخل ہوتا۔ اس خیمہ سے باہر ایک چوبی خوابگاہ ہوتی جو خیمۂ خاص سے زیادہ گرم رہتی تھی اور ایک غسل کرنے کا کمرہ ہوتا جس میں پانی گرم کرنے کا سامان مہیا ہوتا۔ اور ان سب کے گرد قناتیں کھچی ہوتیں، غلاموں کا ہر اوقت مقررہ پر بدلتا رہتا۔ اور وہ گشت لگا کر مقررہ وقت پر سب چیزوں کی دیکھ بھال رکھتے۔ رات میں دو مرتبہ بڑے پہرے والے گشت کرتے تھے۔

تھا سپہ سالار سے لے کر طشت بردار، بکاول اور امیر چوگان تک کوئی نہ کوئی ضرورت ہوتی تھی اور کسی نہ کسی سے اُسے چشمک بھی ہوتی تھی - ان کے اِن جھگڑوں کا فیصلہ خواہ سرسری طور ہی پر ہو اس طرح کرنا پڑتا تھا کہ سب راضی خوشی اور سلطنت کے خیر خواہ رہیں۔

فوجوں کا معائنہ اور شاہی جلوس کا نکلنا ایسے معاملات تھے جن میں بہت سی رسوم اور قاعدوں کا لحاظ رکھنا ضروری تھا سلطنت۔ بذاتِ خود کم سے کم سلطان بیبرس کے دورِ حکومت میں) جلوس کے بیچ میں گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتا تھا، لباس بالکل سیدھا سادا سیاہ ریشم کا ہوتا تھا گلے میں ایک جُبہ ہوتا تھا جس کی آستینیں بہت چوڑی چکلی ہوتی تھیں - فولادی ٹوپی پر عمامہ بندھا ہوتا تھا، جبہ کے نیچے فولاد کی کڑیوں کا کرتا ہوتا تھا اور کمر میں ایک عربی سیف لگی ہوتی تھی - سامنے کوئی امیر کوکب شاہی کا چار جامہ جو جواہرات سے مرصع زر لفبت کا ہوتا تھا دکھاتا چلتا تھا۔ سلطان کے سر پر چتر کا سایہ ہوتا تھا جو زرد ریشم پر زردوزی کا کام رکھتا تھا - اور اس کی چوٹی پر سونے کا ایک عقاب بنا ہوتا تھا - یہ چتر کوئی شہزادہ ہاتھ میں لئے ہوتا تھا - اس کے ساتھ ایک دوسرے امیر کے ہاتھ میں شہنشاہی لوا ہوتا تھا - بادشاہ کے گھوڑے پر زرد ریشم یا سرخ اطلس کی پوشش ہوتی تھی - اور جلوس کے فوجی نشانات قاہرہ کے بنے ہوئے زرد ریشم پر کڑھے ہوئے تھے اور ان پر زرتار میں فوجی افسر کا نشان ہوتا تھا سلطان کے گھوڑے کے آگے دو غلام سفید گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے - ان کا ساز و سامان بڑا زرق برق ہوتا تھا - ان غلاموں کا لباس بھی زرد ریشم کا ہوتا تھا اور لباس کے حاشیوں پر زری کا کام ہوتا تھا اور ان کے پاس ایک ایک "کفیہ" یا رومال بھی اسی قسم کا ہوتا تھا - ان رومالوں کا کام یہ ہوتا تھا

وہ قاصد

سلیمان کا ارادہ صرف ایک آدھ دن تک رہنے کا تھا، لیکن احسان کے حسنِ اخلاق نے اُسے گرفتار کر لیا اور وہ کئی روز رہنے پر مجبور ہو گیا، احسان میں اتنی خوبیاں تھیں کہ تلاشِ بسیار کے باوجود جبریل کو کوئی ایسی بات نہیں ملی جس کی وہ گرفت کر سکتا اور جسے بہانہ بنا کر وہ سلیمان کی نظر میں اسے گرا سکتا! ——— دل کو دل سے راہ ہوتی ہے

احسان سراپا اخلاق و تواضع ہونے کے باوجود جبریل سے اچھی طرح نہیں ملا اور بالکل یہی کیفیت جبریل کی تھی، ظاہری رکھ رکھاؤ میں وہ طاق تھا، لیکن احسان سے آشنا جلنے لگا تھا کہ اس کی ظاہرداری صاف تصنع معلوم ہوتی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے وہ اپنی انتہائی نفرت کو خوش اخلاقی اور مدارات کے پردہ میں چھپانے کی ناکام کوشش کر رہا ہو۔

بادیہ کے دورانِ قیام میں طلحہ اور احمد کا یہ عالم تھا کہ عمار کی سربراہی میں شکار کو جانے کہاں کہاں نکل جاتے، دن بھر کے بعد تھکے ماندے آتے، شکار اگر ساتھ ہوتا تو اپنے ہاتھ سے پکا کر خود کھاتے اور دوسروں کو کھلاتے، ورنہ گھر کا کھانا کھاتے اور سو جاتے اور دوسرے دن پھر وہی پروگرام شروع ہو جاتا، سلیمان اور احسان میں بھی

یہ تھا وہ صلاح الدین جس کی ہیبت شمشیر نے مشرق و مغرب کو لرزہ براندام کر رکھا تھا جس کے جوش جہاد نے کوہ و صحرا کو پامال کر رکھا تھا جس کے سامنے نہ کسی بڑے سے بڑے لشکر کی کوئی اہمیت تھی نہ سلطان ذی شان کی، سارا یورپ متحد ہو کر ہر یورپین ملک کا بادشاہ اپنا مور و ملخ سا لشکر لے کر اس کے مقابلہ میں آیا لیکن کچھ نہ کر سکا ہیچ یہ ہے کہ مردِ میدان کی طرح آیا اور عورتوں کی طرح بھاگ گیا۔

ہے وہ ہے حوصلہ، محبت کرنے والے کا حوصلہ بھی کمزور ہو جاتا ہے۔

اسلم اس وقت عجیب کشمکش میں پھنس گیا تھا! ——— نہ اپنی جگہ پر بیٹھا رہ سکتا تھا، نہ اٹھ کر عائشہ کے پاس جا سکتا تھا ——— پہلی صورت خود اُسے معیوب معلوم ہو رہی تھی، اور دوسری کو عمل میں لانے کے لئے جو حوصلہ درکار تھا وہ مفقود تھا۔

اسلم چپ چاپ کھجور کے درخت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور عائشہ کی طرف دیوانہ وار دیکھ رہا تھا، اتنے میں اس کی سہیلی اپنی جگہ سے اُٹھی اور اٹھلاتی، بل کھاتی، نسیم سحر کی طرح اٹکھیلیاں کرتی اُسے اپنی طرف آتی دکھائی دی، اب تو بہت چکرایا،

"یا اللہ یہ جمیلہ اس طرف کیوں آ رہی ہے؟"

اتنے میں وہ قریب آگئی، اس نے کھڑے کھڑے اسلم کے سراپا پر نظر ڈالی، پھر کمر پر ہاتھ رکھ کر بڑے انداز سے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا آپ اپنا نام بتا سکتے ہیں؟"

"مجھے اسلم کہتے ہیں ——— اور اگر گستاخی نہ خیال فرمایا جائے تو میں پوچھنا چاہتا ہوں، آپ کا اسم شریف کیا ہے؟"

وہ مسکراتی ہوئی بولی، نام تو میرا جمیلہ ہے ——— لیکن کیوں پوچھ رہے ہیں آپ؟

اسلم :- کوئی خاص مقصد نہیں، یونہی پوچھ لیا،

جمیلہ :- آپ شاعر تو نہیں ہیں؟

اسلم :- (مسکرا کر) ہوں تو نہیں، ——— لیکن کاش ہوتا،

جمیلہ :- یہ کیوں، شاعر بننے کی حسرت کیوں پیدا ہو رہی ہے دل میں؟

اسلم :- تاکہ آپ کی شان میں ایک شاندار قصیدہ کہتا۔

خوب گاڑھی چھن رہی تھی، جب باتیں کرنے بیٹھتے تو دن ختم ہو جاتا اور رات شروع ہو جاتی مگر باتوں کا سلسلہ ختم ہونے میں نہ آتا تھا، جبریل اس گفتگو سے نہ صرف کوئی دلچسپی نہیں رکھتا تھا، بلکہ اسے بیزاری کی نظر سے دیکھتا تھا، جب ان دونوں میں گفتگو چھڑ جاتی، وہ بھی ادھر اُدھر کے بیر سپاٹے میں نکل جاتا اور گھنٹوں کی خبر لاتا،

رہ گئے اسلم صاحب خیمہ سے تو وہ بھی نکل جاتے، لیکن نہ طلحہ اور احمد کے ساتھ شکار کو جاتے۔ نہ جبریل کی معیت میں ادھر اُدھر کی سرگشت کرتے، نہ سلیمان اور احسان کی باتوں میں شریک ہوتے، وہ کبھی اس تالاب پر جا کر بیٹھ جاتے جہاں انہوں نے پہلی مرتبہ عائشہ کو دیکھا تھا اور اس کی جان بچائی تھی، کبھی عائشہ کے خیمہ کا طواف شروع کر دیتے، یہ طواف رائگاں نہ جاتا، کبھی کبھی انہیں اس کی جھلک نظر آجاتی، جس روز یہ قافلہ واپس جا رہا تھا اس روز حسب معمول اسلم تالاب کی طرف گیا اور وہیں جا کر بیٹھ گیا، جہاں پہلے دن بیٹھا تھا، تھوڑی دیر کے بعد دیکھتا کیا ہے کہ پانی بھرنے کے لئے عائشہ چلی آرہی ہے اس کے ساتھ وہ خوش جمال اور خوش اندام لڑکی جمیلہ بھی ہے۔ عائشہ مسکرا رہی ہے، اور جمیلہ ہنس رہی ہے۔ دونوں میں گفتگو کا سلسلہ جاری ہے، عائشہ کو دیکھ کر اسلم کا قلب ناتواں زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ عائشہ اسی جگہ بیٹھ گئی، جہاں سے بیٹھے بیٹھے ایک مرتبہ وہ تالاب میں گری تھی، اس کے پاس ہی جمیلہ بیٹھ گئی اور پانی بھرنے کے بجائے دونوں میں پھر باتیں شروع ہو گئیں، اسلم کا جی چاہا کہ اپنی جگہ سے اٹھے اور تیر کی طرح سیدھا عائشہ کے پاس پہنچ جائے اور ایک مرتبہ پھر الوداعی باتیں کرلے، باتوں کا موقع نہ ہو تو کم از کم اس کے دیدار سے جی بھر کے شاد کام ہو جائے، لیکن اس ارادہ کو عمل جامہ پہنانے کے لئے حوصلہ کی ضرورت تھی اور محبت میں سب سے پہلے جو چیز ہاتھ سے جاتی

جمیلہ :- اوہو آگئے آپ تو رنگ پر۔

اسلم :- میں تو خاموش بیٹھا ہوا تھا، آپ آکر چھیڑنے لگیں!

جمیلہ :- خدا سے ڈریئے حضرت ——— میں آپ کو چھیڑ رہی تھی؟

اسلم :- اور کیا کر رہی تھیں؟

جمیلہ :- مجھے تو آپ ——— بتایئے چلتے ہیں یا نہیں؟

اسلم :- شکریہ کا نذرانہ قبول کرنے؟

جمیلہ :- جی ہاں، جی ہاں ——— کے مرتبہ ایک ہی بات کہے جاؤں؟

اسلم :- عرض تو کر دیا! میں نہیں جاؤں گا، وہ خود آئیں،

جمیلہ :- گویا آپ انہیں نہیں چاہتے، وہ چاہتی ہیں آپ کو؛

اسلم :- سچ پوچھیے، تو وہ بالکل نہیں چاہتی ہیں، چاہتا صرف میں ہوں،

جمیلہ :- یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ ———؟

اسلم :- اچھا، چپ ہوا جاتا ہوں، جایئے تشریف لے جایئے!

جمیلہ :- یہ ہے آپ کا اخلاق؟ ——— مجھے دھکے دے رہے ہیں یہاں

اسلم :- میں تو خیر شہر کا رہنے والا ہوں، میرے پاس اگر اخلاق کی دولت کم ہے تو زیادہ تعجب انگیز بات نہیں لیکن آپ کی بہن تو بادیہ کی رہنے والی ہیں اور اہلِ بادیہ کا اخلاق ساری دنیا سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے! ——— آپ ہی بتایئے یہ اخلاق ہے کہ وہ مجھے چاہتی ہیں میں وہاں جاؤں اور شکریہ قبول کروں؟

جمیلہ :- تو کیا ہوا اس میں؟

اسلم :- مجھے شکریہ کی ضرورت نہیں ———

جمیلہ :- ذرا آنکھیں کھولئے، میری طرف دیکھئے، میری طرف!

اسلم :- خوب اچھی طرح دیکھ رہا ہوں ــــــــ کیا دکھانا چاہتی ہیں آپ مجھے؟

جمیلہ :- میں جمیلہ ہوں عائشہ کی سہیلی (اشارہ کرکے) عائشہ وہ بیٹھی ہے، اس کے پاس جائیے، وہاں پہنچ کر خود بخود آپ شاعر بن جائیں گے، اور خوب شعر کہیں گے۔

اسلم :- آپ کے مشورہ کا شکریہ،

جمیلہ :- تو کیا آپ وہاں نہیں جائیں گے؟

اسلم :- کیوں جاؤں آخر؟

جمیلہ :- شکریہ کا نذرانہ قبول کرنے،

اسلم :- میں نہیں سمجھا آپ کیا کہنا چاہتی ہیں،

جمیلہ :- میں یہ عرض کرنا چاہتی ہوں کہ وہ ہیں نا ہماری سہیلی عائشہ۔

اسلم :- جی ــــــــ کہے جائیے!

جمیلہ :- وہ آپ کی بہت مشکور ہیں، بہت ممنون کرم ہیں آپ کی، کہتی ہیں آپ نے انہیں نئی زندگی بخشی، ورنہ وہ تو تالاب کی تہہ میں پہنچ چکی تھیں، تو اس کا نا... پر ایک مرتبہ پھر وہ آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہیں۔

اسلم :- تو کیوں نہیں ادا کرتیں؟ ــــــــ کس نے منع کیا ہے انہیں؟

جمیلہ :- شرم نے ــــــــ بیچاری بڑی شرمیلی لڑکی ہے،

اسلم :- تو آن کی طرف سے آپ شکریہ ادا کرنے تشریف لائی ہیں؟ ــــــــ میں آپ کو ان کا وکیل نہیں مانتا، اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خود شکریہ ... کریں آکر۔

رخصتی ملاقات

جمیلہ اُلٹے پاؤں عائشہ کے پاس واپس گئی اور اس سے کھسر پھسر باتیں کرنے لگی، آواز تو یہاں تک نہیں آ رہی تھی لیکن اندازِ گفتگو سے صاف معلوم ہوتا تھا، دونوں میں کافی نوک جھوک ہے۔ کوئی اختلافی مسئلہ زیرِ بحث ہے، جتنی جتنی بحث ہوتی ہے، اختلاف رفع ہونے کے بجائے کچھ اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔

اتنے میں اسلم نے دیکھا یک بیک گفتگو کا سلسلہ منقطع کرکے عائشہ نے پانی بھرا اُسے اُٹھانے کے لیے جھکی تھی کہ جمیلہ نے برتن لڑھکا دیا اور سارا پانی پھر تالاب میں پہنچ گیا۔

پھر عائشہ اور جمیلہ میں باتیں شروع ہو گئیں —— نہ جانے کیا کیا، لیکن یہ صاف ظاہر تھا کہ پھر کوئی اختلافی بحث چھڑ گئی، جو کسی طرح طے ہونے میں نہیں آتی! ——

اب اسلم نے دیکھا عائشہ نے پانی کا برتن وہیں چھوڑ دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی، اٹھنے کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ برتن یہیں چھوڑ دے گی اور چلی جائے گی، لیکن جمیلہ نے زبردستی ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھا لیا، پھر دونوں میں گفتگو کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اسلم اتنے فاصلہ پر تھا کہ ان دونوں کی بات تو نہیں سن سکتا تھا، لیکن آنکھیں کام

جمیلہ :- نہیں نہیں وہ آپ کی بہت شکر گزار ہے ——— ہر وقت آپ کے گن گایا کرتی ہے، ہر وقت آپ کو یاد کیا کرتی ہے، ہر وقت آپ کی تعریفوں میں رطب اللسان رہتی ہے، اُسے کچھ نہ کہئے!

اسلم :- آپ کی بات کا اعتبار کروں، اور اپنی آنکھوں کو جھٹلا دوں؟

جمیلہ :- کیا دیکھ لیا آپ نے؟

اسلم :- یہی کہ شکریہ ادا کرنے کے لئے مجھے اپنے دربار میں طلب کر رہی ہیں، خود یہاں تشریف نہیں لا سکتیں ——— شاید توہین ہو جائے گی، ان کی یہاں تک آنے میں؟

جمیلہ :- توبہ کیجئے، توہین کا کیا سوال ہے؟

اسلم :- پھر کاہے کا سوال ہے؟ اگر ان کو شکریہ ادا کرنا تھا تو آپ کے بجائے انہیں آنا چاہئے تھا اس مقام پر!

جمیلہ :- اوہ! آپ تو سمجھتے نہیں!

اسلم :- ہاں تھوڑا سا بد دماغ بھی ہوں، اور بڑی حد تک خر دماغ بھی آپ سمجھا دیجئے!

جمیلہ :- آخر شرم بھی تو کوئی چیز ہے -

اسلم :- کیسے یقین کر لوں آپ بے شرم ہیں -

جمیلہ (تنگ کر) آپ بار بار مجھے کیوں بیچ میں لاتے ہیں؟

اسلم :- آخر میرے پاس آپ کیسے چلی آئیں؟ آپ کو شرم کیوں نہیں آئی؟

جمیلہ :- میری اور بات ہے عائشہ کی اور بات، ذرا عقل پر زور دیجئے!

اسلم :- وہ تو میرے پاس ہے ہی نہیں!

جمیلہ :- اچھا جھگڑے کی کیا بات ہے، آپ ہی کی ضد سہی جاتی ہوں، لئے آتی ہوں اُسے!

جمیلہ :- تو آپ نے یہ نہیں کہا تھا ؟

اسلم :- آپ پر نہیں عائشہ پر فیصلہ چھوڑتا ہوں ——— کیوں آپ کو یقین ہے میں آپ کے بارے میں ایسے الفاظ کہہ سکتا ہوں ، آپ کا اشارہ بھی پاؤں تو سر کے بل دوڑتا ہوا آؤں ، بھلا میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نہیں جاتا وہ خود آجائیں ۔

جمیلہ :- تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں ؛

اسلم :- یہ کیسے کہہ دوں کہ آپ جھوٹ بول رہی ہیں ؛ لیکن یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ میں نے یہ بات نہیں کہی ۔

جمیلہ :- یہ بھی اچھی رہی !

عائشہ :- جھوٹی کہیں کی ——— اب بول ؟

اسلم :- اب جانے دیجئے ، آپ کی سہیلی ہیں ، آخر مذاق کا حق بھی تو رکھتی ہیں ۔

جمیلہ :- مذاق تو آپ کر رہے ہیں ——— یا اللہ اتنا سفید جھوٹ !

اسلم :- (چپکے سے) محبت اور جنگ میں جھوٹ جائز ہے ۔

جمیلہ ہنس پڑی ۔

جمیلہ :- کیوں عائشہ تم نے سُنا کچھ ؟ کیا کہہ رہے ہیں اسلم صاحب ؟

عائشہ :- میں نے تو نہیں سُنا ۔

جمیلہ :- یہ کہہ رہے ہیں چپکے سے مجھ سے کہ جنگ اور محبت میں جھوٹ بولنا جائز ہے !

عائشہ کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا ،

عائشہ :- تم سے کہہ رہے ہوں گے ، تمہی جواب دو ، ——— ہم تو جاتے ہیں ۔

جمیلہ :- کہاں ؟ ——— مجھے نہیں چھوڑ جاؤ گی ——— ؟

کر رہی تھیں، سامنے کی ہر چیز صاف نظر آ رہی تھی، اس نے لاکھ لاکھ تبسم کا سراغ لگانے کی کوشش کی لیکن وہ دونوں میں سے کسی کے ہونٹوں پر نظر نہیں آیا۔ بڑی دیر تک اسلم یہ پرلطف منظر دیکھتا رہا! ـــــــ اور مسکراتا رہا۔

کافی عرصہ گزر چکا تھا، پانی کا برتن الگ رکھا تھا، عائشہ اور جمیلہ میں باتیں ہو رہی تھیں اس تسلسل کے ساتھ بات چیت کا سلسلہ جاری تھا کہ کسی طرح ختم ہونے ہی میں نہیں آتا تھا ـــــــ اب اسلم ضبط نہ کر سکا، وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس جگہ پہنچ گیا، جہاں ان دونوں میں نوک جھوک ہو رہی تھی، جمیلہ نے بے بسی کے ساتھ اسلم کی طرف دیکھا اور گویا ہوئی۔

جمیلہ :- میں نے سارا زور ختم کر دیا لیکن یہ شرم کی ہنڈی چلنے کا نام نہیں لیتی کسی طرح!

اسلم :- تو آپ بلانے کی کوشش کیوں کر رہی تھیں انہیں!

جمیلہ :- تاکہ آپ کی ضد پوری کروں؟

اسلم :- ضد ــــ میری ضد ــــ؟ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟

جمیلہ :- آپ اس پر اڑے ہوئے تھے تاکہ عائشہ خود آکر شکریہ ادا کرے!

اسلم :- آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ـــــــ کیسا شکریہ؟

جمیلہ :- آو تو آپ نے اسے ڈوبنے سے بچا لیا تھا! ـــــــ بہت دن ہوئے!

اسلم :- ہاں یہ کام کیا تھا میں،

جمیلہ :- اور میں نے کہا تھا چلئے عائشہ آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہے۔

اسلم :- اور میں نے انکار کر دیا تھا؟

جمیلہ :- ہاں ـــــــ کہا تھا وہ خود کیوں نہیں آئیں، میں کیوں جاؤں؟

اسلم :- اوہو، نہ جانے کن الفاظ سے آپ نے یہ مطلب نکال لیا،

"بیٹھ تو جاؤں لیکن وہاں سارا کام جوں پڑا ہوا ہے، ابا جان انتظار کر رہے ہوں گے اور تمہارا دل ہی دل میں کوس رہا ہو گا، ———

اسلم نے دریوزہ گرانہ انداز میں کہا،

"ابھی چلی جائیے گا، ذرا دیر میں، ——— صرف تھوڑی دیر بیٹھ جائیے!"

وہ بیٹھ گئی، جمیلہ نے کہا۔

"ان شاعر صاحب کہاں ہے وہ آپ کا قصیدہ، بس سنا ڈالئے جلدی سے!"

یہ سنتے ہی اسلم پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی، اور اس نے ایک عرب شاعر کی طرح فی البدیہہ قصیدہ سنانا شروع کر دیا، ہر ہر شعر سوز دل کی تصویر، ایک ایک لفظ گداز محبت کی تفسیر، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اور فضا کے سناٹے میں اس کی آواز گونج رہی تھی، عائشہ کی یہ کیفیت تھی کہ معلوم ہوتا تھا، اب وہ بیہوش ہو جائے گی، آنکھیں پُرنم، چہرہ تمتمایا ہوا، اور جمیلہ تو یوں بیٹھی تھی، جیسے سانپ نے ڈس لیا ہو۔

اپنے فی البدیہہ اشعار سنا کر اسلم نے ایک محبت بھری نظر عائشہ پر ڈالی، اور روانہ ہو گیا۔

اور بیرے اسلم کا قافلہ کافی دور آ چکا تھا، احمد اور طلحہ ہنسی مذاق میں مصروف تھے، سلیمان اور جبریل میں بھی گفتگو کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری تھا، لیکن اسلم خاموش تھا اس کی نگاہِ تصور میں رخصتی ملاقات کا منظر گھوم رہا تھا، !

عائشہ :- پھر کیا کروں ؛ تم باتوں میں لگی ہو اور مجھے دیر ہو رہی ہے ——— ابھی کھانا پکانا

ہے جا کر مہمانوں کے لئے ؛

اسلم :- دیکھئے ان باتوں کا تو میں شکریہ ادا کرنا بھول ہی گیا ۔

عائشہ اور جمیلہ دونوں سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھنے لگیں ۔

اسلم :- جب سے ہوش سنبھالا ہے کھانا کھاتا رہا ہوں دن میں کم از کم تین بار لیکن واللہ ان چند دنوں میں جتنا لذیذ کھانا یہاں کھایا ہے کبھی نہیں کھایا (عائشہ سے مخاطب ہو کر) ایسا کھانا کھلا کر اب آپ مجھے بھوکا ماریں گی ،

عائشہ :- جمیلہ پوچھ کیوں ؟

جمیلہ :- میری پوچھتی ہے بلا ——— خود کیوں نہیں دریافت کر لیتیں ؛

عائشہ :- اچھا نہ پوچھو ہم کوئی اصرار تو کرتے نہیں ——— ذرا سی بات کا بتنگڑ بنائے —— ؟

یہ کہہ کر عائشہ چلی ، اسلم نے درد اور سوز کے لہجہ میں کہا ،

" ذرا بیٹھئے تو سہی ! "

وہ چلتے چلتے رُک گئی ، اور سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھنے لگی ۔ اسلم نے کہا ۔

" تھوڑی دیر کے بعد میں جا رہا ہوں ، کیا یہ ممکن نہیں کہ ذرا دیر ہم یہاں بیٹھ کر باتیں کریں ؟

عائشہ بے بسی کی نظروں سے جمیلہ کی طرف دیکھنے لگی تو اس نے کہا ۔

" میرا منہ کیا دیکھتی ہو بیٹھ جاؤ نا وہ روک رہے ہیں ؛

عائشہ نے متامل انداز میں جواب دیا ۔

جانتا ہے، لیکن جب دیکھتا ہوں جہاد کے راستہ میں یہ میرے لئے زنجیر پا بن گئی ہے تو نفرت ہو جاتی ہے اس سے"!

آخری الفاظ احسان نے بڑے جوش کے عالم میں کہے، عمار نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"میرے آقا ایسا نہ کہئے، وہ زنجیر پا نہیں، آپ کے گلے کا ہار ہے، ایسی نیک اور شریف اور سراپا کردار لڑکیاں جیسی میری بچی عائشہ ہے قسمت ہی سے ملتی ہیں۔ کفرانِ نعمت کر کے خدا کو خفا نہ کیجئے"،

احسان مسکرانے لگا،

"جانتا ہوں، بہت محبت کرتے ہو عائشہ سے"؟

وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا۔

"کیسے نہ کروں، میں نے اُسے گودیوں میں پالا ہے، وہ آپ کی بیٹی ہے تو میری بھی لختِ جگر ہے، میں نے اس کے لئے وہی دکھ جھیلے ہیں، جو ایک ماں جھیل سکتی ہے"،!

احسان نے ممنونیت کی نظر سے اپنے وفادار اور جاں نثار غلام کو دیکھا، اور گویا ہوا۔

"سچ کہتے ہو ——— لیکن خود عائشہ کی بہبود کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اب یہاں نہ رہے"؛

عمار نے تیوری چڑھا کر کہا۔

"یہاں نہ رہے تو کہاں جائے؟ اس گھر کے سوا اور کون ٹھکانا ہے اس کا؟ ———"

"سوچا تھا کہ شیخ سلیمان کے پاس چلا جاؤں، اور انہیں ہموار کر کے بچی کی شادی اسلم سے کر دوں، لیکن سنا ہے راستہ بے حد خطرناک ہو رہا ہے، فی الحال وہاں جانا آسان نہیں"!

ترکِ وطن کا فیصلہ!

احسان نے ایک دن عمار سے کہا،

ہمارا بادیہ بالکل چوراہے پر واقع ہے، عیسائیوں کی سرحد بھی یہاں سے بہت قریب ہے۔ ان کے حوصلے خاص طور پر بہت بڑھے ہوئے ہیں، اور ترجی نالڈ اپنے کرک کے قلعہ کو حصنِ حصین سمجھتا ہے، اس کا خیال ہے اُسے کوئی سر نہیں کر سکتا، یہ ناقابلِ تسخیر ہے، سلطان صلاح الدین بھی محاصرہ کر کے رہ گیا، اُسے فتح کرنے کی جرأت نہ کر سکا

عمار نے بڑے سکون سے اپنے آقا کی تقریر سُنی پھر گویا ہوا:

آپ صحیح ارشاد فرماتے ہیں، ترجی نالڈ کی شرارتوں کی حد نہیں ہے سمجھ میں نہیں آتا سلطان اسے کیوں بار بار معاف کر دیتے ہیں، خیر یہ تو رموزِ مملکت ہیں، وہ جانیں یا ترجی نالڈ، لیکن آپ فرمانا کیا چاہتے تھے؟

احسان نے دُور خلا میں گھورتے ہوئے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا،

"کہنا یہ چاہتا ہوں کہ عائشہ میرے راستہ کا پتھر بن گئی ہے، جب تک یہ کانٹا نہ دور ہو، میں جہاد کو بھی نہیں جا سکتا، مجھے کتنی محبت ہے اس بچی سے، بس میرا دل ہی

ہر کہ خادی پر لوع کے مسلمان بہادر ہیں، اب تک عیسائیوں کی یلغار ان کا بال بھی بیکا نہ کر سکی، وہ زندہ رہنے کا گُر جانتے ہیں، اور وہ گُر یہ ہے کہ موت سے نہیں ڈرتے۔

عمار :۔ بجا ارشاد ہوا۔

احسان :۔ اور پھر یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ ترکی نہ اللہ سے اور سلطان سے، اور آس پاس کی مسلم سلطنتوں سے خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی، طاقتور ہوں یا کمزور، صلح ہے اور صلح کی پابندی بہر حال وہ کرنے پر مجبور رہے، ورنہ پھر سلطان کا لشکر بے اماں اسے جینے نہ دے گا۔

عمار :۔ (مطمئن ہو کر) یہ تو آپ درست فرماتے ہیں، مجھے آپ کی تجویز سے اتفاق ہے۔

احسان :۔ (مسکراتے ہوئے) شکریہ! ——— ہمیں نہیں یاد آتا کہ تم نے کبھی ہم سے اختلاف کیا ہو؟

عمار :۔ غلام کا کام اطاعت ہے نہ کہ مخالفت،

احسان :۔ تو پھر ہمیں کل صبح یہاں سے کوچ کر دینا چاہیے،

عمار :۔ بہت بہتر،

احسان :۔ عائشہ بھی شاید یہ خبر سُنکر خوش ہو جائے گی، بیچاری اکیلے گھر میں رہتے رہتے عاجز آ گئی ہے۔

عمار :۔ لیکن عائشہ کو وہاں پہنچانے کے بعد ہمارا پروگرام کیا ہوگا؟ ——— ہم کیا کریں گے؟

فکرمند لہجہ میں احسان نے کہا،

"ہاں مجھے بھی یہ خبر مل چکی ہے ———— لیکن اب سوال یہ ہے کہ کیا کیا جائے؟"

عمار :- آپ ہی بتائیے میں ہر طرح سے تیار ہوں،

احسان : میرے ذہن میں تو ایک تدبیر آئی ہے،

عمار :- جی ————

احسان :- کیوں نہ بہرحال ہم عائشہ کو وادی یربوع میں پہنچادیں، وہاں کی آب وہوا اس کی صحت پر بھی اچھا اثر کرے گی،

عمار :- وادی یربوع؟

احسان :- ہاں ———— وہاں اس کی خالہ ام سلیم رہتی ہے، اس کی لڑکیوں اور بچوں میں اس کا جی بہل جائے گا،

عمار :- تجویز تو بڑی معقول ہے لیکن ————

احسان :- کیوں کیا کوئی اندیشہ پیدا ہوا ہے تمہارے دل میں؟

عمار :- اور تو کوئی بات نہیں لیکن وہاں سے ترک کا قلعہ بہت قریب ہے، شاید ۵ یا ۶ میل کے فاصلہ پر،

احسان :- (ہنستے ہوئے) تو! ———— بڑے بزدل ہو۔

عمار :- نہیں میرے آقا آپ سے بڑھ کر کون اس حقیقت کا شاہد ہو سکتا ہے، کہ آپ کا یہ غلام بزدل ہرگز نہیں ہے لیکن ————

احسان :- سنجیدگی سے، ہم تمہارے اس جذبہ کی قدر کرتے ہیں، اور سچ تو یہ ہے کہ تمہارا اندیشہ بے بنیاد بھی نہیں لیکن اس سلسلہ میں یہ کیوں فراموش کر دیتے

احسان :- چند روز آرام سلیم کی میربانی سے لطف اندوز ہوں گے۔ اس کے بعد سلطان کے لشکر میں شریک ہو کر دشمنانِ اسلام سے جہاد کریں گے،

عمار :- (خوش ہو کر) بے شک، بے شک ایک مسلمان کے لئے اس سے بڑھ کر اور سعادت کیا ہو سکتی ہے!

عہد شکن

ریجی نالڈ اپنے قلعہ میں شان و شکوہ اور دبدبہ و طنطنہ کی زندگی بسر کررہا ہے۔ مسلمانوں کو وہ بے وقوف سمجھتا ہے، اور خاص طور پر سلطان صلاح الدین کے بارے میں تو اس کی مستقل رائے یہ ہے کہ وہ عقل سے خالی اور فہم سے عاری ہے، ورنہ طاقتور ملوک و سلاطین، اوّل تو معاہدے نہیں کرتے، اور اگر کرتے ہیں تو جب چاہتے ہیں توڑ دیتے ہیں، لیکن یہ سلطان صلاح الدین بڑی آسانی سے دشمن کو دوست بنانے اور اس سے صلح کرنے اور معاہدہ امن پر دستخط کرنے کو تیار رہتا ہے۔ اور پھر معاہدہ کی اس طرح پابندی کرتا ہے، جیسے وہ کوئی آسمانی صحیفہ ہے کہ ذرا خلاف ورزی ہوئی اور جہنم کی سزا ملی تو اپنے آپ کو ریجی نالڈ بہت بڑا مدبر، اور معاملہ فہم سمجھتا تھا، قوت و طاقت کے عالم میں دشمن سے صلح کرنا اور معاہدے کرنا، اور پیمان دوستی استوار کرنا وہ گناہ عظیم سمجھتا تھا البتہ مجبوری کے عالم میں یہ غلطی اس سے سرزد ہوجاتی تھی، لیکن اولین فرصت میں وہ اس غلطی کی تلافی دیگی عہد شکنی سے کر دیتا تھا، واقعہ یہ ہے کہ معاہدے توڑنے میں وہ کافی حد تک شہرت حاصل کرچکا تھا۔[1] معاہدے توڑنے میں بھی وہ بڑی حاضر دماغی کا

[1] ملاحظہ ہو لین پول کی تاریخ ”صلاح الدین“

غور کرکے اُس نے ایک امیر دربار ولیم کو اپنا سفیر بنا کر رچرڈ ناٹڈ کے پاس بھیجا تاکہ جو لوگ قید کر لئے گئے ہیں، وہ رہا کر دیئے جائیں، اور جو مال لوٹ لیا گیا ہے۔ وہ واپس کر دیا جائے[1]

رچرڈ ناٹڈ نے ولیم کا تزک و احتشام کے ساتھ استقبال کیا، شاہانہ طور پر اس کی خاطر مدارات کی، اور دوسرے روز اپنے حضور میں اُسے باریاب کیا شفقت اور عنایت کی نظر سے اسے دیکھتے ہوئے وہ گویا ہوا،

ہمیں خوشی ہے کہ تم یہاں آئے ہمیں مسرت ہے کہ ہمارے دوست بالڈون، ہمیں یاد رکھتے ہیں ——— کیا تم ان کا کوئی خاص پیغام لے کر آئے ہو؟

ولیم :- جی ہاں ——— ایک بہت ہی خاص پیغام۔

رچرڈ ناٹڈ :- تو کہو ——— تمہیں سب کچھ کہنے کی اجازت ہے،

ولیم :- میرے آقا نے آپ کو سلام کہا ہے، آپ کی خیریت مزاج دریافت کی ہے، آپ ———

رچرڈ ناٹڈ :- (قطع کلام کرتے ہوئے) ہم ان کے سلام کے ممنون ہیں، ان کی اس خیریت طلبی کے مخلصانہ جذبہ نے ہمارا دل فتح کر لیا ہے۔ ہم اُنہیں ہمیشہ یاد کرتے رہتے ہیں

ولیم :- اور یہی میرے آقا کا حال ہے، وہ بھی آپ کے حد درجہ مداح اور ثنا خواں ہیں، اور بار ہا جب کبھی آپ کا ذکر چھڑ جاتا ہے، پھر کوئی اور موضوع میرے آقا کو پسند ہی نہیں آتا، آپ کی فراست، ذہانت، شجاعت، دلیری، تدبر معاملہ فہمی، اور حکمت عملی کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے ان پر،

---

[1] صلاح الدین (لین پول)،

ثبوت دیتا تھا، اس کی عہد شکنی کے شکار وہ لوگ بنتے تھے، جو اس کے معاہدوں پر بھروسہ
کر کے اس کی زد میں آجاتے تھے، مثلاً سیاح، تاجر، زائر اور حاجی! ——— ان
لوگوں کے قافلے جب بھی اس کی سرحد سے امن و امان کے دھوکے میں گزرتے وہ بڑی
آسانی سے ان پر اس طرح حملہ آور ہوتا جیسے شیر بکریوں کے ریوڑ پر انتہائی بے دردی
اور شقاوت، اور سفاکی سے کام لے کر وہ انہیں لوٹ لیتا، ان کی ایک ایک چیز
چھین لیتا، انہیں گرفتار کر لیتا، اور پھر لونڈی غلام بنا کر ان کی تجارت شروع کر دیتا۔

اسی زمانۂ صلح کا واقعہ ہے کہ ایک کاروان تجارت قلعہ کرک کی طرف سے گزرا،
ریجی نالڈ کی دوربین نظروں نے دیکھ لیا کہ مال تجارت اور بیش قیمت اشیاء مفت میں
حاصل کر لینے کا اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا، ذرا دیر کے لئے اس نے یہ بالکل فراموش
کر دیا کہ مسلمانوں سے اس کی صلح ہے، قلعہ سے اپنے چیدہ جوانوں کو لے کر اترا، اور
سارا سامان بیک چشم زدن اپنے قبضہ میں کر لیا، اور بیٹھے بٹھائے لاکھوں روپے نقد
اور سامان کی صورت میں اس کے ہاتھ آگیا۔

اس قافلہ کے چند لٹے پٹے لوگ یروشلم کے راستہ سے جا رہے تھے کہ بادشاہ بالڈون
پنجم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی، وہ اگرچہ مسلمانوں کا دشمن تھا، اور طے کر چکا تھا کہ
قیمت پر مسلمانوں کو اس مقدس سرزمین سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکال دے گا، لیکن
بہرحال معاہدات کا احترام کرتا تھا، اور پھر سلطان صلاح الدین کی سطوت اور ہیبت
سے خائف بھی رہتا تھا، اس کا خیال تھا ان عہد شکنیوں سے متاثر ہو کر اگر سلطان
یلغار کی تو پھر صرف ریجی نالڈ ہی نہیں دوسرے عیسائی امراء اور سلاطین بھی
کی زد میں آجائیں گے اور کوئی بات بنائے نہ بنے گی۔ چنانچہ ان تمام باتوں

ریجی نالڈ :- (ہنس کر) اچھا اچھا، ——— ہاں تو کیا کہہ رہے تھے تم ——— ؟

ولیم :- میں یہ عرض کر رہا تھا کہ میرے آقا کو معلوم ہوا ہے، حال میں مسلمانوں کے
ایک کاروانِ تجارت کو آپ کے سپاہیوں نے لوٹ لیا ہے ؟

ریجی نالڈ :- سپاہیوں نے نہیں ہم نے ——— ہاں پھر ؟

ولیم :- میرے آقا کو اس کا یقین نہیں آیا،

ریجی نالڈ :- کیوں ؟ ——— ابھی تم کہہ رہے تھے کہ وہ ہماری شجاعت، دلیری،
ذہانت، فراست، حکمتِ عملی، معاملہ فہمی اور نہ جانے کس کس چیز کے قائل ہیں،
پھر کیوں یقین نہیں آیا ؟ کیا قبضہ میں آئے ہوئے مسلمانوں کو اور ان کے بیش قیمت
ساز و سامان کو ہم ہاتھ سے نکل جانے دیتے ؟ کیا پھر بھی تمہارا آقا ہمیں عقلمند
دور اندیش اور شجاع سمجھتا ہے۔

ولیم :- بھلا آقا ———

ریجی نالڈ :- ہم نے ان مسلمانوں کا شکار کیا ان کا سارا سامان لوٹ لیا، بہت سے بد قسمت
مارے گئے، باقی گرفتار ہوئے، ان میں عورتیں بھی ہیں، طرحدار، خوش قامت

———

ولیم :- میرا عرض کرنے کا مطلب ———

ریجی نالڈ :- وہ مطلب ہم سمجھتے ہیں، تمہاری اور تمہارے آقا کی خواہش ہم پوری کریں گے،
ضرور پوری کریں گے۔

ولیم :- (خوش ہو کر) شرافت اور انسانیت کا تقاضہ یہی ہے ——— !

ریجی نالڈ :- ہاں ——— اور ہم شریف بھی ہیں اور انسان بھی ———

ولیم :۔ بے شک اس میں کون شبہ کر سکتا ہے،

ریجی نالڈ :۔ (قہقہہ لگاتے ہوئے) ہم نے ان مسلمانوں کو مارا، اُن مسلمانوں کو لوٹا، ان کو گرفتار کر لیا، ان کی عورتوں کو لونڈی اور ان کے مردوں کو غلام بنا لیا،

ولیم :۔ بے شک ——————

ریجی نالڈ :۔ اور ہم اب اپنا حقِ دوستی ادا کریں گے،

ولیم :۔ آپ سے یہی توقع تھی،

ریجی نالڈ :۔ (ایک غلام کی طرف مخاطب ہو کر) دس خوبصورت لونڈیاں، اور دس خوش قامت غلام ——————

ذرا دیر میں دس خوبصورت لونڈیاں حاضر کر دی گئیں، دس خوش قامت غلام رسیوں میں جکڑے ہوئے سامنے لا کر کھڑے کر دیئے گئے۔ یہ لونڈیاں اچھے خاندان کی شمع خانہ تھیں، لیکن اس وقت ان کے جسم کے چہرے بے نقاب تھے، یہ سمٹی سمٹائی شرمائی لجائی سہمی ہوئی، اور ہرنی کی طرح خوف زدہ آنکھیں جھپکائے کھڑی تھیں، اُن کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے، ان کے چہرے زرد ہو رہے تھے، ان پر یاس کی کیفیت طاری تھی، اور یہ رسیوں میں جکڑے ہوئے مرد جوشِ غضب سے دیوانے ہو رہے تھے، تلوار اُن کے ہاتھ میں ہوتی، تو یہ بھی اس دربار شاہی کو میدانِ جنگ بنا دیتے، لیکن بے بس تھے مجبور تھے، ریجی نالڈ نے فخریہ انداز میں ولیم کی طرف دیکھا، اور کہا۔

"یہ ہے ہمارا تحفہ!"

ولیم :۔ (حیرت سے) تحفہ؟

ریجی نالڈ :۔ ہاں —————— دوستانہ تحفہ، اسے لے جاؤ اور ہمارے دوست سلطان یا آرمن

بہانہ بنا کر، وہ ہم سب کے لئے مصیبت کھڑی کر دے گا،

ریجی نالڈ :- (حقارت کے ساتھ) معاہدہ ——— صلاح الدین ——— ولیم!

ولیم :- ارشاد،

ریجی نالڈ :- یا تم پاگل ہو یا بالڈون بے وقوف ہے۔

ولیم :- میرے بارے میں آپ جو چاہیں فرما سکتے ہیں، لیکن اپنے آقا کے بارے میں میں کچھ نہیں سُن سکتا،

ریجی نالڈ :- (گرج کر) سُننا پڑے گا، سنو گے،

ولیم :- لیکن ———

ریجی نالڈ :- تم نے ابھی معاہدہ کا ذکر کیا تھا؟

ولیم :- جی ہاں کیا تھا

ریجی نالڈ :- تو سُن لو میرے نزدیک وہ ایک ردی کاغذ ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں،

ولیم :- میرے آقا ———

ریجی نالڈ :- تم نے ابھی صلاح الدین کا نام لیا تھا۔

ولیم :- بے شک میرے آقا،

ریجی نالڈ :- تو سُن لو، صلاح الدین کی وقعت ہمارے نزدیک ایک ذرہ بے مقدار سے زیادہ نہیں،

ولیم :- لیکن جب اسکی تلوار چمکتی ہے تو وہ اپنی وقعت ہم سب سے منوا لیتا ہے۔

ریجی نالڈ :- بزدل ——— خارش!

ولیم :- ایک سے زائد بار بلکہ بارہا ایسا ہو چکا ہے۔

کی خدمت میں پیش کردو، ——— !

ولیم :۔لیکن ———

زنجی نالد :۔شاید تمہارا خیال ہے، یہ تعداد کم ہے ——— اگر کہو تو لونڈیوں کی تعداد میں کچھ اضافہ کیا جا سکتا ہے۔کتنی اور چاہئیں ؟

ولیم :۔ ایک بھی نہیں ،

زنجی نالد :۔ایک بھی نہیں ؟ ——— پھر آخر تم چاہتے کیا ہو ؟

ولیم :۔ میں تو اس لئے حاضر ہوا تھا کہ آپ اپنی غلطی کی تلافی کریں گے ؛

زنجی نالد :۔غلطی ؟ ——— نہیں ہم سے کوئی غلطی نہیں ہوئی، ہمارے دوست بالڈون کو غلط فہمی ہوئی ہو گی ،

ولیم :۔ آپ کے دوست اور میرے آقا بالڈون کا پیغام یہ ہے کہ آپ ان اسیروں کو رہا کر دیں ،ان کا لوٹا ہوا مال واپس کر دیں ،

زنجی نالد :۔ (قہقہہ لگا کر) کیا کہا ؟ میں ان اسیروں کو رہا کر دوں ؟ ان کا لوٹا ہوا مال واپس کر دوں ؟ ———؟

ولیم :۔ جی خادم نے یہی عرض کیا ہے ،

زنجی نالد :۔ کیا تم مجھے پاگل سمجھتے ہو ؟ بے وقوف سمجھتے ہو ؟

ولیم :۔ ہرگز نہیں، ایسی گستاخی کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا میرے آقا !

زنجی نالد :۔ پھر یہ بے تکی بات تمہاری زبان سے کیسے نکلی ؟

ولیم :۔میرے آقا نے فرمایا ہے کہ میں آپ کو یاد دلاؤں، مسلمانوں سے ہمارا معاہدہ ہے، اور اس معاہدہ کو توڑنا نہیں چاہئیے، صلاح الدین تاک میں ہے اسے

عائشہ اور کلثوم

عائشہ نے ام سلیم کے گھر میں وہی سکون آرام اور اطمینان محسوس کیا، جو ایک لڑکی ماں کے گھر میں محسوس کر سکتی ہے، ام سلیم نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا، آنکھیں بچھا دیں اس کے لئے، اتنی خاطر تواضع اور ایسی مدارات کی وہ دنگ رہ گئی، احسان لاکھ لاکھ منع کرتا، لیکن وہ کئی کئی قسم کے کھانے پکاتی، اور اپنی اولوالعزمی کا ثبوت دیتی رہتی عرصہ ہوا، ام سلیم کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا، اس کا بڑا لڑکا اسحٰق گھر کا کفیل تھا، دو چھوٹے بھائی ابراہیم و اسمٰعیل تھے، تین چھوٹی بہنیں کلثوم، رقیہ اور زینب تھیں، کلثوم تقریباً عائشہ کی ہم عمر تھی، رقیہ اور زینب نسبتاً چھوٹی، جب سے ام سلیم کی بہن یعنی عائشہ کی ماں کا انتقال ہوا تھا اب پہلی مرتبہ اس نے اپنی بھانجی کو دیکھا تھا، بات یہ ہوئی کہ پہلے شوہر کا انتقال ہوا، پھر دو بچے فوت ہوئے، اس کے بعد عسرو فاقہ کا دور شروع ہوا، ان حالات میں، نہ وہ خود آ سکی، نہ عائشہ کو بلا سکی، لیکن اب کہ اسحٰق کی عالی ہمتی نے اس گرتی ہوئی عمارت کو سنبھال لیا تھا، وہ خود مدت سے احسان کے ہاں جانے کا پروگرام بنا رہی تھی عرصے سے اس کے دل میں

ریجی نالڈ :- ہاں ایسا ہوا ہے، ایک سے زاید بار بلکہ بارہا ایسا ہوا ہے

لیکن کان کھول کر سن لو، اب ایسا نہیں ہوگا، ایک روز صلاح الدین بھی اس

قصرِ شاہی میں اس طرح رسن بستہ کھڑا ہوگا، جیسے یہ مسلمان جوان کھڑے ہیں۔

ولیم :- کاش وہ مبارک دن جلد آئے،

ریجی نالڈ :- ضرور آئے گا، ہماری یہ پیشین گوئی صحیح ہوگی،

ولیم :- وہ وقت ہوگا، مسلمانوں کے کارواں لوٹنے کا، مسلمانوں کو گرفتار کرنے کا، ان ہیں

لونڈی اور غلام بنانے کا،

ریجی نالڈ :- تم کم ہمت ہو جاتے ہو، ہم بھی صلاح الدین سے ڈر جائیں ایسا نہیں ہو سکتا

——————!

ولیم :- میں اپنے آقا تک حضور کی یہ بات پہنچا دوں گا،

ریجی نالڈ :- اور یہ بھی کہہ دینا کہ اگر وہ زندہ رہنا چاہتا ہے تو ہماری تقلید کرے۔

ولیم :- عرض کر دوں گا،

ریجی نالڈ :- کچھ اور بھی ہم سے عرض کرنا چاہتے ہو ؟

ولیم :- نہیں ——— جو کچھ عرض کرنا تھا کر چکا،

ریجی نالڈ :- وہ ہم نے سن لیا، اور اس کا جواب بھی دے دیا، !

ولیم :- تو کیا غلام کو واپس جانے کی اجازت ہے ؟

ریجی نالڈ :- ہاں تم جا سکتے ہو، !

"تو تم ہو عائشہ ؟"

عائشہ نے اُسے اچنبھے کی نظروں سے گھورا، اور بولی،

"آنکھیں مل کر اچھی طرح دیکھ لو، کہیں کوئی اور نہ ہو!"

کلثوم :- لیکن کتنی بدل گئی ہو تم

عائشہ :- اور تم تو ذرا بھی نہیں بدلیں ؛

کلثوم :- ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے ایک کلی کھل کر پھول بن گئی ہے،

عائشہ :- اور وہ پھول میرے سامنے مہک رہا ہے،

کلثوم :- مجھے وہ زمانہ یاد ہے، جب ہم تم ساتھ کھیلا کرتے تھے، لڑتے تھے، ہنستے تھے، بول چال بند کر دیتے تھے، پھر صلح کر لیتے تھے، ایک دفعہ خوب لڑائی ہوئی تھی، پھر کئی دن کے بعد تم آئیں، اور پیچھے کھڑے ہو کر میری آنکھیں موند لیں بس صلح ہو گئی۔

عائشہ :- ہاں خوب یاد ہے، وہ دن تو خواب و خیال ہو گئے، کیوں کلثوم وہ یاد ہے جب ایک دفعہ میں نے تمہیں دھکا دے کر تالاب میں گرا دیا تھا، وہ تو کچھ خیریت ہوئی، کنارہ پر گریں صرف سر زخمی ہوا، ورنہ کہیں اندر گر جاتیں، تو آج جنت کی ہوا کھا رہی ہوتیں،

کلثوم :- ہاں خوب اچھی طرح یاد ہے، جیسے کل کا واقعہ ہو،

عائشہ :- جانتی ہو میرے دل میں تمہاری عزت اور محبت کیسے پیدا ہوئی ؟

کلثوم :- میں کیا جانوں ؛

عائشہ :- گھر واپس آ کر جب تم سے پوچھا گیا یہ چوٹ کیسے آئی تو میرا دل زور زور سے

یہ خواہش مچل رہی تھی کہ عائشہ اس کے گھر میں مستقل طور پر یہاں کی مالک اور اس کی بہو بن کر آجائے، یہ کام اس کی نظر میں اتنا آسان تھا کہ اسے یقین تھا جب چاہے گی، ہو جائے گا، منتظر صرف اس کی تھی کہ حالات ذرا سدھر لیں، مشکلات ذرا دور ہو جائیں اور اب کہ حالات سدھر چکے تھے اور مشکلات کا دور ختم ہو چکا تھا وہ پہلی فرصت میں اپنا مقصد دلی حاصل کر لینا چاہتی تھی، لیکن خدا جب دینے پر آتا ہے تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے، اور اسکے ساتھ بھی یہی ہوا، گھر بیٹھے یہ نعمت جاوداں اس کے ہاتھ آگئی، اور اسے پاکر وہ نہال ہوگئی، جیسے اسے سارے جہان کی نعمت مل گئی ہو، جیسے اسے ساری دنیا کا خزانہ مل گیا ہو۔

کلثوم ام سلیم کی سب سے بڑی لڑکی اور عائشہ کی ہم عمر تھی، صورت اور سیرت میں کسی طرح وہ عائشہ سے کم نہیں تھی، بڑی بڑی خوبصورت اور سحر طراز آنکھیں، چاند کی طرح روشن اور تابناک چہرہ لمبے، لمبے بال، سادگی اور جمال دل آرا کی تصویر بچپن میں یہ دونوں ساتھ ساتھ کھیلا کرتی تھیں، پھر زمانہ نے ایسا پلٹا کھایا کہ بچھڑ گئیں، اور اب اتنے سالوں کے بعد پھر یکجا ہوئی تھیں، جب جدا ہوئی تھیں تو یہ دونوں الھڑ اور نادان لڑکیاں تھیں، جب یکجا ہوئیں تو جوانی کی سرحد میں داخل ہو چکی تھیں، اور ان کا شباب معصوم، گستاخ نگاہوں کے مفہوم سے ناآشنا، فتنۂ دوراں کی طرح بڑھتا چلا جارہا تھا،

کھانے پینے، اور گھر کے کام کاج سے فارغ ہونے کے بعد، کلثوم اور عائشہ اپنے کمرہ میں آکر بیٹھ گئیں، کلثوم نے اسے محبت بھری نظروں سے دیکھا، اور پھر ایک دل آویز تبسم کے ساتھ گویا ہوئی۔

"۔ تو تم ہو عائشہ ، ؟"

عائشہ نے اُسے اچنبھے کی نظروں سے گھورا ، اور بولی ،

"۔ آنکھیں مل کر اچھی طرح دیکھ لو ، کہیں کوئی اور نہ ہو ، !

کلثوم :۔ لیکن کتنی بدل گئی ہو تم

عائشہ :۔ اور تم تو ذرا بھی نہیں بدلیں ؟

کلثوم :۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ، جیسے ایک کلی کھل کر پھول بن گئی ہے ،

عائشہ :۔ اور وہ پھول میرے سامنے مہک رہا ہے ،

کلثوم :۔ مجھے وہ زمانہ یاد ہے ، جب ہم تم ساتھ کھیلا کرتے تھے ، لڑتے تھے ، منتے تھے ، بول چال بند کر دیتے تھے ، پھر صلح کر لیتے تھے ، ایک دفعہ خوب لڑائی ہوئی تھی ، پھر کئی دن کے بعد تم آئیں ، اور پیچھے کھڑے ہو کر میری آنکھیں موند لیں بس صلح ہو گئی ۔

عائشہ :۔ ہاں خوب یاد ہے ، وہ دن تو خواب و خیال ہو گئے ، کیوں کلثوم وہ یاد ہے جب ایک دفعہ میں نے تمہیں دھکا دے کر تالاب میں گرا دیا تھا ، وہ تو کہو خیریت ہوئی ، کنارہ پر گریں ، صرف سر زخمی ہوا ، ورنہ کہیں اندر گر جاتیں ، تو آج جنت کی ہوا کھا رہی ہوتیں ،

کلثوم :۔ ہاں خوب اچھی طرح یاد ہے ، جیسے کل کا واقعہ ہو ،

عائشہ :۔ جانتی ہو میرے دل میں تمہاری عزت اور محبت کیسے پیدا ہوئی ؟

کلثوم :۔ میں کیا جانوں ؛

عائشہ :۔ گھر واپس آکر جب تم سے پوچھا گیا یہ چوٹ کیسے آئی تو میرا دل زور زور سے

یہ خواہش مچل رہی تھی کہ عائشہ اس کے گھر میں مستقل طور پر یہاں کی مالک اور اس کی بہو بن کر آجائے، یہ کام اس کی نظر میں اتنا آسان تھا کہ اسے یقین تھا جب چاہے گی، ہو جائے گا، منتظر صرف اس کی تھی کہ حالات ذرا سدھر لیں اور مشکلات ذرا دور ہو جائیں اور اب کہ حالات سدھر چکے تھے اور مشکلات کا دور ختم ہو چکا تھا وہ پہلی فرصت میں اپنا مقصد دلی حاصل کر لینا چاہتی تھی، لیکن خدا جب دینے پر آتا ہے تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے، اور اسکے ساتھ بھی یہی ہوا، گھر بیٹھے یہ نعمت جاوداں اس کے ہاتھ آگئی، اور اسے پاکر وہ نہال ہو گئی، جیسے اسے سارے جہان کی نعمت مل گئی ہو، جیسے اسے ساری دنیا کا خزانہ مل گیا ہو۔

کلثوم ام سلیم کی سب سے بڑی لڑکی اور عائشہ کی ہم عمر تھی، صورت اور سیرت میں کسی طرح وہ عائشہ سے کم نہیں تھی، بڑی بڑی خوبصورت اور سحر طراز آنکھیں، چاند کی طرح روشن اور تابناک چہرہ لیے، لمبے بال، سادگی اور جمال دل آرا کی تصویر بچپن میں یہ دونوں ساتھ ساتھ کھیلا کرتی تھیں، پھر زمانہ نے ایسا پلٹا کھایا کہ بچھڑ گئیں، اور اب اتنے سالوں کے بعد پھر یکجا ہوئی تھیں، جب جدا ہوئی تھیں تو یہ دونوں الھڑ اور نادان لڑکیاں تھیں، جب یکجا ہوئیں تو جوانی کی سرحد میں داخل ہو چکی تھیں، اور ان کا شباب معصوم، گستاخ نگاہیوں کے مفہوم سے ناآشنا، فتنۂ دوراں کی طرح بڑھتا چلا جا رہا تھا،

کھانے پینے، اور گھر کے کام کاج سے فارغ ہونے کے بعد، کلثوم اور عائشہ اپنے کمرہ میں آکر بیٹھ گئیں، کلثوم نے اسے محبت بھری نظروں سے دیکھا، اور پھر ایک دل آویز تبسم کے ساتھ گویا ہوئی۔

عائشہ :- ضرور کروں گی وہ ہمیشہ سے مجھے بہت چاہتے تھے،

کلثوم :- (مسکرا کر) اب بھی چاہتے ہیں، جب دیکھو تمہارا ذکر،

عائشہ :- ہونا بھی چاہیئے، کیا میں نہیں چاہتی انہیں ؛

کلثوم :- ہاں بھئی ضرور چاہتی ہو، ہم کب منکر ہیں، ——— ہاں تو وہ انتقام کیا تھا، جو قدرت نے تم سے لیا ؛ وہ زخم کیسا ہے جواب تک رس رہا ہے ؛

عائشہ :- میں نے کہا نا اس ذکر کو جانے دو، کچھ اور باتیں کرو،

کلثوم :- واہ ہم تو یہ ماجرا معلوم کر کے رہیں گے ——— بتاؤ،

عائشہ :- بتاؤں کیا ——— میں بھی تالاب میں پانی بھرتے ہوئے گر پڑی تھی، اور ڈبکیاں کھانے لگی تھی، ——— وہ قدرت کا انتقام ہی تو تھا،

کلثوم :- (پریشان ہو کر) ہائے غضب، تم ڈبکیاں کھانے لگی تھیں تالاب میں ؛

عائشہ :- ہاں ———

عائشہ :- بچ گئی، قسمت میں کچھ روز زندہ رہنا لکھا تھا،

کلثوم :- لیکن کس طرح ؛ کس نے بچایا، یا عمار پہنچ گیا تھا ؛

عائشہ :- نہیں،

کلثوم :- (مسکراتے ہوئے) کیا فرشتۂ قدرت مدد کو پہنچ گیا تھا ؛

عائشہ :- ہاں ——— یہی سمجھ لو، واقعی وہ فرشتۂ قدرت ہی تھا،

کلثوم :- کیا نام ہے اس فرشتۂ قدرت کا ؛

عائشہ :- اسلم ———

کلثوم :- (سنجیدگی کے ساتھ) اوہ، میں سمجھ گئی۔

دھڑکنے لگا، میں نے سوچا، ضرور یہ میرا نام لے دے گی، اور پھر میری خوب پٹائی ہوگی، تم نے ایک نظر مجھے دیکھا، اور پھر نہایت اطمینان سے کہہ دیا، دوڑتے دوڑتے میں گر پڑی تھی، وہ تو کہیئے کہ عائشہ نے بڑھ کر جلدی سے مجھے اُٹھا لیا، ورنہ بڑی چوٹ آتی، پھر مجھے اس فرضی کارنامہ پر خوب شاباش ملی اور تمہاری اچھی طرح خاطر داشت کی،

کلثوم :- بڑا قوی حافظہ ہے تمہارا، ورنہ میں تو بھول ہی گئی تھی،

عائشہ :- تم بھول گئیں لیکن قدرت نہیں بھولی،

کلثوم :- یعنی ——————— ؟

عائشہ :- اس نے انتقام لے لیا مجھ سے،

کلثوم :- انتقام؟ ——————— یہ کیا بک رہی ہو تم ؟

عائشہ :- ہاں کلثوم، میں غلط نہیں کہتی، تمہاری چوٹ اچھی ہوگئی، میرا زخم اب تک رس رہا ہے، تم اس واقعہ کو بھول گئیں، لیکن میں مرتے دم تک نہ بھول سکوں گی،

کلثوم :- (متحیر ہو کر) پہیلی لے کر تم بیٹھ گئیں، میرے پلّے تو خاک نہیں پڑا،

عائشہ :- اچھا چھوڑو اس ذکر کو، یہ بتاؤ بھائی اسحٰق کہاں ہیں؛ وہ نظر نہیں آتے،

کلثوم :- وہ ایک کاروانِ تجارت کے ساتھ گئے ہیں، چند روز کے بعد آئیں گے،

عائشہ :- اب تو وہ بھی بہت بڑے ہوگئے ہوں گے ؟

کلثوم :- (مسکرا کر) ہاں ——————— بالکل دیو معلوم ہوتے ہیں،

عائشہ :- (محبت بھرے انداز میں پیٹھ پر گھونسہ مارتے ہوئے) چل ہٹ وہ کیوں دیو

کلثوم :- اوہو بھائی کی محبت میں لڑنے لگیں ؟

۔کیوں؟ ——— یہ بات تمہارے منہ سے کیسے نکلی ؟'

۔میں غلط نہیں کہتی محبت کے بعد آدمی کسی کام کا نہیں رہتا !"

عائشہ :۔ کیا تم بھی جانتی ہو محبت کسے کہتے ہیں ؟

کلثوم :۔ کون نہیں جانتا ؟

عائشہ :۔ تم بھی کسی سے محبت کرتی ہو ؟

کلثوم :۔ محبت کون نہیں کرتا ؟

عائشہ :۔ کون ہے وہ ؟

کلثوم :۔ ایک کا نام کیا بتاؤں ؟ کیا صرف ایک ہی سے محبت کرتی ہوں ؟

عائشہ :۔ پھر کیا کئی سے ؟

کلثوم :۔ ہاں اور کیا ، اسی میں تو لطف ہے ،

عائشہ :۔ دھول سے ایک طمانچہ لگاتے ہوئے ، چل جھوٹی کہیں کی ،

کلثوم :۔ سچ عائشہ ، دیکھو گنو ، ایک میں تم سے محبت کرتی ہوں پھر اسحٰق بھیا سے ، رقیہ سے اسمٰعیل سے ، زینب سے ، ابراہیم سے ، اماں سے

عائشہ :۔ (مسکراتے ہوئے) شریر ،

کلثوم :۔ شکریہ اس عزت افزائی کا ، اماں تو کہا کرتی ہیں میری کلثوم بالکل بے زبان گزیا ہے آج معلوم ہوا ، ان کا خیال غلط ہے میں شریر بھی ہوں

اور ہاں وہ ایک لڑکی جمیلہ بھی تو تھی تمہارے بادیہ میں ؟

عائشہ :۔ تھی کیوں ہے !

کلثوم :۔ اب تو وہ بھی بڑی ہوگئی ہوگی ———؟

عائشہ :۔ کیا کہنا ہے تمہاری سمجھ کا، ذرا بتاؤ تو کیا سمجھیں ؟

کلثوم :۔ وہ زخم جواب تک رس رہا ہے اسی فرشتہ، قدرت کا لگا ہوا ہے ؛
پھر کیسی پتہ کی بات بتادی بہتیں ؟

یہ کہہ کر کلثوم مسکرانے لگی، لیکن عائشہ نے کوئی جواب نہ دیا، اس کے چہرہ پر اس وقت عجیب طرح کی سنجیدگی، بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں افسردگی چھائی ہوئی تھی، کلثوم نے غور سے دیکھا تو اس کی آنکھیں آب گوں پائیں، گھبرا گئی اُسے گلے سے لگا لیا، اور بولی ——

"تم اس سے محبت کرتی ہو —— ایں ؟

عائشہ نے کوئی جواب نہ دیا، لیکن اس کی خاموشی اقرار کی ترجمان تھی، کلثوم نے شرارت بھری نظروں سے اُسے دیکھا،

"یہ فن بھی سیکھ لیا تم نے ؟"

عائشہ نے جواب دیا۔

"پریشان نہ کرو کلثوم ہمارا دل دکھا ہوا ہے"۔

کلثوم نے پوچھا۔

"خیریت تو ہے کیوں ؟

عائشہ پھر خاموش ہو گئی، اور پھر کرید کرید کر سارا حال کلثوم نے اس سے اسلم کو پوچھ لیا، پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"گئیں تم ہاتھ سے ؟

عائشہ نے تیوری چڑھا کر دریافت کیا،

عائشہ :۔ ہاں بڑی شریف، وفادار اور جاں نثار،

کلثوم :۔ زیادہ تعریف نہ کرو اس کی، ورنہ میں تم سے خفا ہو جاؤں گی، اور اس سے نفرت کرنے لگوں گی،

عائشہ :۔ لے واہ یہ کیوں؟ اچھی زبردستی ہے،

کلثوم :۔ تمہاری زبان صرف میری تعریف میں کھلنی چاہئے، میرے سوا جس کسی کی تعریف کرو گی، میں اُسے اپنا رقیب سمجھوں گی، جلنے لگوں گی اس سے، موقع ملا تو گلا گھونٹ دوں گی اس کا،

عائشہ :۔ (ہنستے ہوئے) کچھ دیوانی ہوئی ہو،؟

کلثوم :۔ یہی سمجھ لو، اور ہاں اسلم میاں سے کہہ دینا ذرا مجھ سے ہوشیار رہیں، اگر کبھی نظر کے سامنے پڑ گئے، اور میں نے تمہیں ان کی طرف اپنے سے زیادہ مائل پایا تو پھر ان کی بھی خیریت نہیں،

عائشہ :۔ (بے تحاشا ہنستے ہوئے) تیرا تو دماغ چل گیا ہے ——— اوہ اتنی رات ہوگئی، اور ہم اب تک باتیں کئے جا رہے ہیں، اب سو رہو!

عائشہ :- ہاں تم سے دوگنی تو ہوگی ،

کلثوم :- صورت کی کیسی ہے ؟

عائشہ :- مجھ سے اچھی

کلثوم :- (شرارت سے) اور مجھ سے ؟

عائشہ :- تمھاری کیا برابری کرے گی !

کلثوم :- کیا کرتی ہے ؟

عائشہ :- بکریاں چراتی ہے !

کلثوم :- اور کیا کرتی ہے ؟

عائشہ :- تالاب پر پانی بھرنے جاتی ہے ،

کلثوم :- وہ نہیں گری تالاب میں ؛ اس نے کبھی ڈبکیاں نہیں کھائیں ؛ اس کی مدد کو کوئی فرشتۂ رحمت نہیں پہنچا ، ——— کیوں ؟

عائشہ :- تم سے نہ ڈبکیاں کھانے کی ضرورت ہے ، نہ کسی فرشتۂ رحمت کی مدد کی ،

کلثوم :- یہ کیوں بھائی ؟

عائشہ :- اس کے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے ؛

کلثوم :- یعنی وہ رستا ہوا زخم بھی ——— ؟

عائشہ :- (ہنستے ہوئے) ہاں ——— لیکن اب وہ اچھا ہوگیا ہے ،

کلثوم :- یعنی جمیلہ تمھاری طرح ہجراں کشیدہ نہیں ؛ وہ اپنے مجنوں کے پاس ہے ؟

عائشہ :- یہی سمجھ لو ،

کلثوم :- ہے تو اچھی لڑکی ،

"یہ تمہاری کوئی سہیلی ہوں گی؟"

کلثوم نے شوخ نظروں سے اسے دیکھا اور بولی،

"لیکن آپ کی بھی تو کچھ ہوتی ہیں یہ؟"

اسحٰق کا چہرہ ذرا کے ذرا سرخ ہو گیا، پھر اس نے اپنی کیفیت پر غالب آتے ہوئے کہا۔

"ہوتی ہوں گی!"

کلثوم نے خوشی کا جھولا جھولتے ہوئے کہا،

"بھیا یہ عائشہ ہے، دیکھتے ہیں آپ اتنے دنوں میں کیا سے کیا ہو گئی ہے؟"

اسحٰق نے نظر بھر کر عائشہ کو دیکھا، واقعی اب وہ کیا سے کیا ہو گئی تھی، وہ ذرا سی لڑکی، جو ہر وقت اِدھر اُدھر ماری ماری پھرا کرتی تھی، اب ایک دوشیزہ تھی، اب ایک قیامت تھی، ایک طوفان تھی —— دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں —— پہلے وہ ایک نو شگفتہ کلی تھی اب ایک گلِ رعنا، پہلے وہ ایک چھوٹی سی لڑکی تھی، اب ایک طرح دار اور باوقار خاتون، پہلے وہ اس کے چٹکیاں لیا کرتا تھا، چھیڑا کرتا تھا، ہنسایا کرتا تھا، اب اس سے بات کرنے کا یارا نہیں ہو رہا تھا۔ پہلے وہ خود بار بار اس کے پاس آتی تھی، اور شرارت پہ شرارت کیا کرتی تھی، اور اب اس کا وقار اسے جنبشِ لب کی اجازت نہیں دیتا تھا، ایک لمحہ کے لئے سارے خیالات بجلی کی طرح کوند گئے، پھر اس نے زبان کھولی۔

"عائشہ اچھی تو ہو تم؟"

وہ ادب سے سر جھکا کر شرماتی ہوئی بولی،

اسحٰق

چند روز کے بعد اسحٰق مالِ تجارت سے لدا پھندا، ہشاش بشاش گھر میں داخل ہوا، اُسے دیکھ کر اُمِ سلیم نے کلیجہ سے لگا لیا، وہ صرف اس گھر کا سہارا نہیں، اُم سلیم کے ٹوٹے ہوئے دل کا بھی سہارا تھا، احسان نے اُسے گلے سے لگایا، اور دُعائے ترقی عمر و اقبال دی، وہ خوش خوش گھر میں داخل ہوا، عائشہ کے تصور سے اس کے بدن میں جھرجھری سی پیدا ہو گئی، وہ آج سے نہیں بہت دنوں سے عائشہ کو چاہتا تھا، اس کی آرزو تھی، کہ وہ عائشہ کو حاصل کرے، عائشہ کو حاصل کرنے کے لئے، گھر کے بگڑے ہوئے حالات کا سنبھلنا ضروری تھا، اس نے دن رات محنت کی، اور اپنی صداقت و دیانت کے بل بوتے روز افزوں ترقی کرتا گیا، اور اب وہ اس علاقہ کا خاصا خوشحال آدمی تھا، گھر میں داخل ہوا تو سب سے پہلے کلثوم بڑھ کر اس کے کندھے سے لگ کر کھڑی ہو گئی، پھر اس نے شرماتی ہوئی لجاتی ہوئی عائشہ کی طرف اشارہ کر کے کہا،

"آپ پہچانتے ہیں یہ کون صاحبہ ہیں؟"

اسحٰق کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا،

کلثوم نے ٹوکا،

"صرف بڑھی نہیں ہے لمبی بھی ہو گئی ہے، کسی دن اتنی لمبی ہو جائے گی کہ ہتھیلی ہاتھ میں لے کر کھڑے کھڑے سورج سے بھون لیا کرے گی، اور ہم سب بھوک سے بلبلاتے اس کا منہ دیکھتے رہ جائیں گے!"

اسحٰق نے پھر ایک تنو مند قہقہہ لگایا،

"اپنے کو نہیں دیکھتی ہر روز ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک بالشت قد گھٹ گیا ہے!"

کلثوم نے شکایت آمیز نظروں سے ماں کو دیکھا،

"دیکھ لیجئے اماں، بھیا نہیں مانتے، پھر میں بھی کہہ دوں گی کچھ!"

ام سلیم نے بیٹی کی حمایت کی۔

"کیوں پیچھے پڑ گیا ہے میری بچی کے۔"

اسحٰق ہنسنے لگا، پھر ماں سے بولا،

"بھوک لگی ہے، رات بھی میں نے کھانا نہیں کھایا تھا ــــــــ کلثوم جلدی کرو!"

کلثوم نے بڑی سنجیدگی سے کہا،

"میں معافی چاہتی ہوں!"

اسحٰق اس عجیب و غریب جواب پر، اسے حیران نظروں سے دیکھنے لگا، ام سلیم کو بھی اس بے تکے جواب پر تعجب ہوا، لیکن کلثوم نے خود ہی حیرت اور استعجاب کی یہ فضا ختم کر دی "عائشہ نے مجھے تاکید کر دی ہے کہ میں باورچی خانہ میں قدم بھی نہ رکھوں، آپ کے اعزاز میں وہ آج خود اپنے دست مبارک سے پکائیں گی، لہٰذا آپ کو انتظار کرنا

"جی ہاں بہت اچھی طرح"

اسحق :- یہاں جی تو نہیں گھبراتا؟

عائشہ :- بھیا آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں، بھلا اپنے گھر میں بھی کسی کا جی گھبرا سکتا ہے ——؟

یہ سن کر ام سلیم کے چہرے پر رونق آ گئی، خود اسحق کا چہرہ بھی پھول کی طرح کھل اٹھا

اسحق نے پھر سوال کیا،

"کلثوم تمہیں دق تو نہیں کرتی؟"

عائشہ نے شریر نظروں سے کلثوم کی طرف دیکھا اور بولی،

"بہت کرتی ہے؟"

کلثوم فوراً بول پڑی

"جھوٹ بھیا —— دق تو یہ کیا کرتی ہیں ہمیں؟"

اسحق نے فیصلہ کر دیا،

"نہیں عائشہ جھوٹ نہیں بول سکتی،!"

کلثوم نے مصنوعی افسردگی کے ساتھ کہا،

"لیجئے آپ بھی انہی کی سی کہنے لگے —— کہیں پرسش داد خواہاں نہیں!"

اسحق نے ایک قہقہہ لگایا،

"واقعی بڑی شریر ہے تو،!"

پھر وہ ماں سے مخاطب ہوا

"اماں، یہ عائشہ تو اب واقعی خاصی بڑھ گئی ہے، پہچانی نہیں جاتی!"

دورِ مسرّت

ام سلیم کا گھر واقعی عائشہ کے لیے نئے دور مسرت کا گھر ثابت ہوا، یہاں نہ اُسے کوئی فکر تھی، نہ پریشانی، ہاں اگر فکر تھی تو اسلم کی، لیکن اُسے اپنی اور اسلم کی محبت پر اعتماد تھا، اور اس اعتماد نے اُسے مطمئن کر دیا تھا، اُسے یقین تھا دُنیا کی کوئی طاقت نہ اسے اسلم سے جُدا کر سکتی ہے، نہ اسلم کو اس سے دور رکھ سکتی ہے، رات کی تنہائی میں وہ اسی کا خیال کرتے کرتے سو جاتی، اور پھر سوتے میں اسی کو عالم خواب میں دیکھتی اور اپنی ساری داستان ہجر و فراق بیان کر دیتی، اسلم اسے تسکین دیتا، تسلی دیتا، جلد آنے، اور ہمیشہ کے لئے اُسے اپنا بنا لینے کے وعدے کرتا، ان وعدوں سے وہ مطمئن ہو جاتی، خوش ہو جاتی، جب اُس کی آنکھ کھلتی تو وہ اپنے آپ کو پہلے سے زیادہ مسرور و مطمئن پاتی، اور پھر کلثوم میں، رقیہ میں، زینب میں گھر جاتی، پھر ان کی مجلس جمتی، اور اس میں دلچسپ اور پُرلطف باتوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا، کبھی کبھی ان باتوں میں اسحٰق بھی آکر شریک ہو جاتا، تو رونق اور زیادہ بڑھ جاتی، اس کے دلچسپ لطیفے اور چٹکلے، اس کی مزے دار کہانیاں اور

پڑے گا، خواہ ایک رات اور فاقے سے کیوں نہ گذر جائے ــــــــ یا کہئیے تو گھر میں پہلے سے جو کچھ پکا رکھا ہے لے آؤں؟"

اسحٰق نے سر کھجاتے ہوئے کہا،

"نہیں بھائی، ہم تو عائشہ کے ہاتھ کا پکا ہوا کھائیں گے،!"

سنتی ہو کلثوم بھیا کیا کہہ رہے ہیں ؟"

کلثوم نے بے پروائی کے ساتھ جواب دیا ،

"میں تو ہمیشہ سے سنتی چلی آ رہی ہوں ، تم نے آج پہلی مرتبہ سنا ہے ، لہٰذا خوب جی بھر کے خوش ہو لو !" ——— ہنسو ہنسو ، اور ہنسو ، خوب جی بھر کے ہنسو ، چپ کیوں ہو گئیں ——— ؟"

عائشہ بولی ،

"ارے تم تو مجھ سے خفا ہو گئیں ، میں نے کیا کیا ہے آخر ؟"

کلثوم :- کچھ نہیں ، تم کو معلوم ہو کہ ، خطا تو ہماری ہے ،

عائشہ :- لیکن ہوا کیا ؟

کلثوم :- کچھ نہیں ، صرف تم نے مجھے صلاتیں سنوائی ہیں بھیا سے ۔

عائشہ :- میں نے ؟

کلثوم :- اور کیا میں نے ؟

عائشہ :- واہ بھئی یہ اچھی الٹی آنتیں گلے پڑیں ،

کلثوم :- ہاں بھئی میں تو سو بروں کی ایک بری ہوں ،

اختر :- تم بھی کس کی باتوں کا سنجیدگی سے جواب دے رہی ہو ؟ یہ بن رہی ہے ، محض شرارت ، نہ تم سے خفا ہے ، نہ مجھ سے ، یونہی چھیڑا کرتی ہے ، جانتی ہے کہ میں بھی اس سے بے انتہا محبت کرتا ہوں ، اور تم نے بھی اسے آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بنا رکھا ہے ! ——— کیوں کلثوم ؟

کلثوم :- اگر یہ بات ہے تو آپ نے عائشہ سے یہ کیوں کہا کہ کلثوم ، کھانے بہت خراب

داستانیں بہادرانِ عرب کے ولولہ خیز کارنامے شاعرانِ عرب کے دل میں جوش اور حوصلہ پیدا کرنے والے اشعار اسحٰق کی موجودگی سے واقعی محفل کا رنگ کچھ عجیب سا ہو جاتا تھا،

دن اس طرح گزرتے رہے جیسے گذر ہی نہیں رہے ہیں، صبح سے لے کر رات کو سوتے وقت تک ایک عجیب چہل پہل کی کیفیت سارے گھر پر طاری رہتی، ایک روز عائشہ، اور کلثوم اس پاس بیٹھی حسب معمول باتیں کر رہی تھیں کہ اسحٰق آ گیا، اسے آتا دیکھ کر، عائشہ خاموش ہو گئی، وہ خاموشی سے آ کر بیٹھ گیا، پھر اس نے کہا،

"عائشہ تم چپ کیوں ہو گئیں، ابھی کوئی پُرلطف بات کہہ رہی تھیں، کلثوم کے بڑے بڑے بے ڈھنگے سے دانت مجھے دور ہی سے نظر آ گئے تھے، اس کے ہنسنے کا منظر تو آدمی ایک میل کے فاصلہ سے دیکھ سکتا ہے؟

عائشہ ہنسنے لگی،

"بھیا آپ تو بہت پریشان کرتے ہیں ہماری کلثوم کو، اتنا زیادہ ستانا بھی اچھا نہیں ہوتا!"

اسحٰق نے ایک قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا۔

"کلثوم، بیچاری کلثوم، تم اسے بے چارہ سمجھتی ہو؛ چالاک اور ہوشیار بہت ہو گا تو اتنی چڑیا کے پر کتر لے گا، لیکن یہ تمہاری بیچاری کلثوم تو شیطان کے کان کترتی ہے، ہمارے اس بادیہ میں لوگ زیادہ نیک، زیادہ پارسا، زیادہ متقی، زیادہ دیانتدار، زیادہ پابند صوم و صلوٰۃ اس لئے نظر آتے ہیں کہ شیطان نے کلثوم کے ڈر سے اس بادیہ میں آنا چھوڑ دیا ہے۔

عائشہ ہنستے ہنستے لوٹ گئی،

مجھ سے کام کرایا جاتا ہے، نہ جانے وہ کون منحوس دن تھا، جب میں یہاں آئی تھی، نہ جانے وہ کون سا مبارک دن ہوگا، جب یہاں سے میں اپنے بادیہ میں جاؤں گی، نہیں کہا تھا تم نے ؟"

عائشہ نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ اداس نظر آرہی تھی، اس کی آنکھوں سے آنسو کے قطرے بس ٹپکنے ہی والے تھے، اسحٰق نے اس کی یہ کیفیت نہیں دیکھی، زور سے ایک قہقہہ لگایا اور کہا،

"دیکھ لیا عائشہ تم نے، یہ انتقام لیا ہے کلثوم کی بچی نے مجھ سے اور تم سے ؛ ابھی میں نے اس کے دانتوں کی تعریف کی تھی، اور تم ہنس پڑی تھیں، بس اس نے طے کر لیا کہ ایک ہی تیر سے میرا اور تمہارا شکار کرے گی، میں جانتا ہوں کہ محض تمہیں ستانے کے لئے ایسی باتیں کر رہی ہے، خواہ مخواہ تم اس سے سوال جواب کر کے الجھ رہی ہو"

اس تقریر سے فارغ ہو کر جو اس کی نظر عائشہ پر پڑی، تو اس کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا، اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے، یہ دیکھ کر اسحٰق گھبرا گیا، اس نے بیقرار ہو کر کہا۔

"عائشہ تم رونے لگیں !"

اب عائشہ سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی، کلثوم نے دیکھا کھیل بگڑ گیا، وہ اس سے لپٹ گئی اور خود بھی سسکیاں لے لے کر رونے لگی، اب تو اسحٰق بھی، کلثوم کا مزاج دان ہونے کے باوجود گھبرا گیا، اس نے ذرا زور سے آواز دی،

"کلثوم !"

کلثوم نے عائشہ کے کندھے پر سر رکھے رکھے اسحٰق کی طرف دیکھا اور مسکرا دی،

پکاتی ہے۔

عائشہ :- کچھ ہوش میں ہو کلثوم، میں نے تو تم سے کچھ نہیں کہا،

کلثوم :- اب بات چھڑی ہے تو معاملہ صاف ہو جانا چاہیئے، بتایئے بھیا آپ نے میرے پھوہڑ پن کا ذکر عائشہ سے کیوں کیا؟ کیا اس لئے نہیں کہ اُسے مجھ پر ہنسنے کا موقع ملے؟ ——— یہ ——— باتیں مجھے عائشہ سے معلوم ہوئی ہیں، میں جانتی ہوں وہ جھوٹی تو نہیں ہے، آپ کی مروت اور لحاظ سے بھی جھوٹ نہیں بولے گی،

عائشہ :- (بے انتہا پریشان ہو کر) کلثوم آخر کیا ہو گیا ہے تمہیں ——— بھیا نے کب یہ باتیں تم سے کہیں؟ جھوٹ اور منہ در منہ، خدا کے لئے ایسا غضب تو نہ کرو ۔

کلثوم :- کیوں عائشہ کیا تم نے مجھ سے کل رات یہ نہیں کہا تھا کہ اسحق بھائی بنتے بہت ہیں، اپنے آپ کو شاعر، خطیب، شجاع، بہادر، داستان گو، مجاہد، غازی، نہ جانے کیا کیا سمجھتے ہیں لیکن ہیں خاک نہیں!"

عائشہ : میں نے؟ ——— میں نے کہا تھا؟

کلثوم :- ہاں ——— اور تم ہی نے تو یہ بھی بتایا تھا کہ اسحق بھیا ہر وقت تم پر حکم چلایا کرتے ہیں، عائشہ ذرا پانی پلادو، عائشہ ذرا یہ کام کر دو، عائشہ ذرا وہ کام کر دو، عائشہ ذرا یہ چیز اُٹھا دو، عائشہ ذرا وہ چیز رکھ دو، عائشہ ذرا بستر ٹھیک کر دو، عائشہ ذرا گھوڑے کو دانہ پانی دے آؤ، میں کوئی ان کی لونڈی ہوں؟ اپنے گھر میں تو ہل کر میں پانی بھی نہیں پیتی تھی، یہاں ہر وقت

"بھیا آپ گواہ رہیئے، میں عہد کرتی ہوں، عائشہ نے اور بہت سی جو باتیں آپ کے بارے میں کہی ہیں، کبھی بھولے سے بھی اب انہیں زبان پر نہیں لاؤں گی!"

عائشہ اور اسحٰق دونوں ہنسنے لگے۔

اسحٰق نے اُسے عائشہ کے پاس سے ہٹایا اور کہا،

"دیکھ لو اس کا رونا بھی مکر ہے، یہ مسکرا رہی ہے!"

کلثوم عائشہ سے لپٹ گئی!

"میں تو مذاق کر رہی تھی!"

عائشہ خفا ہو چکی تھی۔

"میں ایسا مذاق نہیں پسند کرتی!"

اسحٰق نے مداخلت کرتے ہوئے کہا،

"اچھا رہا آپ کا مذاق، یہ مذاق ہے کہ مذاق ہی مذاق میں رُلا دیا عائشہ کو"

کلثوم نے ذرا تیکھے پن سے جواب دیا،

"بس چُپ رہیے بھیا، میری زبان نہ کھلوائیے!"

اسحٰق نے اُسے گھورا،

"کیا اب میری باری آئی ہے؛ شاید میں نے تم سے عائشہ کی کچھ بُرائی کی ہو! اور تم اب اُسے اگل دینے پر بیتاب ہو، اگر ایسا ہوا تو یاد رکھو، دونوں کان غائب کر دوں گا!"

کلثوم نے اسحٰق کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا، عائشہ سے لپٹ کر کہتی ہوئی بولی:-

"معاف کر دو!"

اب عائشہ کچھ کچھ خوش ہو چلی تھی،

"نہیں معاف کرتے!"

بڑی سنجیدگی سے کلثوم نے کہا۔

پھر وہ سہم کر سوچتی،

"جبریل ——— : کہیں اُس نے کوئی دراندازی نہ کی ہو ؟"

اور پھر خود ہی اپنے آپ کو دلاسا دیتی،

"جبریل کیا کر سکتا ہے ؟ وہ ہمارے راستہ میں سنگ گراں بن کر حائل نہیں ہو سکتا !"

اور پھر اس کے چہرہ پر فخر اور سرخوشی کی کیفیت طاری ہو جاتی، اس کے کانوں میں اسلم کے الفاظ گونجنے لگتے،

"میری تلوار اس کی گردن کاٹ دے گی !"

اور پھر اس ——— اور متنفّی شخص کا کٹا ہوا سر ڈھلکتا ہوا اس کی نگاہ تصور کے سامنے رقص کرنے لگتا، خود بخود اس کے دلکش، ہونٹوں پر تبسم کی بجلی ناچتی نظر آتی، اور وہ اس طرح مطمئن ہو جاتی، جیسے واقعی جبریل نے دراندازی کی ہے، اور اسلم نے قلم کی طرح اپنی تلوار سے اس کا سر تراش دیا ہے۔

"زمانہ کا قافلہ، غیر محسوس طور پر لیکن تیزی کے ساتھ رواں دواں تھا !"

لیکن یک بیک ایک نئی صورت حال پیدا ہو گئی، ایک روز کلثوم آئی اور اس کے پاس بیٹھ گئی، آتے ہی اس نے کہا،

"یعنی بی بی عائشہ، ہم ایک خاص خبر دینے آئے ہیں تمہیں !"

عائشہ نے اُسے گھورا اور بولی،

"تمہاری خبریں ؟ ——— کتنا جھوٹ ہو گا، کتنا سچ ؟"

کلثوم :۔ بالکل سچ، جھوٹ کا شائبہ بھی نہیں،

"اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو"

ام سلیم کے ہاں عائشہ کو آئے ہوئے کافی مدت گزر چکی تھی، یہاں وہ اطمینان آرام اور آسودگی کی زندگی بسر کر رہی تھی، البتہ اگر کانٹے کی طرح کوئی چیز دل میں کھٹکتی تھی تو وہ اسلم کی یاد تھی ——— اسلم اس کی تعلیم دل کا تاجدار اس کے شہر جمال کا شہنشاہ، اس کی روح کا مالک، جب اسلم کی یاد زیادہ ستاتی، دل بھر آتا، اور آنسو ٹپکنے لگتے، تو وہ خود اپنے آپ کو تسلی دیتی، اور اپنے دل کو اطمینان دلاتی کہ اسلم جھوٹا نہیں ہے، فریبی نہیں ہے، غدار نہیں ہے۔ وہ سچا ہے، کھرا ہے، پاکباز اور پاک نہاد ہے۔ اس کا عشق صادق ہے، وہ حرص و ہوس کا بندہ نہیں، وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا، وہ ضرور آئے گا، وہ آئے گا، اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مجھے اپنے ساتھ لے جائے گا، دیر ہو سکتی ہے، اندھیر نہیں، ہو سکتا ضرور اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل ہے، ورنہ اب تک ضرور آ چکا ہوتا، لیکن وہ جری ہے، دلیر ہے، بہادر ہے، رکاوٹوں کو روند ڈالے گا، مشکلات کو پامال کر دے گا، دشواریوں کو کچل دے گا - اس کا مقابلہ کون کر سکتا ہے،

عائشہ :- تو فرمایئے

کلثوم :- تمہاری شادی ہو رہی ہے بہت جلد

عائشہ کا چہرہ نورِ مسرت سے گلنار ہو گیا، اس نے خیال کیا ہو نہ ہو اسلم نے کسی طرح پتہ چلا لیا ہے۔ اور اس نے شادی کا پیام بھیجا ہے۔ ابا تو پہلے ہی اس دن کے لئے چشم براہ تھے۔ انہوں نے منظور کر لیا ہوگا، تاریخ مقرر کر دی ہوگی اور اسی کی خبر دینے کلثوم بیگم تشریف لائی ہیں،

چل جھوٹی "!

کلثوم نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا،

"خدا کی قسم سچ"

عائشہ پر اب سنجیدگی طاری ہو گئی اس نے پوچھا۔

"کیا شیخ سلیمان کے ہاں سے کوئی آدمی آیا ہے؟ شاید اسلم آیا ہوگا، وہ ان کا بڑا جگری دوست ہے، اور ہر وقت ان کے لئے سر ہتھیلی پر لئے رہتا ہے،"

کلثوم نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔

"نہیں شیخ سلیمان کے ہاں سے کوئی نہیں آیا ہے ——— اور تم بھولے ہوئے لوگوں کا کیا ذکر، نہ شیخ سلیمان کے دل میں تمہارا خیال ہے، نہ اسلم کو تم یاد ہو ——— "

عائشہ :- ایسا نہ کہو کلثوم

کلثوم : جو سچ ہو خواہ تکلیف دہ ہوتا ہے، اسے ماننے میں آدمی کو تامل ہوتا ہے، لیکن نہ ماننے سے حقیقت تو نہیں بدل جاتی۔

عائشہ :- آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو؟ ——— کیا اسلم ———

کلثوم :- (بیزاری کے ساتھ) پھر وہی اسلم چھوڑو اس قصہ کو، میں کہنا یہ چاہتی ہوں کہ تمہاری شادی ہو رہی ہے بہت جلد،

عائشہ :- (ناگواری کے ساتھ) کلثوم اس طرح کی چھیڑ چھاڑ نہ کیا کرو۔

کلثوم :- میں تمہیں ایک خبر دینے آئی ہوں اور تم اسے مذاق سمجھ رہی ہو، پھر اسی طرح مذاق ہی مذاق میں دولہن بن کر بھی بیٹھ جانا،

عائشہ :- (زیادہ سنجیدہ ہو کر) میری شادی ہو رہی ہے؟

کلثوم :- ہاں، ہاں، ہاں،

عائشہ :- کس سے،

کلثوم :- اس سے جو تمہیں چاہتا ہے،

عائشہ :- پھر وہی پہیلیاں،

کلثوم :- اس کا نام سننا چاہتی ہو؟ تو سن لو اس کا نام ہے اسحٰق!

یہ سنکر عائشہ پر بجلی سی گر پڑی، وہ گم صم رہ گئی۔ اس کے آنے کے حواس غائب ہو گئے،

عائشہ :- اس سے شادی ہو رہی ہے؟

کلثوم :- ہاں میری پیاری بہن،

عائشہ :- لیکن کس کی مرضی سے؟

کلثوم :- احسان خالو کی مرضی سے، اختر کی مرضی سے، میری ماں اور تمہاری خالہ ام سلیم کی مرضی سے، تمہاری بہن کلثوم کی مرضی سے،

عائشہ :- تو فرمائیے

کلثوم :- تمہاری شادی ہو رہی ہے بہت جلد

عائشہ کا چہرہ فورِ مسرت سے گلنار ہو گیا، اس نے خیال کیا ہو نہ ہو اسلم نے کسی طرح پتہ چلا لیا ہے- اور اس نے شادی کا پیام بھیجا ہے- ابا تو پہلے ہی اس دن کے لئے چشم براہ تھے- انہوں نے منظور کر لیا ہو گا، تاریخ مقرر کر دی ہو گی اور اسی کی خبر دینے کلثوم بیگم تشریف لائی ہیں،

"چل جھوٹی"!

کلثوم نے اُسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا،

"خدا کی قسم سچ"

عائشہ پر اب سنجیدگی طاری ہو گئی اس نے پوچھا-

"کیا شیخ سلیمان کے ہاں سے کوئی آدمی آیا ہے؛ شاید طلحہ آیا ہو گا، وہ ان کا بڑا جگری دوست ہے، اور ہر وقت اُن کے لئے سر ہتھیلی پر لئے رہتا ہے"!

کلثوم نے بے پرائی کے ساتھ کہا-

"نہیں شیخ سلیمان کے ہاں سے کوئی نہیں آیا ہے ——— اونھ بھولے ہوئے لوگوں کا کیا ذکر، نہ شیخ سلیمان کے دل میں تمہارا خیال ہے، نہ اسلم کو تم یاد ہو- ———"

عائشہ :- ایسا نہ کہو کلثوم

کلثوم : جو سچ کڑوا یا تکلیف دہ ہوتا ہے، اُسے ماننے میں آدمی کو تامل ہوتا ہے، لیکن نہ ماننے سے حقیقت تو نہیں بدل جاتی-

کلثوم :- میں اس لئے آئی ہوں ، اگر یہ رشتہ تمہیں منظور نہ ہو تو مجھ سے ، اپنی رازدار ، اور ہاو خاہیل سے صاف صاف سچ سچ کہدو ،

عائشہ :- تم کیا کروگی ؟

کلثوم :- سب کچھ ——— میں خاک کر تباہ دوں گی عائشہ اس رشتہ کو پسند نہیں کرتی ؛

عائشہ :- نہیں کلثوم ، میں ابا کے دل کو صدمہ پہنچانا نہیں چاہتی ، میں ان کے اعتماد کو ٹھیس لگانا نہیں چاہتی ، وہ بوڑھے ہیں اور اب تو بیمار بھی رہنے لگے ہیں ، میرا انکار ، انہیں ادھموا کر دے گا ۔

کلثوم :- ایک اور صورت بھی ہو سکتی ہے ،

عائشہ :- وہ کیا ؟

کلثوم :- میں اسحٰق بھائی سے کہدوں گی کہ عائشہ اسلم سے محبت کرتی ہے ، وہ آپ سے شادی نہیں کر سکتی ———

عائشہ :- کہیں ایسا غضب نہ کرنا ۔

کلثوم :- سنو تو عائشہ ، اسحٰق بھائی بڑے اچھے اور بڑے پیارے آدمی ہیں ، ان کے مزاج اور اُن کے دل کا جواب نہیں ۔

عائشہ :- میں نے کب انہیں بُرا کہا ،

کلثوم :- وہ تم سے محبت کرتے ہیں ، بے پناہ محبت ، انہوں نے محبت کا اظہار نہیں کیا اقرار نہیں کیا ، لیکن میں جانتی ہوں انہیں تم سے بے پناہ محبت ہے ، وہ دزدیدہ نگاہوں سے جب تمہیں دیکھتے ہیں ، تو اُن کے چہرہ کا رنگ دیدنی ہوتا ہے ، باہر

عائشہ :۔ لیکن شادی تو میری ہو رہی ہے۔ مجھ سے تو کچھ بھی نہیں پوچھا گیا،

کلثوم :۔ اماں نے اور اماں سے زیادہ اسحٰق بھائی نے کہا تھا کہ تمہارا عندیہ لے لیا جائے لیکن خالو بگڑ گئے، کہنے لگے عائشہ کا عندیہ لے لوں؟ کیا وہ میری مرضی کے خلاف جا سکتی ہے؟ اگر میں اس سے اندھے کوئیں میں کود پڑنے کو کہوں تو وہ آنکھ بند کر کے بے تامل کود جائے گی، میری لڑکی ہیرا ہے، میرے دل کا سرور، میری آنکھوں کا نور،

عائشہ :۔ (بے بسی کے عالم میں) لیکن پہلے تو اُن کا خیال کچھ اور تھا،

کلثوم :۔ یعنی اسلم سے وہ تمہاری شادی کرنا چاہتے تھے؟

عائشہ :۔ ہاں،

کلثوم :۔ اس کا ذکر بھی آیا تھا، انہوں نے خود کہا تھا۔ اگر اسلم آجاتا یا اس تک پہنچنا ممکن ہوتا تو میں عائشہ کی شادی اس سے کرتا۔

عائشہ :۔ عمار جا سکتا ہے وہاں،

کلثوم :۔ پھر وہ بولے راستہ کی خطرناکی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے، حالات نازک سے نازک تر ہوتے جا رہے ہیں، میں جہاد پر جانا چاہتا ہوں لیکن نہیں جا سکتا، لہٰذا میں نے اسلم کا خیال ترک کر دیا ہے، مجھے اسحٰق سے عائشہ کا رشتہ منظور ہے، اسحٰق میرے جگر کا ٹکڑا ہے، ہونہار، سعید، شریف، بہادر، شجاع، وہ میری عائشہ کو اسلم سے بھی زیادہ آرام سے رکھے گا،

عائشہ :۔ (مایوسی کے عالم میں) تو یہ ابا کا فیصلہ ہے؟

کلثوم :۔ ہاں اٹل فیصلہ ———— کیا تمہیں اختلاف ہے اس سے؟ ————

عائشہ :۔ (بے بسی کے ساتھ) نہیں ———— اگر ہو بھی تو کیا ہو سکتا ہے؟

بہت محبت ہے، محبت قربانی چاہتی ہے، اور وہ کسی قربانی سے تمہارے لئے دریغ نہیں کریں گے، خود چاہے اس غم میں مر جائیں، لیکن تمہیں خوش دیکھنے کے لئے وہ سب کچھ کر گزریں گے ———— بتاؤ عائشہ کیا تم ان سے سب کچھ، سارا ماجرا،

عائشہ :- ہرگز نہیں۔

کلثوم :- پھر کیا ہوگا؟

عائشہ :- وہی جو ہونا چاہیئے۔

کلثوم :- یعنی، یعنی، یعنی ————؟

عائشہ :- ہاں یعنی وہی،

کلثوم :- تم اسحٰق بھائی سے شادی کرو گی؟

عائشہ :- (ایک عزم کے ساتھ) ہاں،

کلثوم :- اسلم کو بھول جاؤ گی،

عائشہ :- (ایک عزم کے ساتھ) نہیں،

کلثوم :- (حیرت سے) یہ کیا کہہ رہی ہو عائشہ؟

عائشہ :- ٹھیک کہہ رہی ہوں،

کلثوم :- میں نہیں سمجھی،

عائشہ :- محبت لازوال ہوتی ہے،

کلثوم :- جانتی ہوں،

عائشہ :- ایک شریف شوہر کی پاک دامن بیوی رہ کر بھی میری محبت قائم رہ سکتی ہے، میری محبت حرص و ہوس کی پروردہ نہیں ہے، وہ پاک ہے بے داغ ہے، اور جو

سے آکر سب سے پہلے اُن کی آنکھیں تمہیں ڈھونڈتی ہیں، جب تک تم نظر نہیں آجاتیں، وہ کھوئے کھوئے سے رہتے ہیں۔ اور جیسے تم دکھائی پڑتی ہو، وہ پھول کی طرح کھل جاتے ہیں، وہ تمہاری ذرا ذرا سی تکلیف اور آرام کا خیال رکھتے ہیں،

عائشہ :۔ ہاں کلثوم میں جانتی ہوں محسوس کرتی ہوں،

کلثوم :۔ اُن کی محبت کا یہ عالم ہے لیکن وہ تم سے جھجکتے بھی ہیں، نہ جانے کیا بات ہے شاید وہ محسوس کرتے ہیں، تم ان سے محبت نہیں کرتیں، نہیں کرسکتیں، شاید اسی لئے انہوں نے کبھی اس خواہش کا اظہار نہیں کیا کہ تم سے شادی کردی جائے، اماں نے ایک آدھ مرتبہ اشاروں اشاروں میں پوچھا، لیکن وہ ٹال گئے، وہ بھی خاموش ہوگئیں، لیکن رات خود خالو نے یہ ذکر چھیڑا، اماں کو تو بے مانگے مراد مل گئی، نہال ہوگئیں، لیکن اسحق بھائی نے بڑا اصرار کیا کہ تمہارا عندیہ ضرور لیا جائے اس پر خالو نے اتنی لمبی چوڑی تقریر کرڈالی،

عائشہ :۔ (ایک ٹھنڈی سانس بھر کر) ہوں،

کلثوم :۔ تو میں کہہ رہی تھی کہ اگر میں نے اسحق بھائی کو ہمراز بنالیا اور تمہاری کیفیت بتادی، تو یقین مانو وہ خود انکار کردیں گے۔ ہرگز اس شادی پر آمادہ نہیں ہوں گے لیکن اس طرح کہ تم پر کوئی ذمہ داری اس انکار کی عائد نہ ہو، وہ تمہیں بہت چاہتے ہیں نا، وہ کوشش کریں گے کہ اسلم مل جائے، میرا خیال تو ہے کہ کاروبار کے جس سفر پر چند روز میں وہ جا رہے ہیں اُسے ملتوی کردیں گے،

عائشہ :۔ ملتوی کیوں کردیں گے؟

کلثوم :۔ تاکہ اسلم کو ڈھونڈ نکالیں، اُسے اس کا وعدہ یاد دلائیں، عائشہ انہیں تم سے

عالی حوصلگی، بلند ظرفی سب چیزیں مجھ سے ایثار چاہتی ہیں، اس نے جس طرح گھر کے دروازے ہم ناخواندہ مہمانوں پر کھول دیئے، کیا یہ معمولی بات ہے

کلثوم :۔ تم کیا ہو، میں بار بار سمجھنے کی کوشش کرتی ہوں لیکن ناکام رہتی ہوں، ہر مرتبہ ایک نئے روپ اور ایک نئے رنگ میں نظر آتی ہو،

عائشہ :۔ (سوگوار تبسم کے ساتھ) تقریر اچھی کر لیتی ہو۔

کلثوم :۔ میرے جذبۂ اخلاص کی توہین نہ کرو،

عائشہ :۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں،

کلثوم :۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ہماری بھابی بن گئیں،

عائشہ :۔ بہن تو پہلے ہی تھی، کیا بہن بھائی سے کم ہوتی ہے ــــ؟ کلثوم مجھ سے ایک بات کا عہد کرو،

کلثوم :۔ کر لیا،

عائشہ :۔ بغیر سنے ہوئے،؟

کلثوم :۔ تمہاری بات ٹالی نہیں جا سکتی، جو کہو گی وہ کرنا پڑے گا، لہٰذا سن کر وقت ضائع کرنے سے کیا حاصل؟

عائشہ :۔ تمھیں عہد کرنا پڑے گا کہ اسحٰق کے کان میرے راز سے آشنا نہ ہوں، اسلم سے میری محبت پاک ہے، میں ایک جرم کی طرح اسے چھپانا نہیں چاہتی، لیکن اسحٰق ایک مرد ہے اسے ضرور صدمہ پہنچے گا، میں نہیں چاہتی کہ اس کا دل دکھے

کلثوم :۔ (محبت بھری نظروں سے دیکھ کر) ایسا نہ ہو گا،!

محبت پاک اور بے داغ نہ ہو وہ محبت نہیں،

کلثوم :- یہ تو ٹھیک ہے، لیکن اس طرح تمہارے ارمان جو مرجائیں گے، تمہاری حسرتیں جو دم توڑ دیں گی، تمہاری آرزوئیں ــــــــ

عائشہ :- نہیں کلثوم یہ نہ کہو فرض کرو، اس طرح میرے ارمان مرجائیں گے میری حسرتیں دم توڑ دیں گی، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی تو غور کرو، اس طرح ایک بوڑھے باپ کو نئی زندگی مل جائے گی، ایک شریف اور نیک نہاد اور فرشتہ سیرت شخص کی آرزوئیں پوری ہوجائیں گی، کیا میں ایثار کرکے ایک بہت بڑا کارنامہ نہیں سرانجام دوں گی ؟

کلثوم :- عائشہ عائشہ،

عائشہ :- ہاں کلثوم، میں غلط نہیں کہتی، میں جھوٹ نہیں بولتی، ابا کو خوش رکھنے کے لئے میں سب کچھ کرسکتی ہوں، اور اسحٰق جیسے اونچے انسان کی خوشی پر میں بے تامل اپنے آپ کو قربان کرسکتی ہوں،

کلثوم :- عائشہ،

عائشہ :- ہاں کلثوم، اگر اسلم یہاں موجود ہوتا، اگر اس نے نکاح کا پیام دے دیا ہوتا، اگر ابا نے یہ پیام منظور کرکے تاریخ مقرر کردی ہوتی، اور پھر مجھے معلوم ہوتا کہ اسحٰق کی خواہش یہ ہے کہ میں ان کی رفیقۂ حیات بن جاؤں، تو میں اسلم سے کہہ دیتی، میری محبت قائم ہے، اٹل ہے، امر ہے، لیکن میں شادی نہیں کرسکتی تم سے ــــــــ

کلثوم :- عائشہ،

عائشہ :- ہاں کلثوم، محبت دوسری چیز ہے، شادی دوسری چیز، اسحٰق کی شرافت،

حادثہ

عورت میں استقلال اور برداشت کی قوت، بہت زیادہ ہوتی ہے جس خاموشی سے وہ بڑے سے بڑا غم اور صدمہ برداشت کر لیتی ہے، وہ اس کا حصہ ہے، کوئی اور ہوتا تو اس غم میں دیوانہ ہو جاتا لیکن عائشہ نے نہایت استقلال اور عزیمت کے ساتھ غم کا یہ بوجھ برداشت کر لیا، اس کا دل رو رہا تھا، لیکن آنکھیں خشک تھیں، اس کا سینہ جل رہا تھا لیکن چہرے کا سکون قائم تھا، اس کی روح کرب اور بے چینی محسوس کر رہی تھی، لیکن اس کی سنجیدگی اور متانت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، اس کا باطن تباہ ہو چکا تھا لیکن اس کے ظاہر کے رکھ رکھاؤ میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، وہ اس طرح رہ رہی تھی، جیسے کوئی غیر معمولی بات اور خاص واقعہ رونما ہی نہیں ہوا،

ایک روز کلثوم کے ساتھ وہ بکریاں چرانے گئی۔ بکریاں سامنے چر رہی تھیں، کلثوم اور عائشہ پاس پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھیں، اتنے میں کلثوم کا چھوٹا بھائی، ابراہیم ایک سانڈنی پر سوار آتا نظر آیا، اُسے دیکھتے ہی کلثوم نے کہا۔

"ضرور اسے کوئی شرارت سوجھی ہے!"

کلثوم کافی دیر تک بیٹھی رہی، پھر واپس چلی گئی، اور اس کے جانے کے بعد عائشہ نے تکیہ سے منہ ڈھانپ لیا، اور بڑی دیر تک سسکیاں لے لے کر روتی رہی،

ے اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو
توڑا جو تو نے آئینہ، تمثال دار تھا!

ابراہیم نے کہا

"آؤ تم دونوں کو ذرا سیر کرا دوں، بیٹھ جاؤ!"

کلثوم نے بیزاری کے ساتھ جواب دیا۔

"بخشو ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے سیر کرنے کی؟"

عائشہ کا جی للچایا

"کیا حرج ہے، آؤ ذرا بیٹھ کر دیکھیں تو سہی، کیسے چلتی ہے ——— آؤ کلثوم آؤ!"

کلثوم نے شکایت آمیز لہجے میں کہا،

"تم بھی بچہ بن گئیں"

ابراہیم بیچ میں بول پڑا،

"تمہاری طرح ہر شخص اس قدر جلد بوڑھا کیسے ہو جائے،؟"

کلثوم پھر اسے مارنے کے لئے اٹھی، عائشہ نے روک لیا، پھر وہ سانڈنی پر چڑھ گئی، کوہان سے بالکل لگی ہوئی اس سے پیچھے، اس کے شانوں کا سہارا لے کر کلثوم بھی بیٹھنا پڑا، ابراہیم نے مہار ہاتھ میں لے لی اور حدی خوانی کرتا ہوا، آہستہ آہستہ چلنے لگا، تھوڑی دور چلنے کے بعد نہ جانے کیا جی میں آئی کہ ایک دم رکا، مہار سانڈنی کی گردن سے لپیٹی، کلثوم پکارتی رہ گئی کیا کرتا ہے، کیا کرتا ہے، لیکن اس نے کان ان سنی کر کے دو چار ایسی چوٹیں لگائیں، سانڈنی کی ران اور کولھے پر کہ وہ ایک مرتبہ بے سدھ ہو کر بھاگی، کلثوم اپنا توازن نہ قائم رکھ سکی، اور پیچھے سے گر پڑی ہوتی، دونوں ہاتھوں سے کوہان پکڑ کر پیٹھ سے چمٹ گئی، اور سانڈنی واقعی صبا رفتاری

اتنے میں وہ قریب آگیا، کلثوم نے جھوٹ موٹ کی خفگی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا

"یہاں کیوں آئے ہو؟"

وہ بے پروائی سے اترتا ہوا بولا،

"آگیا، کچھ زبردستی ہے تمھاری؟ ——————!"

کلثوم نے جھنجلا کر کہا،

"چلے جاؤ یہاں سے، ورنہ میں پیٹ دوں گی!"

وہ ہنسنے لگا،

"وہ دن گئے جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے، اب میں بڑا ہو گیا ہوں،

اب کیا تم مجھے پیٹو گی، ——— آؤ پنجہ لڑا کر دیکھ لو،

کلثوم نے بے بسی کے ساتھ عائشہ سے کہا،

"دیکھتی ہو اسے، آگیا، یہ ہمیں پریشان کرنے، اور ہماری باتوں میں کھنڈت ڈالنے

عائشہ ہنسنے لگی،

"کیوں ابراہیم، یہ سانڈنی کیسی ہے؟"

ابراہیم نے محبت بھری نظروں سے اپنی سانڈنی کو دیکھا،

"بڑی اچھی، چلتی اس طرح ہے جیسے نئی نویلی دلہن، تیز رفتار ایسی جیسے باد صبا

اور خوبصورت تم دونوں سے زیادہ ہے!

کلثوم نے ایک دو ہتڑ ابراہیم کی پیٹھ پر جمایا،

"تو جاتا ہے یا کچھ لے کر جائے گا؟"

عائشہ کھلکھلا کر ہنس پڑی،

ملاپ ۔ بچھڑنے کیلئے

سانڈنی ہوا سے باتیں کرتی جا رہی تھی، اس کا کوئی رُخ معین نہیں تھا، عائشہ کو یہ نہیں معلوم تھا کہ یوں ہی ہنسی کا ہنسگو ہو جائے گا، مذاق ہی مذاق میں وہ اپنی جان سے کھیلنے لگے گی، کلثوم گر پڑے گی، اور وہ موت کے جہاز پر سوار، دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ پر مجبور ہو جائے گی، اس نے بڑی مضبوطی سے کوہان پکڑ رکھا تھا، لیکن جیسے جیسے سانڈنی کی رفتار تیز ہوتی جاتی تھی، اس کے حواس جواب دیتے جاتے تھے، اس کی گرفت ڈھیلی پڑتی جاتی تھی، اس کے توازن میں فرق آتا جاتا تھا، بڑی بے بسی سے اُس نے دائیں بائیں دیکھا، مگر کوئی نظر نہ آیا، جسے مدد کے لئے پکارتی، بڑی حسرت سے اُس نے سوئے آسمان دیکھا کہ شاید کوئی فرشتۂ رحمت نمودار ہو اور اس مصیبت سے بچا لے، بڑی اُمید سے اُس نے سامنے کے اُٹھتے ہوئے بگولے پر نظر ڈالی کہ شاید کوئی شہسوار اس غبار سے برآمد ہو اور اسے موت و زیست کی کشمکش سے نجات دے، مگر بے سود، آخر وہ بے سدھ ہو کر اس کے کوہان سے لپٹ گئی، اس نے اپنی زندگی قسمت کے حوالے کر دی، موت قریب تر ہوتی جا رہی تھی، اور لمحہ بہ لمحہ وہ زندگی سے مایوس

کے جوہر دکھاتی چھلاوہ کی طرح نظروں سے غائب ہوگئی، کلثوم کے کچھ زیادہ چوٹ نہیں آئی، گرد جھاڑتی ہوئی ام اٹھ کھڑی ہوئی، لیکن نظر کے سامنے نہ سانڈنی تھی، نہ عائشہ!

کلثوم نے تقریباً روتے ہوئے ابراہیم کی پیٹھ پر ایک دوہتڑ جمایا

"کمبخت یہ تو نے کیا کیا؟ اب عائشہ کا کیا حشر ہوگا؟"

شرارت کا یہ انجام ابراہیم کے تصور میں بھی نہیں تھا، اس کے خود ہاتھ پاؤں پھول گئے، وہ گھبرا گیا، اور جب کچھ سمجھ میں نہ آیا، تو رونے لگا،

بات واقعی بڑی تشویش انگیز تھی، سانڈنی کی مہار گلے میں لپٹی ہوئی، ایک اناڑی سوار (عائشہ) کوہان کا سہارا لئے، اس کی پشت سے ٹکا ہوا، کیا انجام ہوگا اس کا؟ سانڈنی کا جدھر منہ اٹھے گا بھاگتی چلی جائے گی، نہ جانے کہاں جا کر دم لے، وہ لوگ دوست ہوں یا دشمن، اس کا کیا اعتبار؛ مسلمان ہوں یا عیسائی، اس کا کیا بھروسہ؛ ممکن ہے رہزنوں اور لٹیروں کے ہاتھ آجائے، انہیں ایک قیمتی سانڈنی کے ساتھ زمین کا چاند (عائشہ) بھی مفت ہاتھ آجائے گا۔ ممکن ہے بردہ فروشوں کے کسی گروہ کی نظر اس مال غنیمت پر پڑ جائے، وہ سانڈنی بیچ کر دام کھرے کر لیں گے، اور منہ مانگی قیمت پر عائشہ کو بھی کسی امیر یا سوداگر کے ہاتھ فروخت کردیں گے، عائشہ پھر باندی بن جائے گی، اور ہم اس کی کچھ مدد نہ کرسکیں گے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ وہ بھی کچھ دور جا کر اپنا توازن نہ برقرار رکھ سکے، اور گر پڑے، میں بچ گئی، کیونکہ سانڈنی کی جنبش کے ساتھ ہی گر گئی تھی، لیکن صبا رفتار سانڈنی کی پیٹھ سے اگر وہ گر پڑی تو کیا بڑی سلامت بچے گی؟ وہاں اس وسیع صحرا میں کون اس کی مرہم پٹی اور دوا دوش کرے گا؟

کلثوم روتی ہوئی اور ہاتھ سے ابراہیم کو گھسیٹتی ہوئی، گھر کی طرف روانہ ہوگئی!

عائشہ نے غم انگیز لہجہ میں جواب دیا،

"لیکن آپ نے کیوں بچالیا؟ مرجانے دیا ہوتا مجھے"!

اس جواب پر اسلم کو حیرت ہوئی، سراپا استعجاب بن کر گویا ہوا،

"مرجانے دیتا! ——— کیوں؟"

وہ آنکھوں سے آنکھیں نہ ملاسکی، اس نے کہا،

"کب تک آپ مجھے بچاتے رہیں گے؟ ایک مرتبہ تالاب میں ڈبکیاں کھا رہی تھی آپ نے اپنی زندگی خطرہ میں ڈالی، اور مجھے بچالیا اس دفعہ یہ سانڈنی مجھے وادیٔ موت کی طرف کشاں کشاں لئے جارہی تھی، آپ پھر بیچ میں آکودے، اور اس سے مجھے چھین لیا لیکن قدرت کی مرضی سے آپ کب تک جنگ کرتے رہیں گے، موت میری قسمت میں لکھی ہے، مجھے مرجانے دیجئے!"

یہ عجیب و غریب باتیں سُن کر اسلم ششدر رہ گیا، اس نے کہا،

"آج تم کس طرح کی باتیں کر رہی ہو عائشہ؟ ——— لیکن اس طرح کب تک زخمی ہوتی رہیں گی، میں گھوڑے کی پیٹھ پر، تم سانڈنی کے تخت پر، آؤ، دیکھو وہ سامنے ایک ٹیلہ ہے، اس کے پاس ایک ببول کا درخت ہے، وہاں بیٹھ کر باتیں کریں گے ——— !"

یہ کہہ کر وہ گھوڑے سے کود پڑا، پھر اس نے عائشہ کی سانڈنی کو بٹھایا، وہ اتر پڑی، وہ ایک ہاتھ میں گھوڑے کی لگام اور دوسرے میں سانڈنی کی مہار پکڑے، وہ آہستہ آہستہ ٹیلہ کے پاس آیا، عائشہ ساتھ ساتھ چل رہی تھی، اس نے گھوڑے کی لگام ببول کی ایک شاخ سے اٹکادی، سانڈنی کو پھر بٹھا دیا، اور اس کی مہار بھی اس کے تنے سے باندھ دی، عائشہ خوشی سے اپنے آقا کو دیکھنے لگی، سانڈنی دنیا و مافیہا سے غافل ہو کر ببول کے

ہوتی چلی جا رہی تھی، اس کے بدن میں سنسنی سی پیدا ہو رہی تھی ——————

شاید وہ بیہوش ہو رہی تھی!

اتنے میں اس نے محسوس کیا ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ وہ سانڈنی رک گئی، اس معجزہ پر اسے یقین نہ آیا وہ آنکھ بند کئے پڑی رہی، پھر اس نے محسوس کیا واقعی اب وہ سکون کے عالم میں ہے، اور اب جنبش نہیں ہو رہی ہے۔ اس نے آنکھیں کھول دیں، اور پھر وہ چونک پڑی،

جیسے کوئی چونک اٹھے خوابِ پریشاں دیکھ کر

—————— اسلم سامنے کھڑا تھا! بیباک اور گستاخ نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا،

ایک مرتبہ پھر اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا، اس نے آنکھیں مل مل کر بار بار دیکھا مگر یہ تصور کی صورت نہ تھی کہ اوجھل ہو جاتی، یہ تو ایک گوشت پوست کا بنا انسان تھا جو سامنے کھڑا تھا، کب تک اپنی آنکھوں کو جھٹلاتی، یقین کرنا پڑا، یہ اسلم ہے!

اسلم کھڑا مسکرا رہا تھا، عائشہ کی اس کیفیت سے لطف اندوز ہو رہا تھا، اس نے کہا

"آنکھیں مل مل کر کیا دیکھ رہی، کیا تمھیں یقین نہیں، کہ یہ میں ہوں!

اس کے ہونٹوں پہ ایک افسردہ سا تبسم نمودار ہوا۔

"آپ کیسے آ گئے یہاں؟"

اسلم نے ایک ناز کے عالم میں کہا،

"تمہیں موت کے منہ سے چھڑا لے، اگر ذرا دیر اور سانڈنی اسی طرح تمہیں لئے بھاگتی رہتی تو ضرور تم گر پڑتیں، اور تمہاری ہڈیاں پسلیاں سرمہ ہو جاتیں!

لو، میں جاتا ہوں میدانِ جہاد کی طرف۔ عائشہ وہ تو سچ مچ تلوار باندھ رن کی طرف جانے پر آمادہ ہو گئے، میں نے تلوار بڑی مشکل سے لے لی، اور ان سے کہا،

جب تک میں زندہ ہوں آپ کو جہاد کے میدان میں جانے کی ضرورت نہیں، ہاں میں بھی اپنے باپ کی طرح شہید ہو جاؤں گا تو بے شک آپ تشریف لے جائیے گا،

میری یہ ولولہ انگیز باتیں سن کر وہ خوش ہو گئے، ان کے بے رنگ چہرے پر رونق آ گئی، مجھے کلیجہ سے لگا لیا، ان کی آنکھیں اشک آلود تھیں لیکن چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ اس اپنے نالائق پوتے سے بہت خوش ہوئے ہیں۔

عائشہ نے بیچ میں لقمہ دیا۔

"واہ نالائق کیوں؟"

لیکن اسلم تو صرف اپنی کہہ رہا تھا،

"——— اپنے نالائق پوتے سے خوش ہیں، فخر کر رہے ہیں اس کے وجود پر!"

دادا کی یہ کیفیت دیکھ کر واقعی میں نے فیصلہ کر لیا کہ میدان جہاد کا رُخ کرنا چاہیے، سامان سفر تیار ہونے لگا، لیکن عائشہ بڑی شرمندگی کے ساتھ اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میرا یہ ولولہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا،

عائشہ نے بے ساختہ سوال کیا،

"کیوں ———؟"

وہ اپنی رو میں کہتا چلا جا رہا تھا،

"میری نگاہ تصور کے سامنے تمہاری تصویر گھومنے لگی۔ میں نے سوچا کہ جنگ جہاد میں

پتوں سے شغل کرنے لگی،

ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ کر اور عائشہ کے بیٹھنے کے لئے زمین صاف کر کے اس
پر اپنا رومال بچھاتے ہوئے اس نے بڑے چاؤ اور محبت بھرے لہجہ میں کہا،

"آؤ عائشہ بیٹھ جاؤ یہاں!"

عائشہ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، ایک رنگ آ رہا تھا، ایک جا رہا تھا،
وہ آ کر بیٹھ گئی، اسلم نے اسے پیار بھری آنکھوں سے دیکھا، اور کہا،

"شاید تم مجھ سے خفا ہو؟"

اور پھر جواب کا انتظار کئے بغیر وہ کہنے لگا،

"تم نہیں جانتیں، یہ طویل عرصہ کس طرح گزرا؟ والدہ کا انتقال ہو گیا، ———

عائشہ نے افسوس آمیز لہجہ میں کہا،

"انا للہ ——— کب؟"

لیکن اسلم نے اس سوال کی طرف کوئی توجہ نہ کی، وہ اپنی داستان سنانے پر تلا ہوا تھا

"والدہ کا انتقال ہو گیا، دادا ایسے بیمار پڑے کہ جان کے لالے پڑ گئے، وہ اچھے
ہونے تو جہاد کے نعرے کانوں میں پڑنے لگے، عہد شکن، غدار اور احسان فراموش عیسائیوں نے
مسلمانوں پر عرصہ زندگی تنگ کر دیا، دادا نے ایک روز طعنہ دیا کہ تیرا باپ مجاہد تھا،
وہ جہاد کرتا ہوا خدا کے راستہ میں کام آیا، اور تو دنیا کے، زندگی کے مزے لوٹ رہا ہے
مسلمان کٹ رہے ہیں مگر تجھے غیرت نہیں آتی، مسلمان عورتوں کا ناموس تباہ ہو رہا ہے
مگر تیرے دل میں مرمٹنے کا جذبہ نہیں پیدا ہوتا، اسلام پر یہ نازک وقت ہے اور
تو اپنے خیال میں مگن ہے، تو کچھ نہیں کرے گا، گھر میں بیٹھ، آرام کر، زندگی کے مزے

میں نے خوشامد کرتے ہوئے کہا ،

" خدا کے لئے پریشان نہ کرو ، میری جان پر بنی ہے ، اور تم مذاق کر رہی ہو ، وقت کم ہے ، حالات نازک ہیں ، مہلت ناپید ہے ، بتاؤ عائشہ کہاں ہے ، ورنہ شاید میں پھر کبھی اس سے نہ مل سکوں گا ——— ! "

یہ سن کر وہ بگڑ گئی ، کہنے لگی ،

" آپ دھمکاتے ہیں ، اگر نہ مل سکیں گے تو عائشہ کا کیا بگڑ جائے گا ؟ کیا آپ سمجھتے ہیں دنیا میں آپ کے سوا اسے کوئی نہیں جڑے گا ؟ وہ اس دنیا میں آسمان کی حور ہے پرستان کی پری ہے ، وہ ایسی لیلیٰ ہے جس کے ہزاروں مجنوں پیدا ہو سکتے ہیں ———

شاید ابھی اس کی تقریر کا سلسلہ جاری رہتا ، مگر میں نے التماس اور التجا کے لہجہ میں کہا ۔

" حمیدہ بہن مجھے غلط نہ سمجھو ، میرا یہ مطلب نہیں تھا ———

اس کا مزاج اب تک راہ راست پر نہیں آیا تھا ، کہنے لگی ،

" پھر کیا مطلب تھا آپ کا ؟ "

میں نے عاجزی کے ساتھ جواب دیا ۔

" میرا مطلب یہ تھا کہ شاید پھر میں عائشہ کو دیکھنے ، اس سے ملنے کے لئے زندہ نہ رہوں ———

یہ سن کر وہ ذرا ٹھنڈی پڑی ، کہنے لگی ،

" کیوں ؟ ——— کیا خودکشی کا ارادہ ہے ؟ "

میں نے پھر خوشامد کی ،

جاؤں گا، بے شک سرفروشی کے جوہر دکھاؤں گا، اور بے شک ناموس اسلام پر اپنی جان قربان کر دوں گا، مگر جب تک عائشہ سے نہ مل لوں، جب تک اس سے رخصت نہ ہو لوں جب تک اُسے اپنا بنانے میں کامیاب نہ ہو جاؤں، اس وقت تک نہیں!"

یہ سوچکر شکار کے بہانے دو دن کی مہلت لے کر اور اپنے غلام سعد کو سارے معاملات سمجھا کر میں تمہارے یہاں یہ کی طرف روانہ ہوا، وہاں پہنچا تو تمہارا خیمہ خالی نظر آیا، جمیلہ سے ملنے کا ارادہ کیا، مگر ہمت نہ پڑی، وہیں اس تالاب کے کنارے جا کر بیٹھ گیا، اور سوچنے لگا کس سے پوچھوں؛ کیا کروں؛ کہ اتنے میں دیکھتا کیا ہوں، جمیلہ چلی آ رہی ہے۔!

عائشہ بے پردا خلت سے اپنے آپ کو نہ روک سکی،

"جمیلہ سے مل کر آ رہے ہیں آپ؟"

لیکن اسلم نے عائشہ کی ایک بات بھی نہ سُنتے اور صرف اپنی کہے جانے کی گویا قسم کھا رکھی تھی، وہ کہتا رہا۔

"جمیلہ نے طنز کرتے ہوئے مجھ سے کہا،

"اب تشریف لاتے ہیں آپ، جب پنچھی اڑ گیا!"

یہ سن کر زمین میرے پاؤں کے نیچے سے نکل گئی، میرا دل ڈوبنے لگا، سر چکرا گیا،

میں نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا،

"عائشہ کہاں ہے؛ ———— کہاں چلی گئی!

وہ مسکراتی ہوئی چھیڑنے کے انداز میں بولی،

"دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، میں کیوں بتاؤں، آپ خود معلوم کر لیجئے،

جاؤں گا، اور پھر میدانِ جہاد کی طرف!

لیکن عائشہ بدستور بیٹھی رہی، اسلم اس کی روش پر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا،

"عائشہ کیا سوچ رہی ہو؟"

عائشہ :- کچھ نہیں،

اسلم :- ضرور کوئی خاص بات ہے، کیا مجھ سے چھپاؤ گی؟

عائشہ :- نہیں، کوئی ایسا راز نہیں جو چھپایا جائے،

اسلم :- تو تم چلتیں کیوں نہیں؟

عائشہ :- کہاں چلوں"؟

اسلم :- جہاں تم ٹھہری ہو، جہاں احسان بابا مقیم ہیں،

عائشہ :- وہاں جا کر آپ کیا کریں گے؟

اسلم :- بتا تو چکا،

عائشہ :- نہیں اب ان سے ملنا اور وہاں جانا بیکار ہے،

اسلم :- (پریشان ہو کر) یہ کیا کہہ رہی ہو؟

عائشہ :- (ٹھنڈی سانس لے کر) اب وقت گذر گیا، اور گزرا ہوا وقت کبھی واپس نہیں آتا۔

اسلم :- میرا دماغ پھٹا جا رہا ہے، ان باتوں سے تمہارا کیا مقصد ہے، خدا کے لئے صاف صاف بتاؤ۔

عائشہ :- جو ہونا تھا ہو چکا، اب اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی،

اسلم :- کیا ہو گیا؟

”جمیلہ بہن تم تو مجھ پر بہت مہربان تھیں، وہ تم ہی تو تھیں جس نے میری مشکلیں آسان کی تھیں؛ عائشہ کو مجھ سے ملانے والا، عائشہ سے میری سفارش کرنے والا، اس تک میرا قاصد بن کر جانے والا، اُسے یہاں لے کر آنے والا، پھر دونوں کو باتیں کرنے کے لئے چھوڑ کر جانے والا تمہارے سوا کون تھا؛ لیکن آج تم اتنی بدل کیوں گئی ہو؛

وہ میرے پاس بیٹھ گئی، اور انسانیت کے لہجہ میں گویا ہوئی،

”آپ بھی تو بدلے ہوئے نظر آتے ہیں کیا بات ہے؟“

میں نے اسے اپنی روداد کی گفتگو سنا دی، وہ غور سے سنتی رہی، پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا،

”وہ تو گئی؛“

میں نے پوچھا،

کہاں گئی؛ کیوں گئی؛ مجھے پتہ بتاؤ میں وہاں جاؤں گا،!

اس مرتبہ اُسے ایک بار پھر مجھ پر رحم آیا، اُس نے تمہارے جانے کی ساری سرگزشت سنادی، پھر وہ کھانے اور ناشتہ کے لئے اصرار ہی کرتی رہی، مگر میں نے ایک جستی گھوڑے کو ایڑ لگائی؛ اور تم تک پہنچنے کے لئے پر پرواز پیدا کرکے ادھر اڑتا چلا آرہا تھا کہ اتنے حیرت انگیز طریقے سے تم مل گئیں،!“

پھر وہ فدا اور پیار بھری نظروں سے اُسے گھورتا رہا، وہ آنکھ نہ ملا سکی، اُس نے سر جھکا لیا، اسلم نے اشتیاق کے ساتھ کہا،

چلو عائشہ چلیں، میں آج ہی احسان بابا سے عرض کروں گا کہ وہ ہم دونوں کو ٹوٹنے والے رشتہ میں منسلک کر دیں، جب تم میری بن جاؤ گی، تب یہاں سے ہی گھر

اب ضبط کا بند ٹوٹ گیا، اب تک اس نے زیادہ سے زیادہ اپنے آپ کو جذباتی بننے سے روکا تھا، لیکن اب جذبات کے تند و تیز دھارے میں وہ ایک تنکے کی طرح بہتی چلی جارہی تھی،

عائشہ کا رونا اسلم نہ دیکھ سکا، اس نے گلوگیر آواز میں کہا،

"عائشہ خدا کے لئے بتاؤ ماجرا کیا ہے، ورنہ ابھی یہیں تمہارے سامنے یہ تلوار اپنی گردن پر پھیروں گا"

عائشہ نے لپک کر اسلم کی تلوار اپنے قبضہ میں لے لی، جیسے بے قیمتی پونجی کوئی چھین نہ لے، پھر اس نے کہا،

"تو اس سے پہلے یہ تلوار میری جان لے چکی ہوگی!"

اسلم نے پریشانی کے عالم میں کہا،

"آخر یہ کیا بات ہے کہ تم اپنی جان دینے پر بھی تلی ہوئی ہو، اور میری جان کی بھی پروا نہیں کرتیں، اچھا میں کچھ نہیں کروں گا، بات کیا ہے، یہ بتادو!"

پھر عائشہ کی زبان نے جنبش کی، اور اس نے ساری کتھا از اول تا آخر سنادی، یہ کہانی سنانے کے بعد اس نے کہا،

"اسلم ہمیں قسمت کے آگے سر جھکا دینا چاہئیے!"

اسلم نے جواب دیا،

"قسمت کے آگے تو نہیں، لیکن تمہارے حکم کے سامنے سر جھکاتا ہوں، لیکن ایک بات ضرور پوچھنا چاہتا ہوں، کیا اجازت دو گی؟"

عائشہ نے کہا۔

عائشہ :- میری قسمت کا فیصلہ،

اسلم :- (سراپا اضطراب بن کر) کیا کہا تمہاری قسمت کا فیصلہ ہو گیا؟

عائشہ :- ہاں،

اسلم :- تمہاری شادی ہو گئی،

عائشہ :- سمجھ لیجئے ہاں،

اسلم :- سمجھ لوں؟ ابھی ہوئی نہیں؟

عائشہ :- ہو جائے گی، جب ایک بات طے ہو گئی تو اُسے ہوتے کیا دیر لگتی ہے،

اسلم :- نہیں عائشہ جب تک میں زندہ ہوں ایسا نہیں ہو سکے گا، کسی طرح نہیں ہو سکے گا۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گا،

عائشہ :- (ٹھنڈی سانس لے کر) مقدر کا لکھا کوئی نہیں مٹا سکتا،

اسلم :- میں مٹا دوں گا، اگر ضرورت ہوئی تو تلوار کی نوک سے، ضرورت ہوئی تو اپنی گردن کٹا کر،

عائشہ :- ایسا نہ کہیئے، یہ گردن اس لئے نہیں ہے کہ ایک معمولی عورت کے لئے کٹے، اس لئے ہے کہ خدا کی راہ میں کاٹی جائے، آپ کی نیت میں کھوٹ تھی اس لئے میں چھین گئی، اب توبہ کیجئے اور میدانِ جہاد کا رُخ کیجئے!

اسلم :- عائشہ ————

عائشہ :- مجھے نہ چھیڑیئے، میرے زخمی دل کو اور زیادہ زخمی نہ کیجئے، میری روح کے تاروں پر ہاتھ نہ لگائیے، جائیے اپنی منزل کھوٹی نہ کیجئے اور مجھے بھی جانے دیجئے

یہ کہہ کر عائشہ پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی، اب تک وہ ضبط سے کام لے رہی تھی،

"اجازت نہ دوں تو بھی تم جو چاہو کہہ سکتے ہو!"

اسلم نے حسرت بھرے لہجہ میں کہا،

"کیا ہماری محبت کا رشتہ اتنا ہی بودا تھا کہ ایک جھٹکے میں ٹوٹ جائے؛ کیا ہمارا وہ پیمان جو خدا کو حاضر ناظر جان کر ہم نے باندھا تھا، اتنا کمزور تھا کہ حالات کی ذرا سی تبدیلی اسے تارِ عنکبوت کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دے؟"

عائشہ نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا،

"نہیں یہ بات نہیں ہے، ہماری محبت کا رشتہ اتنا مستحکم ہے کہ دُنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں توڑ سکتی ——"

اسلم:- لیکن وہ ٹوٹ تو گیا،

عائشہ:- نہیں ٹوٹا —— اور ہمارا پیمان وفا بھی اتنا مستحکم ہے کہ زندگی بھر نہیں ٹوٹ سکتا،

اسلم:- اگرچہ اُسے ٹوٹے کئی دن ہو چکے،

عائشہ:- نہیں اسلم تمہارا یہ خیال غلط ہے

اسلم:- پھر صحیح کیا ہے؟

عائشہ:- ہماری محبت —— کم از کم میری محبت زندگی کی آخری سانس تک قائم رہے گی لیکن اس محبت پر میں اپنے بوڑھے باپ کو نہیں قربان کر سکتی اس محبت پر میں انسانیت، شرافت اور احسان کو نہیں تج سکتی —— محبت جسمانی اتصال کا نام نہیں، روحانی اتصال کا نام ہے، جسم مٹ جاتا ہے فنا ہو جاتا ہے، خاک کا ذرہ بن جاتا ہے لیکن روح نہیں مٹتی، وہ نہیں فنا ہو

وہ کسی دوسری صورت میں تبدیل نہیں ہوتی ہماری محبت۔ اگر روحانی ہے تو وہ مرنے کے بعد بھی قائم رہے گی، اور اگر مادی ہے تو زندگی ہی میں وہ ختم ہو سکتی ہے

اسلم :۔ یہ باتیں ہیں —— خوش نما، دل فریب،

عائشہ :۔ لیکن حقیقت پر مبنی،

اسلم :۔ تمہارے خیال میں،

عائشہ :۔ یہ نہ کہو، جذبات کی رو میں نہ بہو، جذبات سے ہٹ کر غور کرو،

اسلم :۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے، اور ہو بھی تو میں اسے ضائع کرنا نہیں چاہتا ——!

عائشہ :۔ شاید تم خفا ہو گئے۔

اسلم :۔ نہیں خوش ہو کر جب تمہیں نہ پا سکا تو خفا ہو کر کیا کروں گا،

عائشہ :۔ یہ تمہارا وہم ہے اسلم،

اسلم :۔ نہیں عائشہ اب کچھ نہ کہو میں نے بہت سن لیا، اب سننے کی تاب نہیں ہے تمہارے دل میں میری عزت تھی محبت نہ تھی، میرا تم خیال کرتی تھیں چاہتی نہ تھیں، وہ عزت اب بھی قائم ہے، اور شاید ہمیشہ قائم رہے گی، وہ خیال اب بھی موجود ہے، اور ہمیشہ قائم رہ سکتا ہے، لیکن محبت

عائشہ :۔ (ہمدردی جتا کر) کسی اور سے ہے؟

اسلم :۔ ہاں —— چھپانے سے کیا فائدہ، صاف کہہ دو تم اسحٰق سے محبت کرتی ہو، سچائی کی قدر بہرحال ہوتی ہے۔

عائشہ :۔ تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو،

اسلم :- جھوٹ اور سچ کا فیصلہ کرنے والا میں کون ؟

عائشہ :- مجھے غلط نہ سمجھو اسلم،

اسلم :- غلط اور صحیح کا کیا سوال سچ تو یہ ہے میں تمہیں سمجھ ہی نہیں سکا! —— بہر حال، تم اپنی مرضی کی مختار ہو، تم نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا، جو سوچا درست ہے —— اچھا عائشہ خدا تمہیں خوش رکھے، مجھے اجازت دو

—— خدا حافظ!

اور پھر جواب کا انتظار کئے بغیر وہ اُچک کر گھوڑے پر بیٹھا، ایڑ لگائی اور روانہ ہو گیا، جب تک وہ آنکھوں سے اوجھل نہ ہو گیا، حد نگاہ تک وہ اسے دیکھتی رہی، اور پھر اوڑھنی کے دامن سے آنسو پونچھے، سانڈنی کی مہار کھولی اور اپنے بادیہ کی طرف روانہ ہو گئی!

شامت

سانڈنی کی مہار اب عائشہ کے ہاتھ میں تھی، اور وہ مناسب رفتار سے بادیہ کی طرف بڑھ رہی تھی، آدھا راستہ طے کرنے کے بعد اسے گرد کا ایک بگولا اٹھتا نظر آیا، گرد کا پردہ چاک ہوا، تو دیکھتی کیا ہے، خچروں، سانڈنیوں اور گھوڑوں پر سوار ایک پورا قافلہ اس طرف رواں دواں ہے، پہلے تو وہ ڈری کہیں یہ قزاق یا عیسائیوں کے چھاپہ مار دستے نہ ہوں، لیکن جب وہ لوگ قریب آئے تو اطمینان ہو گیا یہ اپنے ہی لوگ تھے، جو اس کی تلاش میں نکلے تھے، ایک خچر پر اسمٰعیل تھا، ایک سانڈنی پر رقیہ اور زینب، ایک اور سانڈنی پر ام سلیم اور کلثوم، ایک تنکی گھوڑے پر تھی ایک گدھے پر عمار، ان سب کے چہروں سے پریشانی برس رہی تھی، یہ سب اپنی متاع گم گشتہ کو ڈھونڈنے نکلے تھے، لیکن عائشہ کو بخیریت پا کر سب نہال ہو گئے، ام سلیم نے سانڈنی پر بیٹھے بیٹھے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے، اور خدا کا شکر ادا کرنے لگی، جلدی جلدی بھاگم بھاگ یہ لوگ گھر پہنچے، وہاں پہنچتے ہی ام سلیم نے اسے گلے سے لگا لیا، اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلک رہے تھے

"ہاں خالہ آپ نے بہت اچھا کیا، میں بھی ان سے کچھ نہیں کہوں گی ——!"

اسحٰق اب تک خاموش تھا، اب خاموش نہ رہ سکا،

"عائشہ تم سانڈنی پر سے گر تو نہیں پڑی تھیں؟"

کلثوم نے عائشہ سے قبل جواب دیا،

"جی ہاں بڑی چوٹ آئی ہے بیچاری کو گر پڑنے سے، دیکھ نہیں رہے ہیں آپ بیچاری کو کیسی لہو لہان ہو گئی ہے!"

ایک مرتبہ پھر سب ہنسنے لگے، اسحٰق جھینپ کر خاموش ہو گیا، عائشہ بھی مسکرانے لگی،

رقیہ اور زینب نے باری باری سے سوال کیا،

"بہت تیز رفتار ہے یہ سانڈنی، کیوں آپا؟"

عائشہ نے جواب دیا،

"بیٹھ کر دیکھ لو!"

ایک مرتبہ پھر سب پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا،

پھر سب لوگ تتر بتر ہو گئے۔ کلثوم نے عائشہ سے کہا،

"آؤ تمہیں ایک تماشہ دکھائیں، ——!"

عائشہ نے پوچھا،

"تماشہ کیسا؟"

کلثوم بولی،

"بڑا عجیب —— آؤ، آؤ!"

عائشہ کلثوم کے پیچھے پیچھے چلی اور ایک کوٹھڑی کے سامنے جا کر رک گئی، دروازہ

اسحٰق خاموش تھا لیکن چہرے کا رنگ تپ رہا تھا جیسے جانکنی کے عالم سے نکلا ہو
اسمٰعیل کی خوشی حد بیان سے باہر تھی ارنیہ اور زینب کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں ،
کلثوم کا اضطراب اب رونق میں تبدیل ہو گیا تھا ، عمار کے چہرے پر اب تک جھلاہٹ کے
آثار تھے ، سب سے پہلے انہی حضرت نے لب کشائی کی ،

"عجب لونڈھیا رمچا رکھی ہے ، آخر کہاں گئی تھیں تم ؟"

عائشہ مسکرانے لگی ،

"موسم بڑا سہانا تھا ، میں نے کہا ذرا سیر کر آؤں ؟"

عمار کی جھنجھلاہٹ اور بڑھ گئی ،

"اور اگر کوئی مل جاتا تو ؟"

عائشہ نے کہا ،

"آپ جیسے یکتائے روزگار اور وحید عصر بہادر کی موجودگی میں کوئی مل سکتا تھا
جس سے کہہ دیتی کہ پیچھے عمار بابا آ رہے ہیں ، اُسے وہیں دست شروع ہو جاتے اچھا ہے
وہ کوئی ہوتا !"

سب ہنسنے لگے ، مگر عمار صاحب اب تک برہم تھے ،

"ہونھ ——————"

اور پھر وہ سین سے باہر چلے گئے ، ام سلیم نے رازدارانہ انداز میں کہا ،

"احسان بھائی سے ہم نے کچھ نہیں کہا ہے ایسے ہی وہ بیمار رہتے ہیں ، اور تین
چار دن سے تو اُن کی طبیعت کافی خراب ہے ہفتہ میں وہ ہراساں ہو جاتے ہیں !"

عائشہ نے جواب دیا ۔

"اے واہ مجھے کیوں گھورے جا رہا ہے۔ ابھی جا کر کہہ دوں گی بھیا سے کہ دیکھیے وہ پھر چھوٹ گیا!"

اس مرتبہ عائشہ کو بھی ہنسی آ گئی،

"خبردار کلثوم جواب تم نے ابراہیم کو کچھ کہا وہ کوئی ہمارا دشمن تھا، مذاق تھا، اتفاق سے اونٹنی بھاگ گئی،!"

کلثوم نے جرح کی،

"اتفاق سے؛ ——— ارے اس نے اسے چار چوٹ کی مار ماری تھی، تب اپنی جان لے کر بھاگی ——— جان سے مطلب تم نہیں، تم کسی اور کی جان ہو، خود اس کی اپنی جان!"

عائشہ نے تیوری چڑھا کر اسے دیکھا

"اب تمہاری شامت آئی ہے شاید ———!"

وہ مسکراتی ہوئی بولی،

"جی نہیں ہماری شامت کیوں آنے گی جن کی آنا تھی آ گئی!"

اور پھر وہ ابراہیم کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگی،

اتنے میں اسحٰق ادھر آ گیا، اس نے ابراہیم کو آزاد دیکھ کر پوچھا "تجھے کس نے کھولا؟"

اس نے بُرا سا منہ بنا کر عائشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا،

"انہوں نے،!"

اس انداز پر اسحٰق کو بھی ہنسی آ گئی، سب ہنسنے لگے۔

کھولا، اندر داخل ہوئی، اور عائشہ کو آنے کا اشارہ کیا، یہاں ابراہیم صاحب دست بستہ کھڑے تھے یعنی ایک مضبوط رسی سے ان کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے، اور وہ رسی چھت کی ایک دھنی سے بندھی ہوئی تھی، دونوں گال سرخ بھبھوکا ہو رہے تھے معلوم ہوتا تھا کافی چانٹے پڑے ہیں، آنکھیں آب گوں تھیں معلوم ہوتا تھا، کافی رو چکے ہیں، اور موقع ملے تو اب بھی رو رو کر جل تھل کرنے کو تیار ہیں، عائشہ یہ منظر دیکھ کر بیتابی کے ساتھ ابراہیم کی طرف بڑھی اور تلخی کے ساتھ کلثوم سے پوچھا،

"یہ کیا حرکت ہے؟"

پھر وہ ابراہیم کے پاس آئی، اور اس کے ہاتھ رسی کی ہتھکڑی سے آزاد کرنے لگی، کلثوم نے دور کھڑے ہوئے روکا،

"خبردار ——!"

عائشہ ذرا کے ذرا رک کر کلثوم کی طرف دیکھنے لگی، اُس نے کہا،

"خبردار —— جو کوئی اس مجرم کے ساتھ رعایت کرے گا وہ معتوب ہوگا، جو اسے دانہ پانی دے گا اسے خود بھوکا رہنا پڑے گا ——!"

اور یہ کہہ کر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی، عائشہ نے غصہ کی نظروں سے اسے دیکھا اور ابراہیم کے ہاتھ کھول دیئے، کلثوم نے کہا،

"ہمارا کیا ہے، دیکھ لینا اس مجرم کو آزاد دیکھ کر بھیا (اسحٰق) کتنے خفا ہوں گے تم پر الگ جھاڑ پڑے گی، اور یہ حضرت پھر بندھے ہوئے نظر آئیں گے ——!"

ابراہیم نے اس طرح گھور کر کلثوم کو دیکھا کہ بس نہیں ورنہ ابھی خنجر اس کے سینے میں اتار دیتا۔ وہ اسے دیکھ کر چھیڑتی ہوئی ہنسنے لگی،

الوداعی ملاقات ہوئی، اور یہ ملاقات ——— آہ یہ ملاقات بھی نہیں بھول سکتی۔

پھر وہ سوچنے لگی، اسلم نے احسان کو اس درجہ متاثر کر لیا، اس کے کردار اور سیرت کا اس بوڑھے اور جہاں دیدہ شخص پر ایسا اثر پڑا کہ وہ اس کا کلمہ پڑھنے لگا، بغیر کسی تحریک کے اس نے فیصلہ کر لیا کہ میری شادی اس کے ساتھ کر دے گا، ہم دونوں کو ایک نہ ٹوٹنے والے رشتہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے منسلک کر دے گا، یہ باتیں سنکر جسے میں ناممکن سمجھتی تھی، ممکن سمجھنے لگی، اب اسلم میرا ہے، یہ سوچ کر میں کتنی مطمئن ہو گئی تھی، اور خود اسلم کو بھی یقین تھا کہ ہم دونوں ——— ہمیشہ کے لئے ایک ہو جائیں گے، جمیلہ نے جب جبریل کے خدشہ کا اظہار کیا تھا تو اس کا چہرہ تمتما اٹھا تھا اور اس نے کتنے جوش کے ساتھ کہا تھا، اگر ایسا ہوا تو میری تلوار اس کا سر قلم کر دے گی، ——— یہ باتیں سن کر آخر کس طرح میں اپنی روح اسلم کو نہ سونپ دیتی؟ میں نے سونپ دی،

دن اسی طرح گذرتے رہے!

اطمینان، آسودگی، عافیت، اور سکون کے دن!

پھر عیسائیوں اور مسلمانوں میں ہنگامہ آرائی شروع ہوئی، یہ ہنگامہ آرائی بہت پرانی تھی، بہت دنوں سے ہوتی چلی آرہی تھی، زنگی نے خدا سے اپنے رحمت میں جگہ دے، عیسائیوں کا زور توڑ دیا تھا، ان کی کمر توڑ دی تھی، لیکن ان کے انتقال کے بعد، مسلمانوں کی خانہ جنگی، باہمی آویزش، اور باہمی نزاع نے انہیں کمزور کر دیا، وہ خدا کو بھول گئے صرف اپنے جاہ وجلال کے قیام

...... ؏ اکثر شبِ تنہائی میں کچھ دیر پہلے نیند سے!

حالات کچھ اس طرح پلٹا کھا رہے تھے کہ عائشہ کی عقل حیران تھی۔

وہ نہایت اطمینان سے اپنے بادیہ میں رہ رہی تھی، نہ دنیا سے واقف، نہ دنیا والوں سے، یکایک ایک نازک موقع پر اسلم اس کی زندگی میں داخل ہوا، اور اس کی روح پر، دل پر، دماغ پر، حواس پر، احساسات پر، تاثرات پر، تصور پر چھا گیا، وہ اس کا کلمہ پڑھنے لگی، دل کی گہرائی سے اس کی پرستش کرنے لگی، دن اس کی یاد میں بسر ہوتا، رات اس کے تصور میں،

پھر وہ چلا گیا، اور وہ اپنے دل کے نہاں خانہ میں خاموشی کے ساتھ اسے یاد اور اس کی پوجا کرتی تھی، اور ایک روز یکایک وہ نمودار ہوا، وہ بادیہ میں اپنے اہلِ خاندان کے ساتھ آیا، احسان نے، اور عماد نے اس کی خوب مدارت کی، وہ زخم جس پر کھرنڈ جم گیا تھا، پھر ہرا ہو گیا، وہ یاد جو دل کے ایک اندھیرے گوشہ میں روپوش ہو گئی تھی، پھر ابھر آئی، اور ایک دن ایسا ہوا کہ ملاقات ہوئی، باتیں ہوئیں دلکی باتیں پھر دوبارہ ملاقات ہوئی اور دونوں نے اپنا دل کھول کر سامنے رکھ دیا، پھر آخری اور

وہ میدان جہاد کا رخ نہ کر سکے ،!

آخر ایک تدبیر ذہن میں آئی، وہ مجھے لیکر، خالدام سلیم کے ہاں پہنچے، کہ مجھے ان کی سپردگی میں دے کر، خود وہاں سے روانہ ہو جائیں، اور صلاح الدین کے لشکر کے ایک سپاہی بن جائیں، اور جب اسلم آجائے تو اس کے ہاتھ میں میرا ہاتھ دے دیں ۔

لیکن بڑھاپا ———— آئے کس لئے تھے، اور ہوا کیا؟ بوڑھے تو تھے ہی، صرف ارادہ اور حوصلے سے کب تک کام چلتا۔ بیمار رہنے لگے، دو دن بستر پہ پر ایک دن چنگے انہوں نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا لیکن میں سمجھ رہی ہوں، وہ اسلم کے منتظر تھے، دن گذرتے گئے، وہ نہیں آیا اور انہیں خدشہ پیدا ہوا کہیں ایسا نہ ہو، میں انتظار کرتے کرتے کسی دن اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں اور شرف جہاد سے محروم ہو جاؤں،

ادھر یہ اندیشہ تھا، ادھر خالدام سلیم کی محبت اور نوازش، کلثوم کی اطاعت اور خدمت، اسحاق کی خدمت اور شرافت، ان چیزوں سے بلا ارادہ وہ اتنے متاثر ہوئے کہ دنیا میں کوئی عورت ام سلیم سے بہتر، کوئی لڑکی کلثوم سے اچھی ———— اور کوئی لڑکا اسحاق سے برتر نظر نہ آیا، وہ اسلم کو بھول گئے، یا یوں کہو کہ انہوں نے اسلم سے اسحاق کو اچھا سمجھا، ان کی رائے بدل گئی، وہ میری طرح کچھ اسلم سے عشق تو نہیں کرتے تھے، انہیں تو میرے عشق کا حال بھی معلوم نہیں تھا، باپ کے پیش نظر، بیٹی کی فلاح و بہبود ہوتی ہے، اسلم اگر نہیں آیا، اور اس سے اچھا لڑکا مل گیا تو وہ اس کا انتظار کیوں کرتے اور پھر ان کی نظر میں اسلم بہر حال غیر تھا اور اسحاق ہر حالت میں اپنا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ

دیلقا کے لئے جدوجہد کرتے رہے، خدا نے انہیں سزا دی، وہ ذلیل ہوئے، رسوا ہوئے ناکام ہوئے، عیسائیوں کے حوصلے بڑھ گئے، عیسائیوں نے مسلمانوں کو ہدفِ ستم بنایا، اور اس کے بعد خدا کا ایک بندہ ——— صلاح الدین ——— اس کے بھروسہ پر بے سروسامانی کے باوجود میدان میں اترا، اس کے نمودار ہوتے ہی کفر کی تاریکی کافور ہو گئی، اور ایمان کا نور پھیل گیا، باطل ناکام ہونے لگا، اور حق غالب آنے لگا۔

والد، ——— احسان ——— اپنی جوانی میں بہت سے جہاد کر چکے تھے، بہت سی لڑائیوں میں حصہ لے چکے تھے، وہ ایک سچے اور پکے مسلمان ہیں اسلام کے نام پر گردن کٹا دینا ان کی دلی آرزو ہے، عیسائیوں اور مسلمانوں کی لڑائی تھی صلاح الدین کے مجاہدات نے اسلامی عساکر کی پیش قدمی نے پھر ان میں ایک تازہ ولولہ پیدا کر دیا، پھر ان کے دل میں جہاد کا عزم پیدا ہوا، وہ بار بار میدان جہاد کا رخ کرتے تھے، لیکن تڑپ کر رہ جاتے تھے، جیسے کوئی پرندہ پنجرہ سے پھڑپھڑا کر نکلنے کی کوشش کرے اور تیلیوں سے ٹکرا کر رہ جائے، خود اپنے آپ کو لہولہان کرے، وہ رکاوٹ جس نے انہیں روک رکھا تھا، ان کی بیٹی تھی ——— یعنی،

عائشہ ——— !

بھلا یہ کس طرح ممکن تھا کہ وہ اپنی جوان اور خوب رو بیٹی کو تنہا چھوڑ کر میدان جہاد کا رخ کرتے؟ عماد نے سچ ہی تو کہا تھا، پہلے تو ہمیں، بیٹی کے فرض سے عہدہ برآ ہونا ہے ——— پھر جہاد، !

یہ سن کر ان کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے، !

لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوتا؟

ابّا کے دل کو صدمہ پہنچتا، اور شاید اس صدمہ سے وہ جاں بر نہ ہو سکتے، اسحاق کا دل ٹوٹ جاتا، وہ اسحاق جس نے اپنے آپ کو ہم لوگوں کے لئے وقف کر دیا ہے، اس کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا سب کچھ ہمارے لئے وقف ہے ابّا کی جب طبیعت خراب ہوتی ہے، اور اکثر ہوتی رہتی ہے وہ سب کام چھوڑ کر اپنے کاروبار اور تجارت کا نقصان کر کے، دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر ان کی تیمارداری میں لگا رہتا ہے مجھے کچھ نہیں کرنے دیتا، کہ مجھ سے محبت کرتا ہے کلثوم کو پاس نہیں پھٹکنے دیتا رقیہ اور زینب کو کام نہیں کرنے دیتا، ابراہیم و اسمٰعیل سے خدمت نہیں لیتا، خادمہ ام کلثوم کو موقع نہیں دیتا، خود ہی رات رات بھر جاگ جاگ کر ان کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہے اپنے ہاتھ سے انہیں دوا پلاتا ہے، اپنی نگرانی میں ان کے لئے پرہیزی کھانا تیار کراتا ہے خود ہی انہیں پھول مالا کی طرح الٹتا پلٹتا رہتا ہے، ——— اپنے باپ کے اتنے بڑے محسن اپنے بے لوث اور جاں باز خدمت گذار کا میں دل توڑ دوں؟

کیا مجھے اپنی آسائش کے لئے باپ کا دل توڑ دینا چاہیئے ———؟

کیا مجھے اپنے سرور و نشاط کے لئے اپنے اتنے بڑے محسن کی آرزوؤں کو بیدردی سے پاؤں تلے روند دینا چاہیئے ———؟

کیا مجھے یہ زیب دیتا ہے کہ اپنے لئے، اپنی تسکین، اپنی خوشی، اپنی راحت کے لئے باپ کو، اور اس محسن اعظم کو ہلاک کر دوں ———؟

مگر میں کس طرح کر سکتی تھی؟ کیا دنیا میں ایثار کوئی چیز نہیں ———؟

کیا دوسروں کے لئے اپنے آپ کو، اپنی آرزوؤں اور حسرتوں کو قربان کر دینا

انہوں نے میرے اور اسلم کے بارے میں جو کچھ سوچا تھا، وہ لبطور خود سوچا تھا، اسے پورا کرنے یا نہ کرنے کی کوئی ذمہ داری ان پر نہیں تھی، بغیر ضمیر کی خلش کے انہوں نے اپنا فیصلہ تبدیل کر دیا، اور فیصلہ کر لیا کہ مجھے اس کے حوالے کر دیں گے،

اور یہ اسحاق ،!

کوئی شبہ نہیں میں اس سے محبت نہیں کرتی، شاید کر بھی نہیں سکتی، کیونکہ بار بار محبت کرنا عورت کے بس کا روگ نہیں لیکن محبت سے قطع نظر کیا یہ واقعہ نہیں کہ وہ شجاع ہے، بہادر ہے، شریف ہے، سخی ہے، فیاض ہے، سراپا اخلاق ہے، صاحب کردار ہے۔ بڑوں کا ادب کرتا ہے چھوٹوں پر شفقت کرتا ہے، دوسرے لوگوں کی تکلیف اور مصیبت پر اس کا دل کڑھتا ہے، ان کی راحت و آسائش سے وہ خوش ہوتا ہے مزاج کا صاف، طبیعت کا کھرا، ہر اعتبار سے یکتا اور بے ہمتا ابا کے نقطۂ نظر سے اگر غور کیا جائے تو اسحاق سے بہتر داماد انہیں نہیں مل سکتا، وہ اپنے اس فیصلہ پر قائم ہو گئے۔ اس کا اعلان کر دیا،

انہوں نے فیصلہ کر لیا اس کا اعلان بھی کر دیا،!

لیکن ————

لیکن میں کیا کرتی ؟ یعنی کیا کرنا چاہیے تھا ؟

بے شک اگر میں نے، صاف صاف کہہ دیا ہوتا کہ اسلم سے مجھے محبت ہے، میں اسحاق سے شادی کرنا نہیں چاہتی، تو وہ اتنی محبت مجھ سے کرتے ہیں کہ فوراً میری مرضی پر، اپنی خواہش کے خلاف سر تسلیم خم کر دیتے ،!

ہاں میں ایسا کر سکتی تھی ،!

"نافرمان" بیٹے کی سعادت مندی کا حال معلوم کر کے ان کے قلب ناتواں پر کیا گزرتی یا
——— کیا وہ بھی لب گور نہ ہو جاتیں ؛

مجھے وہی کرنا چاہیئے تھا، جو میں نے کیا، !

مجھے قربانی اور ایثار ہی کا ثبوت دینا چاہیئے تھا، دل نے مجھے بار بار روکا، سمجھایا
منتیں کیں، لیکن میں نے اس کی ایک نہ سنی، باپ کی لاج کا خیال رکھا، اور اپنے آپ کو
قربان کر دیا،

اور پھر،

اور پھر ——— وہ آخری آزمائش، !

اسلم آیا، اسے دیکھ کر میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، ایسا معلوم ہوتا تھا سینہ کی
دیوار توڑ کر باہر نکل جائے گا، میرا سارا بدن کانپنے لگا، میرا محبوب میرے سامنے تھا،
وہ مجھے لینے آیا تھا، !

اس لئے آیا تھا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مجھے اپنا بنا لے ——— !

وہ وعدہ کا سچا تھا، اس کی محبت دغا باز نہ تھی، صداقت پر مبنی تھی، ہر طرح
کی رکاوٹوں کے باوجود، وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر میرے حضور میں پہنچ گیا،
یہ ہے کہ جہاد کے مقدس جذبہ تک کو اس نے مجھ پر مقدم نہ رکھا، اس سے بڑھ
کر کیا ہو سکتا تھا؛ اس سے زیادہ وہ اور کیا کر سکتا تھا ؛

لیکن ———
——— !

لیکن میں اسے قبول نہ کر سکی،

میں اس کی نہ بن سکی، اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ میں دیکھ رہی تھی، اور

کوئی قابلِ تعریف بات نہیں ؟

ہاں میں اسحٰق کے پاس خوش نہیں رہ سکتی لیکن اسے تو خوش رکھ سکتی ہوں ۔ —

———— کیا یہ کچھ کم ہے ؟

جیسا کہ کلثوم نے کہا تھا ، شاید اسحٰق بھی اگر میرے اور اسلم کے حالات کی سن گن پا لیتا

تو خود میدان سے ہٹ جاتا ، واقعی وہ کسی پر میرا راز ظاہر نہ ہونے دیتا ، سب کچھ خود اوڑھ

لیتا ، میرے راستہ کا پتھر نہ بنتا ، مجھے خوش رکھنے کے لئے اپنی بھینٹ چڑھا دیتا ، میں

اس کے مزاج سے طبیعت سے طینت سے ، کردار سے ، خوب واقف ہوں وہ یہ سب کچھ

کر گزرتا ———— لیکن کیا میں اسے بازی لے جانے دیتی ؟ اگر مقابلہ ایثار اور

قربانی ہی کا ہے تو میں کیوں پیچھے رہوں ، کیا وہ ایثار کر سکتا ہے ، میں نہیں کر سکتی ؟

اور فرض کرو ، میں اس کی قربانی گوارا کر لیتی ،

ابا پر اس کے اس "ایثار" اور ظاہری توہین کا کیا اثر ہوتا ———— !

وہ سوچتے اسحٰق نے میری توہین کی ہے ، مجھے ذلیل کیا ہے ، اپنے گھر میں رکھ

کر میرے منہ پر کالک لگائی ہے ، میرے انکار کر دینے سے تو شاید وہ کچھ دن بعد

مرتے ، لیکن اس کے انکار سے تو پٹ سے گرتے اور جان دے دیتے

بھلا میں کس طرح اسے ایثار کا موقع دے سکتی تھی ؟

اور پھر خالہ اُمِ سلیم !

سچ تو یہ ہے کہ میری ماں زندہ ہوتی تو بھی اس سے زیادہ چاؤ پیار کا اظہار نہ

کر سکتی تھی جتنا اُمِ سلیم کر رہی ہیں اور وہ کلثوم کو میرے لئے جھڑک دیتی ہیں اور یہ بات

ابراہیم ، اسمٰعیل کسی کو مجھ پر ترجیح نہیں دیتیں ، میرے انکار کا حال سن کر کیا ؟

وہ بادِ تند کی طرح آیا اور رخصت ہو گیا، اس نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا، میں اس وقت تک ٹکٹکی لگائے اُسے دیکھتی رہی، جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا،

وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا ——— ان ظاہری نظروں سے!

لیکن دل کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو سکتا"

وہ شاید اب کبھی نہیں آئے گا!

شاید اب اُس سے اس دنیا میں کبھی ملاقات نہیں ہو گی!

لیکن کیا وہ مجھ سے چھٹ سکتا ہے؛ کیا اپنا دامن وہ میرے دستِ نازک سے چھڑا سکتا ہے؛ نہیں، نہیں، نہیں!

جب تک میں زندہ ہوں، جب تک میں اس دنیا میں موجود ہوں، میری رُوح اُسے چاہتی رہے گی، وہ اس کے سوا کسی اور کو ہرگز نہیں چاہ سکتی،

رات کے سناٹے میں جب سب سو جاتے عائشہ بستر پر لیٹی یہی باتیں سوچا کرتی لوگ خوابِ خرگوش کے مزے لوٹتے رہتے، اور وہ اختر شماری کرتی رہتی آسمان کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھتی رہتی، چاند سے باتیں کیا کرتی، اور دل کی محفل سجاتے اسلم کو یاد کیا کرتی ——— اسلم جو اس سے خفا تھا، بیزار تھا، اور شاید متنفر بھی! ———

یہ سوچتے سوچتے اس کی چشمِ نرگس سے آنسو بہنے لگتے، وہ رونے لگتی ہسکیاں لینے لگتی ——— کون تھا جو اس کے حالِ زار سے واقف ہوتا؛ کون

کڑھ رہی تھی، اس کی مایوسی اور دل گرفتگی پر میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا، اس

کی باتیں سُن سُن کر میرا دل ماتم کر رہا تھا،

جی چاہتا تھا اس کے قدموں پر گروں اور ہمیشہ کے لئے پیمان زندگی استوار کروں،

جی چاہتا تھا اب یہ بھی رہے تنہا نہ جائے میں اس کی رفیقۂ حیات بن کر

ان کے ساتھ چلی جاؤں،

لیکن میں ایسا نہ کر سکی،

مجھے ایسا کرنا بھی نہیں چاہیئے تھا!

میں نے اسلم کو سب کچھ بتا دیا، میں نے اس کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا،

میں نے اس سے کوئی بات نہیں چھپائی ——————!

لیکن اس نے میرا یقین نہ کیا!

اس کا خیال تھا میں اسے دھوکا دے رہی ہوں،

وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ میں اس سے فریب کر رہی ہوں،

وہ یہ سوچ رہا تھا کہ میں اب اس سے محبت نہیں کرتی، انتقام لے رہی ہوں

وہ خفا ہو گیا،

وہ روٹھ گیا،

وہ چلا گیا،

میں نے اُسے منانا چاہا، لیکن وہ نہ مانا،

میں نے اُسے راضی کرنا چاہا لیکن وہ روٹھا رہا۔

میں نے اسے روکنا چاہا، لیکن وہ نہ رکا!

تھا جو اس کی بے چینی محسوس کر سکتا ؛ کون تھا جو اس کی سسکیاں سن سکتا ؛ کون تھا جو اس کے زخم پر مرہم رکھ سکتا ؛ کون تھا جو اس کے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑ سکتا ؟ ——— کوئی نہیں، کوئی نہیں !

ہارا ہوا جواری

اسلم عائشہ سے رخصت ہو کر، مایوس و مغموم، واپس ہوا، نہیں مایوس و مغموم نہیں، افسردہ اور دلگیر بھی نہیں، بیزار اور متنفر، وہ عائشہ کو دغاباز، خود غرض اور بدعہد سمجھ رہا تھا، اس نے عہد کیا، لیکن نباہ نہ سکی،

اب وہ صرف عائشہ ہی سے بیزار و متنفر نہیں تھا، دنیا کی کسی عورت کو بھی اچھا نہیں سمجھتا تھا، وہ اس خیال پر جم گیا تھا کہ عورت ہوتی ہی بے وفا ہے ——— خوبصورت ناگن ہے، جس کا کام بھولے بھالے مردوں کو ڈسنا، اور ان کی زندگی سے کھیلنا ہے۔

واپسی پر بھی اسلم اسی بادیہ کی طرف سے گزرنے پر مجبور تھا، جو کبھی عائشہ کا مسکن تھا، اب اسے اس بادیہ سے بھی نفرت ہو گئی تھی، اگر کوئی اور راستہ ہوتا تو خواہ وہ کتنا ہی طویل ہوتا، اگر وہ ادھر سے نہ جاتا۔

اتفاق کی بات اس مرتبہ بھی جمیلہ سے مڈبھیڑ ہو گئی،

اس نے فاصلہ سے جمیلہ کو دیکھ لیا تھا، بے ساختہ وہ بڑبڑایا،

"آپ کی طبیعت تو کچھ خراب نہیں ؟"

"نہیں ——————— خدا کا شکر ہے !"

"کیا آپ کو عائشہ نہیں ملی ؟"

"ملی تھی !"

"کیا اس سے لڑ کر آ رہے ہیں ——————— ؟"

"نہیں !"

"آخر آپ کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں ؟"

"جیسی ایک دیوانہ کر سکتا ہے !"

"دیوانہ ! ——————— کیا ہو گیا ہے آج آپ کو ؟"

اسلم نے ایک بھیانک اور خوفناک قہقہہ لگایا اور بولا۔

"دیوانہ ہو گیا ہوں !"

جمیلہ نے سخت اضطراب کے عالم میں ایک مرتبہ پھر اسے دیکھا، اور بولی،

"ضرور کوئی خاص بات ہوئی ہے !"

اسلم نے اسی طرح دیوانہ وار قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا،

"جی ہاں ——————— سنئے گا ——————— ؟"

"ضرور بتائیے ، میں تو پریشان ہو رہی ہوں !"

اسلم نے طنز کیا،

"پریشان ! ——————— آپ کو تو خوش ہونا چاہیئے ؟"

جمیلہ نے سراپا حیرت بن کر کہا،

چڑیل ——————
جب عائشہ سے وہ نفرت کرنے لگا تھا، تو جمیلہ سے کیسے نہ کرتا؟ آخر یہ اسی کی سہیلی ہے۔ جیسی وہ، ویسی ہی یہ!

اس لئے چاہا کہ راستہ کترا کر نکل جائے لیکن قسمت جب ساتھ چھوڑتی ہے تو بُری طرح چھوڑتی ہے۔

جمیلہ سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی!

"آ گئے، آپ؟"

وہ بولا،

"ہاں آگیا!"

جمیلہ نے اشتیاق کے ساتھ پوچھا،

"ہو آئے آپ؟"

اسلم کا جواب بہت مختصر اور سادہ تھا،

"ہو آیا!"

ان اکھڑی اکھڑی باتوں سے حیران ہو کر اس نے نگاہِ غور سے اسلم کو دیکھا تو وہ ایسا ہارا ہوا جواری نظر آیا، جو اپنا سب کچھ لٹا آیا ہو، اس نے بڑی اپنایت کے لہجہ میں پوچھا،

"یہ کیا حال ہو رہا ہے آپ کا؟"

اسلم نے بے رُخی اور بے پروائی کے ساتھ جواب دیا،

"کچھ نہیں!"

اسلم بگڑ گیا،

"کیا آپ مجھے دروغ گو خیال کرتی ہیں!"

جمیلہ نے سمجھاتے ہوئے کہا،

"آپ کو نہیں ——— اسے جس نے یہ خبر اڑائی ہے!"

اسلم نے یقین دلاتے ہوئے کہا،

"یہ خبر میں لایا ہوں، اپنے کانوں سے سن کر آیا ہوں، خود عائشہ نے مجھ سے کہا ہے"!

اب تو جمیلہ کا استعجاب قابلِ دید تھا۔

"کس طرح یہ ان ہونی بات مان لوں"؟

اسلم نے طنز کرتے ہوئے کہا،

"نہ مانیئے"

جمیلہ بولی،

"وہ تو آپ سے بے انتہا محبت کرتی تھی!"

اسلم نے پھر ایک قہقہہ لگایا،

"محبت تو وہ اب بھی مجھ سے کرتی ہے لیکن شادی اسحٰق سے کر رہی ہے ——
—— کتنی شریف لڑکی ہے، یہ تمہاری سہیلی بھی! اسے کہتے ہیں ایک تیر
میں دو شکار کرنا، شوہر اسحٰق، عاشق میں ——— اسکے دونوں میٹھے ——
——!

اتنا کہہ کر وہ پھر زور زور سے ہنسنے لگا، جمیلہ سہم گئی اسے خیال ہوا، ضرور اسکے دماغ میں فتور آگیا ہے، اس نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

یہ کس بات پر خوش ہونا چاہیئے مجھے !"

اسلم نے ایک زہر خند کے ساتھ کہا،

"عائشہ کے رشتہ پر، عائشہ کی شادی پر !"

جمیلہ سنبھل گئی،

"مجھے خوش ہونا چاہیئے ؛ صرف مجھے ؛ آپ کو نہیں ؟ ــــــــ آپ کو تو مجھ سے زیادہ خوش ہونا چاہیئے !"

اسلم نے سختی سے گھور کر جمیلہ کو دیکھا،

"مجھے خوش ہونا چاہیئے ؟"

جمیلہ نے اس سوال کا جواب ایک اور سوال سے دیا۔

"پھر کسے خوش ہونا چاہیئے ؟"

اسلم نے جوش اور غضب کے عالم میں کہا،

"میں نہیں جانتا کسے خوش ہونا چاہیئے ــــــــ عائشہ اختر سے شادی کون کر رہا ہے !"

جمیلہ کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی،

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟"

اسلم نے بتایا،

"اسی طرح جیسے ہو رہا ہے !"

جمیلہ کو یقین نہیں آیا،

"جھوٹ ــــــــ

نوحہ زندگی

احسان یہاں آنے کے بعد بار بار بیمار پڑا کبھی دو ایک دن کے لئے اچھا ہو جاتا، کبھی دس دن کے لئے بستر پر صاحب فراش ہو جاتا، جب اچھا ہوتا تو سب سے زیادہ مسرت الحق کو ہوتی، جب بیمار پڑتا تو سب سے زیادہ پریشان الحق نظر آتا، ادھر کئی دن سے اس کی طبیعت زیادہ خراب تھی، حکیم بار بار نسخے بدلتا تھا، نئی نئی دوائیں تجویز کرتا تھا، مگر وہ جو کہا ہے کہ پیری و صد عیب، وہی بات بوڑھے احسان پر صادق آ رہی تھی، وہ بے انتہا لاغر اور نحیف ہو چکا تھا، جب تک ہمت نے ساتھ دیا اس نے اپنی بیماری کو چھپایا، جب تک ہمت کچھ بھی ساتھ دیتی رہی، وہ کسی نہ کسی حد تک بیماری پر غالب آتا رہا، لیکن اب بیماری نے اسے پچھاڑ لیا تھا، اب وہ اس طرح بستر پر گرا تھا کہ جنبش کرنا مشکل تھا، صاف معلوم ہوتا تھا چند روز کا مہمان ہے، بات کرنے میں سانس پھول جاتا، کروٹ لینا دشوار تھا،

ایک روز اس کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی، بار بار غشی کے دورے پڑتے تھوڑی دیر کو ہوش آ جاتا، اور پھر غفلت طاری ہو جاتی، حکیم نے جواہر مہرہ، اور خمیرہ

"اس کے ساتھ زبردستی کی گئی ہوگی!"

اور پھر خود ہی سوچتی ہوئی بولی،

"زبردستی کے سامنے سر جھکا دینے والی وہ لڑکی نہیں، خنجر کی نوک پر بھی وہ اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتی ہیں لئے آج سے نہیں ہمیشہ سے جانتی ہوں، ہم دونوں بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں!"

اسلم نے طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا،

"جی ہاں میں نے اب جانا ہے، اور خوب اچھی طرح جان لیا ہے، انہیں بھی، اور آپ کو بھی!"

جمیلہ پر پھر حیرت کے آثار طاری ہوئے

"مجھے بھی؟"

اسلم نے گھوڑے کی پیٹھ پر تن کر بیٹھتے ہوئے کہا،

"جی ہاں، جیسی وہ ویسی آپ —— سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔

جمیلہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے،

"کاش آپ سے آج میری ملاقات نہ ہوئی ہوتی!"

اسلم نے مسکراتے ہوئے کہا

"اب کبھی نہیں ہوگی ——————!

پھر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی، اور چشم زدن میں نظروں سے اوجھل ہو گیا!

احسان نے اشارہ سے ام سلیم کو پاس بٹھالیا، وہ گلوگیر آواز میں بولی،

"کیسی طبیعت ہے بھیا؟"

احسان نے آہستہ آہستہ کہا،

"اب چل چلاؤ کا وقت ہے، خدا انجام بخیر کرے،!"

ام سلیم رونے لگی،

"آپ زندہ رہیں گے!"

احسان نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا،

"نہیں اب نہیں!"

ام سلیم کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے، احسان نے کہا،

"تم نے بیٹی کی طرح میری خدمت کی، تم نے اپنی مرحوم بہن کا حق ادا کر دیا، آج عائشہ کی ماں زندہ ہوتی، وہ بھی اس سے زیادہ کیا کرتی، جو تم نے کیا، جو تم کر رہی ہو!"

ام سلیم آنکھوں سے آنسو پونچھتی ہوئی بولی،

"میں نے ہمیشہ آپ کو اپنے باپ کی جگہ سمجھا، میں نے جو کچھ کیا، یہ میرا فرض تھا، لیکن آپ اتنے مایوس کیوں ہیں؟"

احسان نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا،

"میں اب مر رہا ہوں، میں اب نہیں بچ سکتا، گھڑی دو گھڑی کا مہمان سمجھو، ————!"

ام سلیم سسکیاں لے لے کر رونے لگی، احسان نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا

"تمہارا شکریہ ادا کرنا تھا سو کر چکا، اب ایک بات کہنا چاہتا ہوں ————"

مرہا ریہ دیا اور چپکے سے اسحٰق کے کان میں کہا،

"اب یہ ذرا دیر کے مہمان ہیں"

یہ سنکر اسحٰق کا چہرہ زرد پڑ گیا، جیسے کسی مجرم کو پھانسی کی سزا دے دی گئی ہو،

اس نے بڑی حسرت اور امید کے ساتھ پوچھا،

"بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے؟"

حکیم نے مایوسی کے عالم میں گردن ہلائی،

"نہیں ——— اور یوں خدا مردے کو زندہ کر دے، یہ اور بات ہے!"

حکیم صاحب چلے گئے، اسحٰق احسان کے کمرہ میں آیا اور سر جھکا کر بیٹھ گیا،

ذرا دیر میں احسان نے آنکھ کھولی، چاروں طرف نظر ڈالی اور پھر اسحٰق کی طرف دیکھنے لگا، وہ تیزی سے اٹھ کر اس کے پاس پہنچا،

"آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟"

احسان نے اشارہ میں گردن ہلائی، پھر کمزور آواز میں کہا،

"ام سلیم!"

اسحٰق نے دروازہ کے پاس جاکر رقیہ کو آواز دی، وہ آئی تو اس سے آہستہ سے کہا

"خالو کا حال بہت نازک ہے، وہ اماں کو بلا رہے ہیں!"

اتنا کہہ کر پھر احسان کے سرہانے آکر کھڑا ہو گیا، اتنے میں ام سلیم آ گئی، اس کے ساتھ کلثوم بھی تھی اور عائشہ بھی، تینوں کی آنکھوں میں لبالب آنسو بھرے تھے بس چھلک پڑنے کی دیر تھی،

احسان کے چہرہ پر اطمینان کی کیفیت نمودار ہوئی، اس کی آنکھیں آب گوں ہو گئیں اس نے کہا،

"نہیں ام سلیم، عائشہ بڑی پیاری لڑکی ہے، وہ دل و جان سے تمہاری اطاعت کرے گی، وہ ماں کی طرح تمہیں چاہتی ہے، اس کی طرف سے کوئی خیال دل میں نہ لانا، ایک نازبردار باپ کی حیثیت سے میں نے یہ باتیں کہہ دیں اور نہ وہ بڑی سعادتمند ہے تمہیں ماں کی طرح چاہتی اور مانتی ہے، بہرحال تم نے مجھے مطمئن کر دیا، اب میں اطمینان سے مروں گا"!

کمرہ پر سناٹا چھایا ہوا تھا، کلثوم چپ بیٹھی تھی لیکن غمگین سہمگین، افسردہ عائشہ بالکل خاموش تھی، اس کی آنکھوں سے گنگا جمنا کی تراوش جاری تھی، وہ اپنا رونا ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی، نچلا ہونٹ دانتوں سے دبائے ہوئے تھی، گردن جھکی تھی، آنکھیں زمین پر لگی تھیں لیکن بدن کی جنبش سے صاف معلوم ہو رہا تھا، وہ بے تحاشہ رو رہی ہے لیکن باپ پر، حاضرین پر یہ کیفیت ظاہر کرنا نہیں چاہتی، احسان نے یہ حالت بھانپ لی، اس نے بیٹی کی طرف دیکھا، جو پاس ہی بیٹھی تھی اور مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا،

"پگلی ——— روتی کیوں ہے کس کے ماں باپ ہمیشہ بیٹھے رہتے ہیں، اور پھر میں مر رہا ہوں، ام سلیم تو زندہ ہیں وہ مجھ سے زیادہ تجھے سکھ سے رکھے گی"؟!

اب تو عائشہ کے لئے ضبط کرنا مشکل ہو گیا، وہ تیر کی طرح اپنی جگہ سے اٹھی، باپ کی پٹی کے پاس بیٹھ کر اس کے سینہ پر سر رکھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، ایک

——— ایک وصیت!"

یہ کہتے کہتے احسان کی آواز اور زیادہ مرتعش ہوگئی، ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے اس کا سارا بدن کانپ رہا ہے، اس نے اپنی حالت پر غالب آنے کی کوشش کرتے ہوتے کہا،

"ام سلیم مت روؤ، اگر رونا ہی ہے، تو تھوڑی دیر بعد رونا جب میں مرلوں، یہ وقت بہت قیمتی ہے، اسے ضائع نہ کرو،!

ام سلیم نے جلدی سے آنسو پونچھ لئے، اور منتظر نگاہوں سے احسان کی طرف دیکھنے لگی، اس نے کہا،

میری وصیت یہ ہے کہ جلد از جلد عائشہ کی شادی اسحٰق سے کر دینا ———

——— اب تک تمہاری وہ صرف بھانجی تھی، آج سے بیٹی بھی ہے اور کل سے بہو بھی ہو جائے گی، اسے کسی طرح کی تکلیف نہ ہو، کوئی بات اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو وہ بڑی نازک مزاج ہے، ذرا سے میں خفا ہو جاتی ہے، بگڑنے کے بعد مجھ تک سے بڑی مشکل سے منتی تھی، اس کی دلداری کرنا، اس کی نازک مزاجی برداشت کر لینا ———

———

ام سلیم تقریباً چیخ پڑی، اس نے روتے روتے کہا،

"بھیا میں سب کچھ کروں گی، وہ میری بیٹی، بہو، بھانجی کچھ نہیں مالک ہے، آقا ہے، وہ اگر میرے جوتیاں مارے گی میں سہ لوں گی، میں اس کی خدمت کروں گی، میں اسے اٹھ کر پانی نہ پینے دوں گی اور کسی قیمت پر بھی اس کا جی میلا نہ ہونے دوں گی

"اسحٰق ——— میں اپنی جان سے زیادہ قیمتی پونجی تمہیں سونپتا ہوں!"

——— خیال رکھنا، اس کا دل نہ ٹوٹے!"

اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکا، اس کا سانس پھر پھول گیا، اسحٰق نے گلوگیر آواز میں کہا،

"خالو ——— میری زندگی کا مقصد صرف عائشہ کو خوش رکھنا ہوگا!"

اب احسان بہت زیادہ نڈھال ہو چکا تھا، اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہوئی، شاید مسرت اور اطمینان کی چمک تھی اس نے محبت بھری نظروں سے اسحٰق کو دیکھا، اور بہت کمزور آواز میں اس طرح جیسے کوئی کنوئیں سے بول رہا ہو کہا،

"مجھے تم سے یہی اُمید تھی، مجھے تم سے یہی اُمید تھی، میرے بیٹے!"

اور پھر وہ کچھ نہ کہہ سکا، اس نے ایک مرتبہ بڑی کوشش کے بعد

"اشہد ان لا الٰہ الا اللہ"

کئی ٹکڑوں اور وقفوں میں کہا، اور پھر کچھ نہ کہہ سکا، اس کی زبان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہوگئی، اس کی آنکھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہوگئیں،!

عائشہ پچھاڑیں کھاتی ہوئی گری اور بیہوش ہوگئی، اس کے دانت بیٹھ گئے، اُم سلیم کا روتے روتے بُرا حال ہو گیا، کلثوم اب تک ضبط کر رہی تھی، اب اس کا نالہ جگر دوز آسمان تک جا پہنچا،

کمرہ سے رونے کی لگاتار آوازیں سن کر عمار بھاگا بھاگا آیا، یہاں کا منظر دیکھ کر وہ سب کچھ سمجھ گیا، اس نے عائشہ کو بڑی دقت سے الگ ہٹایا، اور اپنے محبوب آقا کی چارپائی سے سر ٹکرانے لگا، اس کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی، ایسا معلوم ہوتا

کہرام سا مچ گیا، اس مختصر سے کمرہ میں، احسان نے اس کی پیٹھ پر شفقت و محبت سے ہاتھ رکھا، پھر کہا۔

"نہیں بیٹی روتے نہیں ——————!"

پھر اس نے اپنا کمزور ہاتھ اُٹھایا اور اس کے رخساروں پر پھیرتے ہوئے کہا

"بیٹی میں نے اسحق سے تیری شادی کا فیصلہ کر دیا ہے، مجھے اُمید ہے تیری رضامندی مجھے حاصل ہے"

عائشہ نے روتے ہوئے سینہ پر منہ رکھے رکھے اور آنکھ ملائے بغیر کہا،

"آپ کا ہر فیصلہ مجھے دل و جان سے منظور ہے!"

اور پھر وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگی، احسان کا ہاتھ اس کی پیٹھ پر تھا اور وہ آہستہ آہستہ اسے سہلا رہا تھا، اس نے فخر کے لہجہ میں کہا،

"دیکھا اُم سلیم تم نے میری بیٹی کو؟"

پھر اسحق سے مخاطب ہوا،

"بیٹے اسحق!"

اسحق پیکر یاس و حرماں بنا پاس آکر کھڑا ہو گیا، احسان نے کہا۔

"اب میں تم سے ایک بات کہتا ہوں!"

اسحق سر جھکائے کھڑا رہا، اس کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں، وہ بھی رونا چاہتا لیکن نہیں رو سکتا تھا، احسان اتنی باتیں کرنے کے بعد بہت کمزور ہو چکا تھا، کچھ دیر تک وہ اپنا پھولا ہوا سانس ٹھیک کرنے کی کوشش کرتا رہا، پھر بڑی مشکل سے گویا ہوا۔

اُن کے جاتے ہی یہ کیا ہوگئی گھر کی صورت؟

احسان کے انتقال نے اس گھر کا نقشہ بدل دیا، جہاں ہر وقت چہل پہل، رونق اور گہما گہمی نظر آتی تھی، اب وہاں افسردگی، غم اور یاس کی حکمرانی نظر آتی تھی۔ اُم سلیم نے روتے روتے اپنی آنکھیں سجالی تھیں، عائشہ ہر وقت بستر پر پڑی رہتی، ماں اور عائشہ کا یہ حال دیکھ کر کلثوم کی آنکھوں سے بھی ہر وقت آنسوؤں کی بارش ہوا کرتی، تحفی بالکل خاموش تھا لیکن یکسر وقفِ اضطراب، وہ عائشہ کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا، لیکن اسے تسکین بھی نہیں دے سکتا تھا، اس سے کس طرح کہتا کہ اپنے باپ کا غم نہ کر؟ اپنے محبت کرنے والے باپ کی یاد میں خون کے آنسو نہ بہا؟ جو باپ پروانہ وار تجھ پر قربان ہوتا تھا اسے بھول جا؟ وہ چاہتا تھا، عائشہ روئے، غم کرے، لیکن نہ اتنا کہ خود اپنی صحت اور زندگی خطرہ میں ڈال لے،

ایک روز عائشہ اور کلثوم پاس پاس بیٹھی ہوئی تھیں ام سلیم ابھی ابھی بہت سا روئے، عائشہ کو کلیجہ سے لگائے، اور تسکین و تشفی کے کلمات کہہ کر دوسرے کمرہ میں گئی تھیں، یہ دونوں چپ چاپ بیٹھی تھیں، کلثوم نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ اسکی آنکھیں

تھا اس نے خودکشی کر لینے، ابھی اور نہیں جان دے دینے کا فیصلہ کر لیا ہے، الحق نے اگر بزور قوت اسے یہاں سے ہٹا نہ دیا ہوتا تو شاید وہ یہاں سے مر کر نکلتا، الحق بڑے ضبط اور حوصلے سے کام لے رہا تھا اس کے سینہ میں طوفان مچل رہا تھا، خود اس کا جی چاہ رہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے، اتنا روئے کہ جل تھل ایک کر دے، لیکن وہ مرد تھا، اسے اپنی ذمہ داری کا احساس تھا، اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا لیکن آنکھیں خاموش تھیں!

"مجھے اپنی کوئی پروا نہیں!"

کلثوم نے پھر اپیل کی،

"میرے لئے، اماں کے لئے، وہ کتنا چاہتی ہیں تمہیں، اور کس طرح ہلکان ہوتی جا رہی ہیں تمہاری یہ حالت دیکھ کر کیا ان بیچاری پر ترس نہیں آتا تمہیں؟ کیا تم چاہتی ہو وہ بھی مر جائیں ——————؟"

بے ساختہ عائشہ بول پڑی،

"خدا نہ کرے!"

کلثوم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا،

"میری زندگی، میری خوشی صرف تمہاری ذات سے وابستہ ہے، میری جان کے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئی ہو؛ تمہارا یہی حال رہا، تو تم صرف آنسو بہاتی اور روتی رہ جاؤ گی، اور میں دیکھ لینا گزر جاؤں گی اس دنیا سے!"

عائشہ نے پھر ٹوکا،

"ایسی باتیں نہ کرو کلثوم!"

کلثوم نے گفتگو کا ٹوٹا ہوا سلسلہ پھر جوڑا،

"اور تمہیں اسحٰق بھائی کی بھی پروا نہیں، وہ چپ ہیں، خاموش ہیں، زبان سے کچھ نہیں کہتے، لیکن کیا ان کی حالت دیکھ کر اندازہ نہیں ہوتا کہ تمہاری یہ کیفیت دیکھ دیکھ کر ان کے دل میں کیسا ہولناک طوفان اٹھ رہا ہے؟ ان کا چہرہ بتاتا ہے، اُن کی آنکھیں بتاتی ہیں، اُن کا اُترا ہوا رنگ رخ بتاتا ہے، ان کی خاموشی بتاتی ہے، اُن کی افسردگی اور اضمحلال سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اندر ہی اندر گھلے جا رہے ہیں؛ ——————

اب بھی اشک آلودہ ہیں، اس نے بے تابی اور بیقراری کے ساتھ کہا،

"کب تک روتی رہو گی عائشہ ——————!"

عائشہ نے ویسے ہی زمین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا،

"جب تک زندہ ہوں!"

کلثوم نے سمجھایا،

"لیکن مرنے والوں کے ساتھ کوئی مر تو نہیں جایا کرتا!"

عائشہ بڑے درد بھرے انداز میں بولی،

"ہاں کلثوم سچ کہتی ہو، مرنے والوں کے ساتھ دوسرے مر نہیں جاتے، لیکن کاش میں ابا سے پہلے یا اُن کے ساتھ مر گئی ہوتی!"

جیسے عائشہ کے یہ الفاظ پورے ہی تو ہو جائیں گے، کلثوم نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا،

"خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کرو، میرا دل ہولتا ہے! —————— جانتی ہوں، جانتی ہوں، یہ غم زندگی بھر کا رفیق ہے، بھلا خالو بھلائے جا سکتے ہیں، لیکن پیاری عائشہ، تمہیں یہ غم بھلانے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

عائشہ نے اپنے ناخنوں کو مرکز نظر بنا لیا تھا، اسی طرح بیٹھے بیٹھے پوچھا،

"کیوں ——————؟"

کلثوم نے اسے قائل کرنے کے انداز میں کہا،

"دو بچے لئے ——————!"

عائشہ کا فیصلہ موجود تھا،

عائشہ نے جواب میں کچھ کہنا چاہا تھا کہ پیکرِ یاس و الم بنا اسحٰق کمرہ میں داخل ہوا ہے دیکھ کر عائشہ اور کلثوم دونوں خاموش ہو گئیں، اسحٰق خاموشی سے آ کر بیٹھ گیا، اس نے کلثوم سے مخاطب ہو کر سوال کیا،

"عائشہ نے کھانا کھا لیا!"

کلثوم بولی،

"ہاں ——— جتنا کھاتی ہیں ———!

اسحٰق نے پوچھا ———

یعنی نہ کھانے کے برابر؟"

کلثوم نے تائید کی،

"جی ———

اسحٰق :- کلثوم تم عائشہ کو سمجھاتی کیوں نہیں؛

کلثوم :- میں تو سمجھاتے سمجھاتے تھک گئی بھیا، مگر ان کا گریہ بے اختیار کسی کے روکے نہیں رکتا، مجھے ڈر ہے ان کے غم میں اماں بیمار نہ پڑ جائیں، ان کی صحت خطرہ میں نہ پڑ جائے،

اسحٰق :- ہاں کچھ دنوں سے میں بھی ایسا محسوس کر رہا ہوں،

کلثوم :- اور خود ان کی عائشہ کی کیا حالت ہے، یہ بھی تو اپنی جان سے گزری جا رہی ہیں۔

اسحٰق :- شاید ابھی کچھ اور لوگوں کو بھی جان سے گزرنا پڑے گا ———

عائشہ میری طرف دیکھو ———

کیا اُن کی خودکشی بھی تمہارے پتھر دل پر اثر نہیں کر سکتی ——————!

عائشہ نے پھر لقمہ دیا،

"کلثوم تم باز نہیں آؤ گی!"

کلثوم نے کہا،

"کیسے باز آجاؤں! مجھ سے یہ نہیں دیکھا جاتا —————— خدا کے لئے اپنے
آپ کو سنبھالو، اپنے نہیں دوسروں کے لئے، ان دوسروں کے لئے، جو اپنی جان سے
زیادہ تمہیں پیار رکھتے ہیں، ایثار بھی تو کوئی چیز ہے!"

عائشہ چونک پڑی،

"ایثار ——————؟"

کلثوم نے بتایا

"ہاں ایثار —————— مانا کہ یہ غم ناقابلِ فراموش ہے، مانے لیتی ہوں
کہ تم اس پر غالب نہیں آ سکتیں، اس سے بھی مجھے انکار نہیں کہ نہ احسان خالو جیسا باپ
ہوگا، نہ تم جیسی بیٹی، لیکن عائشہ دُنیا میں رہ کر دُنیا ہی کے قاعدوں پر عمل کرنا پڑتا
ہے، تم صبر کرو گی، خوش رہو گی، اپنی زندگی پُرسکون بنا لو گی تو جانتی ہو کیا ہوگا؟"

عائشہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی،

"کیا ہوگا ——————؟"

کلثوم نے جواب دیا،

"خالو کی رُوح کو تسکین ملے گی، وہ خوش ہوں گی، تمہیں اس حال میں دیکھ کر خو
اُن کی رُوح تڑپ ہی ہوگی!"

کیجئے، آپ اب اکیلے نہیں ہیں" ——————

یہ الفاظ سن کر اسحٰق کے پژمردہ چہرے پر ایک رونق سی آگئی، اس نے بڑے جوش کے عالم میں کہا،

"ہاں عائشہ میں اکیلا نہیں ہوں ——————"

عائشہ نے جملہ پورا کیا،

"آپ کے سر پر ذمہ داری کا بہت بڑا بوجھ ہے، اس گھر کے ہر فرد کی زندگی صرف آپ کی ذات سے وابستہ ہے —————— اور انہی میں خود میں بھی ہوں!"

یہ کہتے کہتے عائشہ کا چہرہ سرخ ہو گیا، اس کے کان کی لویں تمتما گئیں، اسحٰق نے سراپا جذبات بن کر کہا،

"اور میں ان ذمہ داریوں کو نباہنا چاہتا ہوں، لیکن اس کے لئے سکت چاہیئے اور وہ سکت کھو چکا ہوں! —————— جب تک نہیں خوش نہ دیکھوں، جب تک تمہارے ہونٹوں پر تبسم نمودار نہ ہوگا، اس وقت تک میری یہی حالت رہے گی! —————— کیا تم میرے لئے بھی اپنے آپ کو خوش نہیں رکھ سکتیں! بتاؤ عائشہ کیا اتنا ایثار بھی نہ کرو گی!؟"

عائشہ نے بڑے استقلال کے ساتھ جواب دیا۔

"آپ کے لئے سب کچھ کر سکتی ہوں، آپ کیا ہیں، یہ آپ نہیں جانتے، ہم جانتے ہیں —————— ہم سب!"

اسحٰق کے کانوں میں یہ امرت ٹپکا کر، واقعی عائشہ نے اسے ایک نئی زندگی

عائشہ نے نظر اٹھا کر اسحٰق کو دیکھا،

اسحٰق :- کیا تم اس گھر کو ہمیشہ کے لئے اس طرح دلگیر اور دل گرفتہ، مایوس، مغموم رنجور، مضمحل رہ کر، ویران و برباد دیکھنا چاہتی ہو؟ عائشہ سوال صرف تمہاری زندگی کا نہیں ہے! اسے نہ بھولو کہ تمہارے ساتھ کچھ اور زندگیاں بھی وابستہ ہیں

عائشہ :- کتنا کتنا زور لگاتی ہوں کہ غم کا طوفان آنکھوں سے سر نہ نکالے لیکن بس نہیں چلتا،

اور یہ کہتے کہتے اس کی آواز گلوگیر ہو گئی، اس کے ہونٹ پھڑپھڑانے لگے،

اسحٰق بیقرار ہو گیا،

"عائشہ"

لیکن عائشہ کی وہی کیفیت قائم تھی،

اسحٰق نے کہا،

"میں چاہتا تھا، چند روز کے لئے تجارت کے سلسلہ میں ذرا باہر ہو آؤں تاکہ حالات کچھ سدھر جائیں! اور اس کے بعد ہم زندگی کا نیا اور خوشگوار دور شروع کریں لیکن جب تک تمہاری یہ حالت ہے، میں کس طرح باہر جا سکتا ہوں،"

عائشہ نے کہا،

"آپ جاتے کیوں نہیں! ذرا جی بھی بہل جائے گا" "خود آپ کا کیا حال ہو رہا ہے شاید آپ کو احساس نہ ہو، لیکن میری آنکھیں تو دیکھتی رہتی ہیں"

مجھ سے بدتر تو آپ کا حال ہو رہا ہے، میں تو آپ سے کہنے والی تھی، اتنا غم نہ

"صبح نماز فجر کے بعد ——— لیکن یہ سوال کیوں، کیا تم نے ——؟"

کلثوم بول پڑی،

"آؤ رخت سفر تیار کرنے کے لئے پھر انہیں بہت سویرے اُٹھنا پڑے گا، اور صبح دیر تک سونا ان کی عادت، اور جلد ہی اُٹھنا ان کی چڑ ہے!

عائشہ مسکرادی، اسحٰق ہنسنے لگا، کلثوم اپنے تیر کو نشانہ پر لگتا دیکھ کر بہت خوش ہوئی!

پیش کردی تھی، وہ خوش ہو گیا، اس نے کہا،
عائشہ تم نے مجھے مطمئن کر دیا، تم نے میری لٹی ہوئی خوشی مجھے واپس کر دی، کس زبان
سے اور کن الفاظ میں تمہارا شکریہ ادا کروں؟
عائشہ کے ہونٹوں پر ذرا کے ذرا تبسم نمودار ہوا وہ بولی،
"شکریہ رہنے دیجئے، اپنوں کا شکریہ ادا نہیں کرتے ——— !"
اسحٰق اٹھ کھڑا ہوا اور خوش خوش بولا،
"عائشہ میں کل سفر پر روانہ ہو جاؤں گا!"
عائشہ نے کہا،
"لیکن جلد آیئے گا!"
اسحٰق پر شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی، اس نے لڑکھڑاتی زبان سے کہا،
"ہاں جلد از جلد آنے کی کوشش کروں گا!"
عائشہ نے پھر اسے ایک جام شراب پلایا، سرور و نشاط کا جام،
"آپ ہوتے ہیں تو اس گھر میں رونق سی رہتی ہے، ورنہ سونا سونا سا لگتا ہے!"
اسحٰق جو کچھ چاہتا تھا اس سے زیادہ اس نے پا لیا، اپنی امید، آرزو اور حسرت
سے زیادہ، اس سے زیادہ اسے اور کیا چاہیئے تھا، اس نے کہا،
"ہاں عائشہ بہت جلد آ جاؤں گا ——— بس صرف ایک ہفتہ میں!"
عائشہ نے ایک سوال اور کیا،
"کل کس وقت جائیں گے آپ؟"
اسحٰق نے جواب دیا،

عائشہ :- ارے یہ کیا ہوا ؟ ابھی تو ٹھیک تھیں ، یکایک دورہ کیسا پڑ گیا ؟

کلثوم :- میں تم سے خفا ہوں ،

عائشہ :- سبب ؟

کلثوم :- تم اماں سے یہ کیوں کہہ رہی تھیں کل کہ اب کلثوم کی شادی کر دینا چاہیئے ؟

عائشہ :- تو کیا شادی نہ کرو گی ؟

کلثوم :- جانتی ہو اماں کس سے شادی کریں گی میری ؟

عائشہ :- ہاں جانتی ہوں —— عمار سے !

کلثوم کھلکھلا کر ہنس پڑی ، کلثوم نے جھنجلا کر کہا ،

"تم نہ کر لو اس یوسف ثانی سے اپنا بیاہ !"

عائشہ :- میرا ذکر چھوڑو ، میری قسمت کا تو فیصلہ ہو گیا ،

کلثوم :- آپ کو اپنی قسمت کا فیصلہ مبارک ، ہم نہیں چاہتے ، اپنی قسمت کا فیصلہ اس طرح

عائشہ :- آخر خالہ کس سے کرنا چاہتی ہیں تمہاری شادی ؟

کلثوم :- اسی بادیہ کا ایک شخص ہے ، منصور ، !

عائشہ :- (مسکراتے ہوئے) منصور —— نام تو اچھا ہے ۔

کلثوم :- شادی نام سے نہیں آدمی سے ہوتی ہے ، کسی کالے کلوٹے حبشی کا نام اگر یوسف رکھ دیا جائے تو وقت کی زلیخائیں مرنے لگیں گی اس پر ؟

عائشہ :- کیا منصور کالا ہے ؟

کلثوم :- ہاں —— جیسے شب تار ،

عائشہ :- بہادر تو ہو گا ؟

پریشانی

اسحٰق کو ایک کاروانِ تجارت کے ساتھ گئے دس بارہ روز ہو چکے تھے، چلتے وقت وہ کہہ گیا تھا کہ ایک ہفتہ میں واپس آجائے گا، گھر کا ہر شخص پریشان تھا، اس غیر معمولی تاخیر سے کوئی فرد ایسا نہ تھا جس کے دل میں اندیشہ ہائے دور و دراز نہ پیدا ہو رہے ہوں، اُم سلیم پر تو خاص طور پر اختلاج کے دورے پڑ رہے تھے،

ایک روز عائشہ نے کلثوم سے گفتگو کرتے ہوئے کہا،

"وہ آئے نہیں تمہارے بھائی اب تک ———— !"

کلثوم مسکرائی

"میرے بھائی اور تمہارے ؟"

عائشہ :۔ میرے بھی،

کلثوم :۔ تمہارے کیا؛ بھائی یا کچھ اور؟

عائشہ :۔ خالہ بیچاری بہت پریشان ہیں، مجھے دکھ ہوتا ہے انہیں رنجیدہ دیکھ کر،

کلثوم :۔ بڑی آئیں رحمدل بنکر، تجھ سے بڑھ کر مشکل ہی سے کوئی ظالم ہوگا،

بھر کے تمہارا دیدار کر سکے ——————

[عائ]شہ :۔ (ایک دو ہتڑ مار کے) کچھ ہوش میں ہو کلثوم،

[کلث]وم :۔ تمہیں دیکھ کر، تمہارے پاس بیٹھ کر ہوش رہنا ممکن کس طرح ہے؛

عائشہ : (مسکراتے ہوئے) دیکھو کلثوم پھر میں مار بیٹھوں گی۔

اتنے میں اُم سلیم اُدھر آگئیں، انہیں دیکھ کر کلثوم اور عائشہ خاموش ہوگئیں، وہ

[آ]کر پاس بیٹھ گئیں، عائشہ نے کہا خالہ آپ بہت پریشان نظر آ رہی ہیں کیا بات ہے؛

وہ افسردہ لہجہ میں بولیں :۔

"بیٹی بات کیا ہوتی، اسحٰق میں جی لگا ہے، ایک ہفتہ کو کہہ گیا تھا، آج پورے تیرہ

[د]ن ہو گئے، میرا تو دل ہول رہا ہے!"

عائشہ نے دلاسہ دیتے ہوئے کہا،

"پریشان ہونے کی کیا بات ہے، کام سے رُک گئے ہوں گے آجائیں گے امروز

[ف]ردا میں، !"

یکایک زور سے دروازہ کُھلا، اور ابراہیم سہما ہوا، گھبرایا ہوا گھر میں داخل ہوا

[اس] نے تقریباً چیختے ہوئے کہا،

"بھائی —————— فرج!"

اور پھر وہ زور زور سے ہانپنے لگا،

کلثوم :- بہت زیادہ ——— جیسے بکری،

عائشہ :- (ہنستے ہوئے) کما ؤ پوت ہوگا پھر ؟

کلثوم :- ہاں ——— اپنے وقت کا ملک التجار ہے وہ تو،

عائشہ :- (چڑ کر) تم تو ایسی باتیں کر رہی ہو جیسے اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی بڑا
آدمی نہیں،

کلثوم :- مجھے کچھ دشمنی تو ہے نہیں اس سے جو بات ہے وہ کہہ رہی ہوں
موا نکما کہیں کا،

عائشہ :- تو خالہ کو اس کی کون سی بات پسند آگئی، جو وہ بھینٹ چڑھائے دے رہی ہیں
تمہیں ؟

کلثوم :- یہی تو میری سمجھ میں خود نہیں آتا، وہ کٹنی ہے نا سلمہ وہی اس کی ماں ہے، نہ جانے
آکر گھنٹوں اور پہروں، پہلو سے پہلو ملائے اماں کو کس کس طرح ورغلایا کرتی
ہے، بیچاری بھولی بھالی تو ہیں ہی آگئیں اس کے بھترے میں،

عائشہ :- تو فکر کیوں کرتی ہو ؟ میں اگر زندہ ہوں تو منصور اس گھر میں قدم نہیں رکھ
سکے گا ——— اب خوش ہو - ؟

کلثوم : تم سے امید تو یہی تھی، اور تم لگیں خود اماں کو ورغلانے، ایسا غصہ آیا ہے
مجھے اس وقت کہ جی میں آیا منہ نوچ لوں تمہارا، بدصورت کر دوں تمہیں،

عائشہ :- میں کون سی ایسی خوبصورت ہوں جو بدصورت کر دو گی مجھے ؟

کلثوم :- واہ یوں نہ کہو، آسمان کے تارے تمہارے ہی حسن بے مثال کا نظارہ کرنے
کے لئے تو جھانکتے ہیں، چاند اسی لئے چمکتا ہے کہ اپنی شمع کی روشنی میں بھی

سفید پڑ گیا تھا لیکن وقار کا دامن اس نے ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا، وہ اس وقار سے کھڑی تھی جیسے کوئی ملکہ باغی سپاہیوں کے زغے میں کھڑی ہو، جب اس کی آنکھیں چار ہوئیں تو اسحٰق نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے اُسے بتایا،

"عائشہ، یہ زیجی نالڈ کے سپاہی ہیں، ہمارا کاروان تجارت جب قلعۂ کرک کی طرف سے گزرا تو ذرا دم لینے کو وہیں ٹھہر گیا، ہمارا خیال تھا زیجی نالڈ سے صلح ہے مسلمانوں سے وہ بدعہدی کا ارتکاب نہیں کرے گا، لیکن اس نے بدعہدی کی، اس کے حسب ہدایت یہ سپاہی ہم پر ٹوٹ پڑے، سارا مال لوٹ لیا اور قافلہ کے سب لوگوں کو گرفتار کر لیا۔

عائشہ نے پوچھا

"تو کیا یہ لوگ اب ہم لوگوں کو گرفتار کرنے آئے ہیں ——— ؟

اسحٰق نے جواب دیا،

نہیں عائشہ ——— ان لوگوں کا خیال ہے کہ سالار کارواں میں تھا، لہٰذا جو مال و اسباب اور زر نقد یہ لوٹ چکے ہیں[1]، اس کے علاوہ بھی میرے گھر میں سونے کی سلاخیں، چاندی کی اینٹیں، ہیرے جواہرات کے زیورات، ریشم کے تھان، اور نہ جانے کیا کیا کچھ ہوگا ۔ یہ میری رہنمائی میں میرے گھر تک اس لئے آئے ہیں کہ تلاشی لیں اور جو کچھ ملے وہ بھی چھین لے جائیں،!

عائشہ نے پھر ایک سوال کیا،

---

[1] کاروان تجارت کے لوٹ لینے کا واقعہ مستند تاریخی کتابوں میں موجود ہے جسے سب مورخوں نے ریجی نالڈ کی بدعہدی سے تعبیر کیا ہے ۔ (رئیس احمد جعفری)

جامِ شہادت

قبل اس کے کہ عائشہ یا کلثوم اس گھبراہٹ اور اضطراب کا سبب ابراہیم سے دریافت کر سکیں گھر میں بہت سے مسلح، اور باوردی لوگ داخل ہو گئے ——— واقعی یہ فوجی سپاہی تھے، لیکن مسلمان نہیں عیسائی! اور ان لوگوں کے درمیان اسحٰق تھا، رسن بستہ اور پابجولاں!

اسے اس حالت میں دیکھ کر کلثوم بیقرار ہو کر دونوں ہاتھ پھیلائے اس کی طرف بڑھی

"میرے بھیا ———!"

ایک اکھڑ سپاہی نے اسے ڈانٹا،

"خبردار! دور ہو!"

ام سلیم پر غشی کی کیفیت طاری تھی، رقیہ اور زینب بھی گھبرا کر اپنے اپنے کمروں سے نکل آئی تھیں، اور سہمی ہوئی عائشہ کے پاس کھڑی تھیں، اسمٰعیل بھی سب کے پیچھے کھڑا کانپ رہا تھا، جیسے یہ لوگ اسحٰق کی طرح اسے بھی گرفتار کر لیں گے، عائشہ چپ چاپ اپنی جگہ کھڑی تھی، اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا، سارا بدن دہشت سے

پر ٹوٹ پڑے۔ بے خبری کے عالم میں تم نے ہمیں گرفتار کر لیا، اور غلام بھی بنا لیا؟"

جیمس نے اکڑی ہوئی گردن کے ساتھ جواب دیا،

"قیدی تم بہت زبان دراز ہو، اور یہ گستاخی قطعاً ناقابلِ برداشت ہے۔

——— تم میدانِ جنگ میں ہوتے جب بھی ہم تمہیں گرفتار کر لیتے ———!"

اسحٰق نے ڈپٹ کر کہا،

"غلط ——— اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو تو مجھے کھول دو

تلوار میرے ہاتھ میں دو ———"

جیمس نے رعونت کے ساتھ پوچھا،

"پھر کیا ہو گا؟"

اسحٰق نے برجستہ جواب دیا،

"پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ بہادر کون ہے!"

یہ الفاظ سنکر جیمس کا ہاتھ بے ساختہ تلوار کے قبضہ پر گیا، عائشہ نے محسوس کیا، اسحٰق بے بس ہے، یہ سردار ضرور اسے قتل کر دے گا، وہ وقار کے ساتھ آگے بڑھی اور جیمس کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی، اس نے کہا،

"ان باتوں کو چھوڑیئے، آپ گھر کی تلاشی لینا چاہتے ہیں نا؟"

جیمس نے اسے کوئی جواب نہیں دیا للچائی ہوئی حریص نظروں گھورنے لگا، اسحٰق کا خون کھول رہا تھا یہ منظر دیکھ کر، لیکن وہ بے بس تھا وہ اپنی بے بسی محسوس کر رہا تھا، عائشہ کے تن بدن میں، اس گستاخ نگاہی نے آگ لگا دی تھی، لیکن وہ ان کم بختوں سے جلد از جلد اسحٰق کی گلو خلاصی کرانا چاہتی تھی، اس نے ضبط سے کام لیا،

کیا تلاشی لینے، اور جو کچھ ملے اُسے چھین لینے کے بعد یہ لوگ آپ کو رہا کر دیتے ؟" ______

اسحٰق نے کہا،

"زنجی ناالڈ نے میرے ساتھ انہیں روانہ کرتے وقت کہا تو یہی تھا!"

ایک سپاہی نے جو ان سب سپاہیوں کا سردار معلوم ہوتا تھا، اور اسحٰق کے بالکل پاس ہی کھڑا تھا، کہا،

"نہیں قیدی تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، ہمارے سردار زنجی ناالڈ نے قطعاً ہم سے یہ نہیں کہا تھا کہ تلاشی کے بعد تمہیں رہا کر دیں، تم کو ہم نے گرفتار کیا ہے، جس طرح تمہارے دوسرے ساتھی ہمارے غلام ہیں، اسی طرح تم بھی اب غلام ہو، اور آئندہ زندگی تمہیں اسی طرح بسر کرنی پڑے گی، خواہ زنجی ناالڈ کے محل میں، یا کہیں باہر!"

یہ سُن کر اسحٰق کا خون کھول گیا۔ اس نے سخت اور درشت لہجہ میں کہا،

"غلام ______ میں غلام ہوں، میرے سارے ساتھی اب غلام ہیں!"

وہ سردار جس کا نام جمیس تھا، کہنے لگا،

"ہاں ______ تمہیں تعجب کیوں ہے؟ اگر ہم لوگ تمہارے ہاتھوں گرفتار ہوئے ہوتے تو کیا ہمارا حشر کچھ اس سے مختلف ہوتا؟"

اسحٰق نے اکڑ کر کہا،

"قطعاً مختلف ہوتا ______ غلام وہ لوگ بنائے جاتے ہیں جو جنگ کے میدان میں لڑتے ہوئے ہاریں اور گرفتار ہو جائیں، کیا تم نے ہمیں جنگ کے میدان میں گرفتار کیا ہے؟ دھوکے اور فریب کی حالت میں بدعہدی کا ارتکاب کر کے تم ہم

کیا آپ کی کوئی اور بہن بھی ہے اس گھر میں ——— جوان بہن ؟

یہ سن کر عائشہ ضبط نہ کر سکی ، !

فضا میں تڑاق کی آواز گونجی اور عائشہ کا طمانچہ جیمس کے گال پر ثبت ہو چکا تھا

اس گستاخی پر جیمس تلملا گیا ، اس نے اپنے سپاہیوں سے عائشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ،

"گرفتار کر لو اسے ، !"

سپاہیوں نے آن کی آن میں اُسے گرفتار کر لیا ،

کلثوم روتی ہوئی آگے بڑھی ،

"ظالمو ، اسے چھوڑ دو ، میرے بھائی کو چھوڑ دو ، اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو مجھے بھی بھی گرفتار کر لو ! "

جیمس نے ایک قہقہہ لگاتے ہوئے کہا ،

"یہی تو ہمارا بھی فیصلہ تھا ، بھلا ہم تمہیں یہاں چھوڑ کر جا سکتے تھے ؟ ——— تمہارے بغیر زندگی کا مزہ کیا تھا ! ——— سپاہیو اسے بھی گرفتار کر لو ! "

کلثوم بہت تڑپی ، پھڑکی ، لیکن اتنے سپاہیوں کا مقابلہ کیا کرتی ، وہ بھی گرفتار ہو گئی ،

اتنے میں ایک تیر آ کر جیمس کے سینہ میں لگا ، اور ترازو ہو گیا ، وہ ماہیٔ بے آب کی طرح زمین پر گر کر تڑپنے لگا ، اور بہت جلد ٹھنڈا ہو گیا ، اب سپاہیوں کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ تھی مجرم ——— ابراہیم ——— سامنے کھڑا تھا ، ایک سپاہی نے بڑھ کر اس کا سر قلم کر دیا ، عائشہ چیخی ،

اور کہا۔

"آیئے میرے ساتھ، اس گھر کا کونہ کونہ میں آپ کو دکھا دوں گی، جو چیز آپ کو پسند آئے وہ شوق سے لے جایئے!"

جمیس مسکرانے لگا

"خاتون آپ کی باتوں نے میرا دل جیت لیا!"

عائشہ نے بڑی مشکل سے اپنے غصہ کو ضبط کرتے ہوئے کہا،

"آپ سپاہی ہیں، اور سپاہی بہادر ہوتا ہے، آپ ان سپاہیوں کے سردار ہیں اور سردار کو زیادہ باوقار ہونا چاہیئے، ایسی چھچھوری باتیں کر کے اپنی بے وقعتی نہ کیجئے، آپ جس لئے آئے ہیں وہ کام کیجئے اور تشریف لے جایئے ——————

کلثوم کنجیاں لاؤ!"

عائشہ کی باتوں سے جمیس ذرا بھی متاثر نہ ہوا، وہ بدستور شریر اور حریص نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ اتنے میں کلثوم کنجیوں کا گچھا لے کر آ گئی، جمیس نے ایک مرتبہ سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیا، پھر عائشہ سے پوچھا،

"یہ کون ہیں؟"

عائشہ نے دانتوں تلے ہونٹ دبا کر کانپتے ہوئے کہا،

"میری بہن —————— آپ کے قیدی کی بہن؟"

جمیس گویا ہوا،

"یک نہ شد دو شد، یہ آپ کی بہن بھی آپ ہی کی طرح لاجواب ہے، بہت خوب، یہاں تو ایں خانہ تمام آفتاب است کا تماشہ نظر آ رہا ہے۔"

پھر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا، اس نے عمار سے کہا،

"اے غلام ادھر آؤ!"

عمار مسکین صورت بنا کے اس کے سامنے آیا، اور ایک مؤدب غلام کی طرح سر جھکا کر کھڑا ہو گیا، پھر گویا ہوا،

"میرے حضور، میرے سرکار، میرے آقا!"

ریمنڈ اس جواب سے خوش ہو گیا۔

"تم بڑے سمجھدار آدمی معلوم ہوتے ہو،!"

عمار نے کہا،

"میں غلام ہوں ——— پہلے ان (راشحق کی طرف اشارہ کر کے) کا غلام تھا اب آپ کا ہوں، جو حکم ملے گا، بسر و چشم اس کی تعمیل کروں گا"

ریمنڈ نے خوش ہو کر اس کی پیٹھ تھپکی اور کہا،

"ہم اس گھر کی تلاشی لینا چاہتے ہیں!"

عمار نے آمادگی کے ساتھ کہا،

"ضرور لیجئے!"

ریمنڈ نے اس وفادار غلام کی وفاداری سے متاثر ہو کر پُر اعتماد لہجہ میں پوچھا،

"کیا یہاں کوئی خزانہ ہے؟"

عمار نے قدرے تامل کے بعد کہا۔

"یہ سوال اگر آپ مجھ سے نہ کرتے تو اچھا تھا!"

ریمنڈ کی تیوری چڑھ گئی، اس نے پوچھا،

"ابراہیم ——— میرا بھائی!"

کلثوم کے حلق سے نالۂ جگر دوز نکلا،

"میرا ابراہیم!"

امّ سلیم بدستور بیہوش پڑی تھی، رقیہ اور زینب پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں،

اسحٰق نے کہا،

"عائشہ روتی کیوں ہو؟ کلثوم خبردار دشمن کے سامنے کمزوری کا اظہار نہ ہو،

ایک آنسو بھی نہیں نکلنا چاہیئے تمہاری چشم خوں فشاں سے ———!"

عائشہ اور کلثوم نے جلدی جلدی آنسو پونچھ لئے، اسحٰق نے کہا،

"ابراہیم بہادر باپ کا بہادر بیٹا تھا، اس نے وہی کیا جو کرنا چاہیئے تھا، اگر

یہ دغا باز لوگ دھوکے سے مجھے گرفتار نہ کرتے، تو میں ان میں سے بہتوں کو قتل کرکے

گرفتار ہوتا، مجھے ابراہیم پر فخر ہے مجھے ناز ہے کہ وہ میرا بھائی تھا!"

اتنے میں عمار جو کہیں باہر گیا ہوا تھا آیا، یہاں کا منظر دیکھ کر بغیر کسی سے

کچھ پوچھے وہ سب کچھ سمجھ گیا، ان سپاہیوں میں سے ایک نے جو اب جمیس کا قائم مقام

بن چکا تھا، اور جس کا نام ریمنڈ تھا، اسحٰق سے دریافت کیا۔

"یہ کون شخص ہے؟"

اسحٰق نے بتایا،

"ہمارا غلام!"

ریمنڈ اپنی ہنسی نہ ضبط کر سکا، اس نے کہا۔

"غلام کا غلام!"

دیجئے ـــــ !"

ریمنڈ نے ناگواری کے ساتھ پوچھا،

"کیوں کھول دوں ؟"

عمار نے اس فعل کی حکمت بتاتے ہوئے کہا،

"اس لئے کہ راستہ بے حد تنگ اور بے انتہا تاریک ہے، اس طرح یہ چل نہیں سکے گا۔ یہ نہتا ہے، یہ اکیلا ہے، ہم دو ہیں، یہ ہمارا کیا کرلے گا، اس سے اندیشہ بھی کیا ہو سکتا ہے ؛ اور پھر ہمارے پیچھے، اتنے سارے آپ کے سپاہی یہاں اس گھر میں موجود ہیں !"

ان دلائل سے ریمنڈ بالکل مطمئن ہو گیا، اس نے ایک سپاہی سے کہا،

"اس قیدی کی رسیاں کھول دو، !"

اسحٰق، عائشہ، کلثوم سب حیرت سے عمار کی باتیں سن رہے تھے، اور دم بخود تھے اسحٰق کی رسیاں کھل گئیں، عمار نے بڑے ادب کے ساتھ اسحٰق کو مخاطب کیا،

"آیئے تشریف لایئے میرے آقا !"

آگے آگے عمار، اس کے پیچھے اسحٰق، اس کے پیچھے ریمنڈ!

یہ تینوں اس کمرہ میں پہنچے، جہاں اسحٰق رہا کرتا تھا، یہ کمرہ اچھا خاصا اسلحہ خانہ تھا، ڈھال، تلوار، تیر، ترکش، نیزہ برچھا، خنجر سب چیزیں قرینہ اور سلیقہ سے سجا رکھی تھیں، جیسے کوئی عجائب خانہ ہو، اندر داخل ہوتے وقت عمار نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا، اور اب اطمینان سے دیوار کے مختلف حصے ٹھونک ٹھونک کر دیکھ رہا تھا، جیسے یہیں کہیں تہ خانہ کا دروازہ پوشیدہ ہے، لیکن یاد نہیں آ رہا ہے !

"کیوں؟ ——— اس سوال کا جواب دینے میں تامل کیوں ہے!"

عمار نے بڑے غلامانہ انداز میں کہا،

"خزانہ ہے ——— لیکن ———"

ریمنڈ نے بے تاب ہو کر دریافت کیا،

"لیکن کیا؟"

عمار نے سر کھجاتے ہوئے کہا،

"خزانہ ہے، لیکن اس خزانہ کا حال اس گھر میں صرف دو آدمی جانتے ہیں، ایک یہ لڑکا جسے آپ کے کسی سورما نے قتل کر دیا، دوسرا یہ میرا سابق آقا، جو رسن بستہ اور پابجولاں کھڑا ہے!"

اس انکشاف سے ریمنڈ خوش ہو گیا،

"شاباش تم بڑے کام کے آدمی ہو، تو چلو، لے چلو ہمیں!"

عمار نے آمادگی کے ساتھ کہا،

"چلیے ——— لیکن میں صرف اس تہ خانہ کا راستہ جانتا ہوں، جہاں خزانہ موجود ہے، لیکن وہ خزانہ کہاں ہے؛ کتنا ہے، اس کا حال آپ کا قیدی اور میرا سابق آقا ہی بتا سکے گا!"

ریمنڈ پر اس وقت نشہ سا چھایا ہوا تھا،

"اسے بھی لے چلتے ہیں!"

عمار نے عرض کیا،

"جی ہاں میرا مدعا یہی تھا ——— لیکن اس کے ہاتھ پاؤں کھول

کو تو ڈھیر کر دیں گے، جب تک ہمارے ہاتھ شل نہ ہو جائیں، یا اپنی جانیں نہ دے دیں ——— !"

اسحاق نے جلدی سے تلوار اٹھائی اور کہا،

"عمار یہی حال میرا بھی تھا، ان کمبختوں نے دھوکا دے کر ہمیں گرفتار کیا، اگر میں نہ ہوتا تو کئی کو وہیں ڈھیر کر چکا ہوتا، ———"

دروازہ پر شور بڑھ رہا تھا، !

اسحاق تلوار سونتے دروازے کے پاس گیا، اس نے دروازہ کھولا، سپاہیوں کا ہجوم اسے شمشیر بدست دیکھ کر، اس کی خون آشام آنکھیں دیکھ کر گھبرا گیا، اور دہشت زدہ ہو کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا، اسحاق کو اطمینان سے نکل آنے کا موقعہ مل گیا، اس نے کہا۔

"بزدلو ——— اب مجھے گرفتار کرو تو جانوں، !"

اور یہ کہہ کر وہ تلوار لے کر چل پڑا، پہلے ہی حملہ میں اس نے دو آدمی کاٹ کر رکھ دیئے، عمار اس کی پشت پناہی کر رہا تھا، عمار اور اسحاق کو لڑتا دیکھ کر کمسن اسماعیل بھی تلوار لے کر نکل پڑا، اور بہادری کے جوہر دکھانے لگا، عائشہ اور کلثوم، رقیہ اور زینب وحشت، حیرت اور استعجاب کے ساتھ یہ ہولناک منظر دیکھ رہی تھیں

یہ صرف تین تھے اور وہ پچاس ساٹھ پھر بھی ان کے دس پندرہ آدمی قتل کرنے کے بعد ان بہادروں نے جام شہادت نوش کیا، سب سے پہلے اسماعیل نے، پھر عمار نے، اور پھر ——— اسحاق نے، !

ریمنڈ نے کہا۔

"غلام ——— تم یہ کیا کر رہے ہو؟ ——— کہاں ہے تمہارا

خزانہ اور تہ خانہ!؟"

عمار نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"یہیں ہے، آپ پریشان نہ ہوں!"

یہ کہہ کر اس نے دیوار سے چپکے ہوئے ایک خنجر پر ہاتھ ڈالا، ریمنڈ اسے غور

سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہو تم غلام ——— کیا ارادہ ہے تمہارا؟"

عمار نے نہایت اطمینان سے کہا،

"بہت نیک ارادہ ہے"

پھر وہ باواز بلند گویا ہوا،

"تجھے ذبح کروں گا!"

اور پھر بجلی کی طرح اس کا خنجر چمکا، اور ریمنڈ ایک آہ کر کے زمین پر خون میں نہاتا

ہوا گر گیا، اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جہنم واصل ہو گیا،

اب کافی دیر ہو چکی تھی اور باہر سے دروازہ پیٹا جا رہا تھا، یہ دروازہ پیٹنے والے

ریمنڈ کے سپاہی تھے،

عمار نے کہا،

میرے آقا، اب زندہ رہنے کا وقت نہیں، بہادری سے مرجانے کا وقت آگیا

ہے تلوار اٹھایئے، ہم آپ دونوں باہر نکلتے ہیں، پہلے ہی وار میں انشاءاللہ دشمن کا زور

ریجی نالڈ نے ان سپاہیوں میں سے ایک کو مخاطب کرتے ہوئے کہا،

"رابرٹ جمیس کہاں ہے؟ ریمنڈ کہاں ہے؟ اور وہ قیدی کہاں ہے؟ یہ عورتیں کیسی ہیں؟"

رابرٹ نے ادب سے سر جھکایا اور عرض کیا،

"میرے آقا جمیس آپ پر قربان ہو گیا، ــــــــــ"

ریجی نالڈ نے برہمی کے ساتھ پوچھا:۔

"کیا مطلب؟ ــــــــــ کیا راستے میں مسلمان سپاہیوں سے صلاح الدین کے لشکر سے مڈبھیڑ ہو گئی ــــــــــ؟"

رابرٹ نے کہا

"نہیں آقائے نامدار ــــــــــ اسحٰق نے ہمارے ساتھ غداری کی، اس نے جمیس کو مار ڈالا۔"

اب تو ریجی نالڈ کا غصہ ضبط سے باہر ہو گیا،

"اور ریمنڈ؟"

رابرٹ نے کہا،

"میرے آقا وہ بھی آپ پر قربان ہو گیا!"

ریجی نالڈ اٹھ کھڑا ہوا، تلوار میان سے نکال لی، اور رابرٹ کے سر پر جا پہنچا

"آقا کے بچے، آخر ان دونوں سرداروں کو، جن پر مجھے فخر تھا، اکیلے قیدی نے کس طرح مارا؟"

ریجی نالڈ کے سامنے

وہ گھر جو ابھی کچھ دیر پہلے آباد تھا، جہاں انسانوں کے قہقہے لبتے اور زندگیاں مچلتی تھیں، اب وہ میدان جنگ کا ایک گوشہ معلوم ہو رہا تھا، جہاں لاشیں بکھری پڑی تھیں، یہ جواں مرگ اسحٰق تھا، یہ نوخیز اور نو عمر ابراہیم تھا، یہ کم سن اسمٰعیل تھا، جو زندگی کی بہار دیکھنے سے پہلے اس دنیا سے رخصت ہو گیا، یہ بوڑھا عمار تھا، جو مرتے مرتے مر گیا، لیکن تلوار اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹی، اور جو بوڑھا اور ضعیف ہونے کے باوجود اتنا جیالا تھا کہ کتنی کو مار کے مرا، یہ ریمنڈ تھا جس کی لاش ٹکڑے ٹکڑے پڑی تھی۔ یہ جیمس تھا جس کا تکبر دم توڑ چکا تھا، یہ کئی عیسائی سپاہی تھے، جو اس کشمکش میں تیر قضا کا نشانہ بنے، گھر کا صحن سرخ، اور تازہ خون کے جمے ہوئے چکتوں سے پٹا پڑا تھا۔

سپاہی ام سلیم، عائشہ، کلثوم۔ رقیہ اور زینب کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔ ریجی نالڈ منتظر تھا کہ اسحٰق کے ساتھ دولت بے حساب لے کر جیمس آئے گا، لیکن جیمس تھا نہ ریمنڈ ——— نہ اسحٰق، البتہ کچھ عورتیں ضرور تھیں،

تمہارے دو سرداروں کو ہلاک کر دیا۔ تمہارے دس پندرہ آدمیوں کو قتل کر دیا،
شرم سے کہیں روپوش ہونے کے بجائے اپنی بزدلی کی داد لینے آئے ہو مجھ سے؟

——— تم مسلمانوں سے کیا لڑو گے، تم صلاح الدین کے لشکر کا مقابلہ کیا کرو گے؟ شاید حریف کو دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہو گے، شاید حریف کا سامنا کرنے کی جرأت ہی نہ کر سکو گے، شاید بغیر اس کے مقابلہ کے اس کے سامنے ہتھیار پھینک دو گے، اور ہاتھ بڑھا دو گے کہ وہ ہتھکڑیاں ڈال کر تمہیں گرفتار کر لے۔ ———

——— ہٹ جاؤ میرے سامنے سے، میں تمہارا منہ بھی دیکھنا نہیں چاہتا!

پھر دفعتہً اس کی نظر عائشہ اور کلثوم پر پڑی، اس نے رابرٹ سے پوچھا،

"کیا یہ لڑکیاں ——— رابرٹ نے عرض کیا،

"جی ہاں، دشمن کے گھر سے دولت نہیں ملی، زر و جواہر نہیں ملا، خزانہ اور دفینہ نہیں ملا، لیکن یہ مال ملا ہے، اور میں اسے بڑی احتیاط سے لایا ہوں کہ آقائے نامدار کے حضور میں پیش کر دوں گا!"

ریجی نالڈ نے نگاہِ غور سے عائشہ کو دیکھا، اور مسکرایا، ———

"رابرٹ یہ لڑکی ہمارے زخم کا مرہم ثابت ہوئی، تم نے قابلِ انعام کام کیا ہے، تم نے ہمارے دل سے جیمس کا داغ جدائی مٹا دیا، ریمنڈ کی مرگِ ناگہاں کا صدمہ کم کر دیا! تم نے ہمارے دل کو زخمی کیا، لیکن اس پر مرہم بھی رکھ دیا، ہم تم سے خوش ہیں، ہم تمہیں انعام دیں گے،!"

پھر وہ عائشہ سے مخاطب ہوا،

"کیا نام ہے تمہارا لڑکی؟"

رابرٹ نے ساری داستان سنا دی، ترجی نالڈ اپنی بوٹیاں نوچنے لگا،

"وہ قیدی اتنا جیالا تھا؛ اور اس کے دونوں چھوٹے بھائی بھی اور بوڑھا غلام بھی، ——— ان لوگوں نے جیمس کو مار ڈالا ریمنڈ کو ہلاک کر دیا، تمہارے کئی سپاہیوں کا خون پی لیا تمہیں زخمی کر دیا، تمہارے کئی ساتھیوں کے چرکے لگائے، اور تم لوگ اتنی بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود کچھ نہ کر سکے؟"

رابرٹ نے صفائی دیتے ہوئے کہا،

"آقائے نامدار ہمارے ساتھ فریب کیا گیا، جیمس کو دھوکے سے تیر مارا گیا ریمنڈ کو کمرہ میں لے جا کر قتل کر دیا گیا، پھر وہ قیدی اور اس کا بوڑھا غلام تلوار سونت کر نکل پڑے اور چشم زدن میں کئی آدمیوں کو انہوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا

ترجی نالڈ چلایا

"خاموش ——— بزدل، اس طرح یہ داستان بیان کر رہا ہے، جیسے کوئی عرب شاعر اپنے ممدوح کی شان میں قصیدہ پڑھ رہا ہو، اگر تم میں غیرت ہوتی تو تم بھی کٹ مرتے!"

رابرٹ نے شان جتاتے ہوئے کہا

"جب ہم سنبھلے تو آن کی آن میں دشمن کا خاتمہ کر دیا!"

(ترجی نالڈ نے غصہ سے یہی الفاظ دہرائے)

"دشمن کا خاتمہ کر دیا، یہ کریں گے دشمن کا خاتمہ! ——— نکمے بزدل ایک بوڑھے، ایک جوان، دو بچوں نے تم ساٹھ ستر آدمیوں کا قافیہ تنگ کر دیا

" تو عالیجاہ اس کا بھی کوئی خوبصورت سا نام رکھ دیجئے، آقائے نامدار، اگر اسے جیسمین (یاسمین - چنبیلی) کہا جائے تو مناسب ہو گا"

رنجی ناالڈ نے یہ نام پسند کیا،

"ہاں رابرٹ اس کا نام جیسمین ٹھیک ہے، ہم تمہاری حاضر دماغی اور خوش ذوقی کی داد دیتے ہیں!"

رابرٹ پھر رکوع میں جھک گیا،

"بندہ نوازی ہے آقائے نامدار کی"

رنجی ناالڈ ٹہلنے لگا، وہ بار بار عائشہ کے پاس آکر رک جاتا تھا، ذرا کے ذرا کھڑا رہ کر پھر ٹہلنا شروع کر دیتا تھا، ایک مرتبہ وہ آکر بالکل اس کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہا،

"کہو لڑکی، تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟"

عائشہ نے بیتابی کے ساتھ جواب دیا!

"کیا غلامی سے بڑھ کر بھی کوئی تکلیف ہو سکتی ہے؟"

رنجی ناالڈ:- غلامی ———— ؟

عائشہ:- آپ کا یہ بزدل سردار ہمیں غلام بنا کر لایا ہے، حالانکہ ہم آزاد پیدا ہوئے تھے، ہمیں آزاد ماں نے جنا تھا، ہم ایک آزاد قوم کے فرد ہیں ———— !

رنجی ناالڈ:- رابرٹ،

رابرٹ:- عالیجاہ،

رنجی ناالڈ:- تم اس لڑکی کے پیچھے ہو،

عائشہ نے کوئی جواب نہیں دیا، رابرٹ نے کہا،

"لڑکی اپنا نام بتاؤ!"

وہ برہمی کے انداز میں بولی،

"نہیں بتاؤں گی، میرا کوئی نام نہیں ہے!"

رچی نالڈ ہنسنے لگا،

"اگر تم نام نہ بتاؤ گی تو ہم تمہارا ایک خوبصورت سا نام رکھ لیں گے، اتنا ہی خوب صورت جتنی تم ہو ——— کیوں رابرٹ؟"

رابرٹ نے ادب سے سر جھکا کر عرض کیا،

"بے شک آقائے نامدار" رچی نالڈ نے مسکراتے ہوئے کہا،

"تو پھر اس کا نام روز (گلاب کا پھول) کیسا رہے گا؟"

رابرٹ پھڑک گیا،

"بہت اچھا، بہت عمدہ، بہت خوبصورت، اس سے بہتر کوئی اور نام ہو ہی نہیں سکتا تھا ——— لڑکی آج سے تمہارا نام روز ہے!"

عائشہ نے نفرت اور حقارت کی نگاہ سے اسے دیکھا، اور خاموش ہو رہی

رچی نالڈ اب کلثوم سے مخاطب ہوا،

"تمہارا نام؟"

کلثوم بھی خاموش رہی، رچی نالڈ کھلکھلا کر ہنس پڑا، اور رابرٹ سے کہنے لگا

"یہ بھی اپنا نام نہیں بتائے گی!"

رابرٹ نے قدرے شوخ انداز میں کہا،

"تلوار میرے ہاتھ میں دیجئے، پھر بتاؤں گی ——— !"

تریچی نالڈ چونک پڑا،

"تلوار ——— ؟ تلوار لے کر تم کیا کرو گی ؟"

عائشہ نے بیباکی کے ساتھ کہا،

"اس شیطان کی گردن اڑا دوں گی !"

تریچی نالڈ نے پھر ایک قہقہہ لگایا،

"تم اسے مار ڈالو گی ؟ معافی کی یہ شرط ہے ؟"

عائشہ نے کہا،

"صرف یہی" !

تریچی نالڈ نے فیصلہ کن نظروں سے رابرٹ کی طرف دیکھا،

"رابرٹ تیار ہو جاؤ - رابرٹ تم مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ مس روز تمہیں قتل کریں گی، اور تمہیں قتل ہونا پڑے گا - انہوں نے ہماری سفارش نامنظور کر دی، ان کا فیصلہ بہر حال عمل میں لایا جائے گا !"

"رابرٹ کا یہ عالم تھا کہ اس کا خون سوکھ گیا تھا، اس نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا

"میرے آقا !"

تریچی نالڈ تیوری چڑھا کر بولا،

"ہم کچھ نہیں کر سکتے، تم مجرم ہو، تم نے مس روز کا دل دکھایا ہے، انہیں حق ہے کہ تمہیں قتل کر دیں !"

پھر اس نے اپنی تلوار میان سے نکالی اور عائشہ کی طرف بڑھا دی،

رابرٹ :- عالیجاہ،

رچی نالڈ :- تم مس روز کو غلام بنا کر لائے ہو؟

رابرٹ :- نہیں میرے آقا، اگر آپ کی نگاہ التفات سے وہ شرف یاب ہیں تو وہ ہماری سرتاج ہیں، ہم ان کے سامنے سر جھکا دینگے!

رچی نالڈ :- تو انتظار کاہے کا ہے جھکاؤ،

رابرٹ واقعی ایک بندۂ کمترین کی طرح عائشہ کے سامنے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا،

رچی نالڈ نے قہقہہ لگایا اور کہا

وہ مس روز ہمس روز اسے معاف کر دو ——— ہم سفارش کرتے ہیں!

عائشہ نے نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا،

"اسے معاف کر دوں؟"

رچی نالڈ نے تائید کی،

"ہاں اسے معاف کر دو بخش دو، ہم سفارش کرتے ہیں!"

عائشہ بولی،

"اس شخص کو معاف کر دوں، جو میرے بھائی کا قاتل ہے؛ جس نے میرے چھوٹے بھائیوں کے خون میں حصہ لیا؛ جس نے میرے گھر کو بے گناہوں کے خون سے لالہ زار بنا دیا؛ ہاں میں اسے معاف کر سکتی ہوں ایک شرط سے!"

رچی نالڈ نے پُر اشتیاق لہجہ میں کہا

"بتاؤ وہ کیا شرط ہے؟"

عائشہ نے کہا۔

تلوار کا کھیل

ریجی نالڈ عجیب و غریب خصلت کا انسان تھا، ظالم مغرور، بادہ مارغ، بدعہد، بدسیرت بدکردار، وہ دنیا میں سب سے بلند و برتر اپنے آپ کو سمجھتا تھا، وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا، اپنے معاصر عیسائی حکمرانوں کو بھی نہیں، شاہ یروشلم، بالڈون نے جب صلح کا رواں کو لوٹ لینے کے بعد ولیم کی سربراہی میں سفارت بھیجی تھی، تو ریجی نالڈ نے اس کا مذاق اڑایا تھا، اور ذلیل کر کے چلتا کر دیا تھا، مسلمانوں کے نام کا دشمن تھا، اور سلطان صلاح الدین سے تو بے حد برافروختہ تھا، مسلمانوں کے مقامات مقدسہ سے اتنا متنفر تھا کہ بس چلتا تو سب کو (نعوذ باللہ) زمین کے برابر کر دیتا، چنانچہ اس نے مدینہ منورہ پر دھاوا کرنے کے لئے ہر طرح کے ساز و سامان سے آراستہ ایک بڑا لشکر روانہ کر رکھا تھا، بدعہدی اس کی سرشت تھی، عیسائی مورخین اس کی اس طینت سے حد درجہ نالاں اور شرمندہ نظر آتے ہیں، لاکھ بات بنانا چاہتے ہیں مگر نہیں بنا پاتے ظلم اور عیاشی اس کی زندگی کا بہترین شغلہ تھا، وہ جنگی قیدیوں کو صرف لوٹ لینے پر اکتفا نہیں کرتا تھا، بلکہ ان کے مردوں کو غلام اور عورتوں کو باندی بنا لیا کرتا تھا، حسب ضرورت غلاموں اور باندیوں کو اپنے پاس رکھتا باقیوں کو فروخت کر دیتا، یا اپنے ہی جیسے

تلوار کا کھیل

ریجی نالڈ عجیب و غریب خصلت کا انسان تھا، ظالم مغرور، بدنہاد، بد عہد، بد سیرت بدکردار، وہ دنیا میں سب سے بلند و برتر اپنے آپ کو سمجھتا تھا، وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا، اپنے معاصر عیسائی حکمرانوں کو بھی نہیں، شاہ یروشلم، بالڈون نے جب مسلح کارواں کو لوٹ لینے کے بعد ولیم کی سربراہی میں سفارت بھیجی تھی، تو ریجی نالڈ نے اس کا مذاق اڑایا تھا، اور ذلیل کر کے چلتا کر دیا تھا، مسلمانوں کے نام کا دشمن تھا، اور سلطان صلاح الدین سے تو بے حد برافروختہ تھا، مسلمانوں کے مقامات مقدسہ سے اتنا متنفر تھا کہ بس چلتا تو سب کو (نعوذ باللہ) زمین کے برابر کر دیتا، چنانچہ اس نے مدینہ منورہ پر دھاوا کرنے کے لئے ہر طرح کے سازو سامان سے آراستہ ایک بڑا لشکر روانہ کر رکھا تھا، بد عہدی اس کی سرشت تھی، عیسائی مورخین اس کی اس طبیعت سے حد درجہ نالاں اور شرمندہ نظر آتے ہیں، لاکھ بات بنانا چاہتے ہیں مگر نہیں بنا پاتے ظلم اور عیاشی اس کی زندگی کا بہترین مشغلہ تھا، وہ جنگی قیدیوں کو صرف لوٹ لینے پر اکتفا نہیں کرتا تھا، بلکہ ان کے مردوں کو غلام اور عورتوں کو باندی بنا لیا کرتا تھا، حسب ضرورت غلاموں اور باندیوں کو اپنے پاس رکھتا باقیوں کو فروخت کر دیتا، یا اپنے ہی جیسے

رابرٹ عائشہ کے قدموں پر گر پڑا، عائشہ نے اس کے سر پر ایک ٹھوکر لگائی اور کہا،

"تجھے قتل کرنا تلوار کی توہین ہے!"

زیجی نالڈ پھر ہنس پڑا، اس نے رابرٹ کے ایک ٹھوکر لگائی اور کہا،

"دور ہو جاؤ یہاں سے!"

رابرٹ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا،

رابرٹ کے جانے کے بعد زیجی نالڈ نے عائشہ سے کہا۔

"یہ محل تمہارا ہے، یہ قلعہ تمہارا ہے، ہم تمہارے ہیں، یہاں کی ہر چیز تمہاری ہے تم یہاں اسی طرح رہو، جیسے یہاں کی مالک ہو، یہاں کی مختار ہو، کوئی تمہارے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا، کوئی تمہارے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا؛ ——

اتنے میں رابرٹ پھر آکر سامنے کھڑا ہو گیا، اس نے پوچھا۔

"باقی قیدیوں کے لئے کیا حکم ہے؛

زیجی نالڈ نے کہا

"کل ہمارے سامنے دربار میں وہ پیش کئے جائیں!

"کیا تم لوگ رہا ہونا چاہتے ہو؟"

سب نے بیک آواز کہا،

"ہاں ———— ہمیں دھوکہ دے کر گرفتار کیا گیا ہے ہم معاہدۂ امن پر یقین رکھتے تھے، اسی لئے غیر مسلح تھے، !"

یوجی نالڈ ہنس پڑا،

"معاہدۂ امن، ! ———— تم ردی کے کاغذ پر یقین رکھتے تھے؟ ایسے احمق لوگوں کا یہی حشر ہونا چاہیئے تھا، جو تمہارا ہوا ———— خیر اگر رہا ہونا چاہتے ہو تو سن لو، تمہیں فی کس ایک ایک ہزار اشرفی دینے کے بعد رہائی مل سکتی ہے،"

ان لوگوں نے کہا اب ہم کہاں سے کچھ دے سکتے ہیں؟ ہمارے پاس جو کچھ تھا، وہ تو آپ نے لوٹ لیا، ہم تو اب محتاج ہیں، بھلا کوئی محتاج بھی اتنی بڑی رقم دے سکتا ہے، !؟

یوجی نالڈ ان لوگوں کی باتیں توجہ سے سن رہا تھا، پھر اس نے تیوری پر بل ڈال کر کہا،

"اگر تم روپیہ نہیں دے سکتے تو تمہیں غلام بننا پڑے گا، تم میں سے جو مضبوط اور توانا لوگ ہوں گے وہ ہمارے اس قلعہ میں غلامو ںکی زندگی بسر کریں گے، جو کمزور اور ناکارہ ہوں گے، وہ کھلے بازار میں فروخت کر دیئے جائیں گے، جو قیمت وصول ہوگی، وہ تاوان کی حیثیت سے ہمارے خزانہ میں داخل کر دی جائے گی، !"

اہل کارواں نے منت اور نرمی کے لہجہ میں کہا،

دوسرے عیسائی حکمرانوں اور امیروں کو تحفہ کے طور پر بخش دیتا، مزاج میں ہلکا پن بہت زیادہ تھا، خوش ہوتا تو بڑی سے بڑی غلطی معاف کر دیتا، خفا ہوتا تو معمولی سی خطا پر گردن تراش لیتا، حسن اس کی سب سے بڑی کمزوری تھی، کوئی حسین چہرہ دیکھ کر وہ اپنے آپ میں نہیں رہتا تھا، عائشہ کو اور کلثوم کو دیکھ کر حواس کھو بیٹھا، حد یہ ہے کہ رابرٹ تک کو قتل کرا دینے پر آمادہ ہو گیا، اسے ذلیل کیا، اور اسے ذلیل ہوتا دیکھ کر خوش ہوا کہ وہ اپنے وفاداروں اور جاں نثاروں کی زندگی سے بھی کھیلتا رہتا تھا، اور آبرو سے بھی، نہ جانے اس کے کتنے سرداد تھے جن کی لڑکیوں، بہنوں اور بیویوں پر اس نے دست تعدّی دراز کیا، اور پروا نہ کی ان کی وفاداری متزلزل ہو جائے گی، یا ان کے دل ٹوٹ جائیں گے،

آج پھر وہ اپنے دربار میں بیٹھا تھا، جس کارواں کا سالار اسحاق تھا، اس کے تمام اسیر پابجولاں اس کے سامنے اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کھڑے تھے، انہیں میں عائشہ، کلثوم، رقیہ، زینب اور ام سلیم بھی تھیں، ان سب کے چہرے اڑے ہوئے تھے، رنگ زرد تھا، حواس پریشان تھے، ام سلیم کو بار بار بے ہوشی کے دورے پڑ رہے تھے، آخر ریجی نالڈ نے برہم ہو کر حکم دیا،

"اس بڑھیا کو لے جاؤ یہاں سے"!

پھر اس نے رقیہ اور زینب کی طرف دیکھا،

"ان دونوں لڑکیوں کو بھی"!

فوراً حکم کی تعمیل ہوئی،

آج ریجی نالڈ پر کل کا سا جوش و خروش طاری نہیں ہوا تھا، آج وہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا، اس نے مسلمان قیدیوں کی طرف دیکھا اور کہا،

ریجی نالڈ نے پوچھا،

"پھر کیا مقصد ہے تمہارا؟"

متاند نے کہا،

"ہم آپ سے رحم کی اپیل کرتے ہیں، درخواست کرتے ہیں ازراہ بندہ پروری ہمیں بخش دیجیے معاف کر دیجیے، رہائی دیں!"

ریجی نالڈ نے طنز کرتے ہوئے کہا،

"تم مسلمان ہو، تمہیں اپنے خدائے یکتا پر بھروسہ ہے، تم اپنے رسول کو رحمۃ العالمین کہتے ہو، میرے بجائے اپنے خدا سے رحم کی بھیک کیوں نہیں مانگتے،

وہ تمہیں اس حال زار میں نہیں دیکھ رہا ہے، یا اس کے رحم کا دریا خشک ہو چکا ہے؟ تم اپنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کیوں نہیں فریاد کرتے؟ کیا ان کی رحمت بھی تمہارا ساتھ نہیں دے گی؟ اگر تمہارے خدا، اور تمہارے رسولؐ نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا ہے، تو پھر مجھ سے بھی کوئی آس نہ رکھو!" (۱)

متاند نے کہا،

"تو پھر اے خونخوار شخص تلوار میرے ہاتھ میں دے، اس کا فیصلہ آخری اور قطعی ہوگا!"

ریجی نالڈ نے رابرٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا،

"تمہاری خواہش پوری ہوگی، تلوار تمہیں ملے گی، لیکن ہاتھ میں نہیں گردن پر!"

(۱) اپنی مشہور تاریخ میں لین پول نے یہ واقعہ خاص طور پر سپرد قلم کیا ہے کہ کاروان تجارت کو لوٹنے کے بعد، ریجی نالڈ نے اسی قسم کا گستاخانہ اور مجنونانہ جواب دیا تھا۔

"آپ بڑے آدمی ہیں، آپ معاہدہ صلح پر دستخط کر چکے ہیں، اپنی بڑائی کا پاس کیجئے، اپنے معاہدہ کا احترام کیجئے!"

ریجی نالڈ کو پھر ہنسی آگئی، وہ گویا ہوا،

"میری بڑائی تمہاری تائید اخلاق کی محتاج نہیں ہے، مجھے میری تلوار نے بڑا بنایا ہے، میں بڑا ہوں اور بڑا رہوں گا، رہا معاہدۂ صلح سو میں کہہ چکا کہ ردی کے ٹکڑوں کی میری نظر میں کوئی وقعت نہیں،!"

اہل کارواں میں سے ایک شخص یعقوب آگے بڑھا، اور اس نے کہا،

"واقعی آپ کی بڑائی آپ کی تلوار ہے، اور ہم اس کے سامنے سر جھکاتے ہیں، لیکن کاش اس کھیل سے ہمیں بھی کھیلنے کا موقعہ ملا ہوتا، شاید پھر ہم بھی اپنی بڑائی ثابت کر سکتے،!"

یہ سنکر ریجی نالڈ تھرا اٹھا اس نے شعلہ بار آنکھوں سے رابرٹ کی طرف دیکھا،

"رابرٹ، ——— اس کھیل کا مزا اس گستاخ کو چکھا دو، —— کیا تمہاری تلوار کند ہو گئی ہے؟"

رابرٹ نے تلوار نکالی، وہ بجلی کی طرح چمکی، اور آن کی آن میں، رسن بستہ اور پا بجولاں یعقوب خاک پر ڈھیر تھا،

اب اہل کارواں میں سے ایک اور شخص متنذر نکلا، ریجی نالڈ نے اسے تیکھی آنکھوں سے دیکھا، اور پوچھا،

"کیا تم بھی تلوار کا کھیل کھیلنا چاہتے ہو؟"

متنذر نے عرض کیا نہیں،

ریجی نالڈ یہ خبر سن کر خوش ہو گیا، اس نے کہا،

"ولسن نے بڑا کام کیا، اسے مطلع کر دو کہ مزید احکام و ہدایات کی ضرورت نہیں۔ وہ آگے بڑھتا ہے، یہاں تک مدینہ میں داخل ہو جائے، اور پھر وہی کرے جو اسے کرنا چاہیئے!"

رابرٹ نے سر تسلیم خم کر دیا۔ وہ باہر جانا ہی چاہتا تھا کہ ریجی نالڈ نے کہا،

"رابرٹ تم نے یہ خوش خبری سنا کر ہمیں بہت مسرور کیا!"

رابرٹ نے عجز اور فروتنی کے ساتھ گردن جھکا لی اور عرض کی،

"آقا کو خوش دیکھنا، غلام کی سب سے بڑی سعادت ہے۔"

ریجی نالڈ نے شاہانہ انداز میں کہا،

"ہم تمہیں انعام دینا چاہتے ہیں!"

رابرٹ نے عرض کیا،

"میری یہ زندگی، ہی آقائے نامدار کا انعام ہے، اس سے زیادہ کی ہوس کیا کروں؟"

ریجی نالڈ نے شفقت اور نوازش کی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا،

"نہیں کچھ اور بھی ——— جو تم مانگو ——— بتاؤ کیا چاہتے ہو؟ ہم تمہاری ہر خواہش پوری کریں گے!"

رابرٹ نے کلثوم کی طرف دیکھا اور نظر جھکا لی،

ریجی نالڈ ہنسنے لگا، اس نے کہا،

"ہم سمجھ گئے، تمہیں یہ لڑکی پسند ہے، اتوق سے لے جاؤ اسے بس ——— اور ہاں آؤ ہم تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں ——— لیکن آج نہیں کل صبح اسی وقت یہیں!"

دربار برخاست ہو گیا!"

اتنی دیر میں رابرٹ کی تلوار اپنا کام کر چکی تھی، اور وہ بھی یعقوب کے پہلو میں ہمیشگی کی نیند سو چکا تھا، !

ریجی نالڈ نے پھر قیدیوں پر ایک نظر ڈالی،

"کوئی اور بھی کچھ کہنا اور دیکھنا چاہتا ہے ؟"

کسی نے جواب نہیں دیا، ریجی نالڈ ہنسنے لگا،

"اگر ان میں سے کوئی زرِ فدیہ نہیں دے سکتا تو سب کو غلام بنا لو ——— !"

رابرٹ نے اپنے پہلو میں کھڑے ہوئے ایک شخص کی طرف دیکھا، اس نے بقیہ قیدیوں کو بھیڑ بکری کے گلے کی طرح ہنکاتا لے گیا،

اب رابرٹ آگے بڑھا اور اس نے کہا،

"میرے آقا میں ایک خوش خبری سنانا چاہتا ہوں، میرا ارادہ سب سے پہلے اسی کو گوش گزار کرنے کا تھا، لیکن یعقوب اور منذر کی گستاخانہ باتوں کے باعث مجھے موقع نہ ملا، اب کہ یہ دونوں اپنے کیفر کردار کو پہنچ چکے ہیں، اور دوسرے مسلمان قیدیوں کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے، میں اسے عرض کر دینا چاہتا ہوں، !"

ریجی نالڈ نے آمادگی کے ساتھ کہا،

"ضرور عرض کرو ——— کیا ہے وہ خوش خبری ؟"

رابرٹ نے کہا، "ولسن کی سربراہی میں جو فوج مسلمانوں کے متبرک مقام مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجی گئی تھی، وہ اب صرف ایک دن کے فاصلہ پر رہ گئی ہے۔ ولسن حضورِ والا کے احکام و ہدایات کا منتظر ہے ؟"

۱؎ ینبع پول۔

یہودی بھی اور عیسائی بھی لیکن اس کی بات ہی اور تھی ؛

اس نے رابرٹ سے پوچھا ،

"یہ کون لڑکی ہے ؟"

رابرٹ نے بے پروائی سے کہا ،

"کسی وقت اسی سے پوچھ لینا ——— اس وقت تو مجھے اس سے کچھ بے حد ضروری باتیں کرنا ہیں !"

اس کا مطلب یہ تھا کہ سارہ کو کمرہ سے باہر نکل آنا چاہیے ، اس نے تیکھی نظروں سے رابرٹ کو دیکھا ، اور چپ چاپ باہر چلی گئی ،

سارہ کے جانے کے بعد رابرٹ نے کلثوم سے کہا ۔

"بیٹھ جاؤ کلثوم ——— یہ کرسی سامنے پڑی ہے !"

کلثوم نے کوئی جواب نہیں دیا ، کرسی پر بیٹھ گئی ،

رابرٹ نے اسے گھور کر دیکھا ، اس کی نگاہ میں حرص بھی تھی ، ہوس بھی ، شرارت بھی اور بدمعاشی بھی ، اس نگاہ کو دیکھ کر کلثوم دل ہی دل میں لرز گئی ، دہشت سے اس کا چہرہ سفید پڑ گیا ، رابرٹ نے کہا ،

"کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم کچھ صاف صاف باتیں کر لیں ؟"

کلثوم نے جواب دیا ۔

"مجھے نہیں معلوم آپ کس طرح کی گفتگو کرنا چاہتے ہیں ، بہر حال جہاں تک سننے کا تعلق ہے اور جہاں تک جواب کا تعلق ہے مناسب ہوا تو جواب بھی دوں گی ، خواہ وہ آپ کو پسند آئے یا ناپسند !"

کلثوم رابرٹ کے گھر

رابرٹ جوشِ مسرت سے بے تاب کلثوم کو لے کر اپنے گھر پہنچا، یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا لیکن حد درجہ آراستہ پیراستہ اس گھر میں صرف رابرٹ کی ایک بیوہ اور عمر رسیدہ بہن رہتی تھی، ماں باپ مر چکے تھے، شادی ابھی ہوئی نہیں تھی، بہن کا نام سارہ تھا، وہی اس گھر کی منتظم تھی۔

رابرٹ کلثوم کو لے کر گھر پہنچا، وہ اس وقت جوشِ مسرت سے بے قابو ہوا جا رہا راستہ بھر اس نے کوئی گفتگو نہیں کی تھی، اب وہ اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ دینا چاہتا تھا، اُسے لے کر وہ اپنے کمرہ میں پہنچا، سارہ کمرہ ٹھیک کر رہی تھی، وہ کلثوم کو دیکھ کر چونکی، اس لئے نہیں کہ ایک اجنبی عورت اس کے ساتھ آئی تھی، وہ تو آتی ہی رہتی تھیں، اس لئے بھی نہیں کہ یہ ایک مسلمان لڑکی تھی، وہ کئی مرتبہ مجبور اور بے کس مسلمان لڑکیوں کو گرفتار کرکے لایا، اور انہیں ہدفِ ہوس بنایا، حیرت صرف اس پر تھی کہ ایسی چندے آفتاب چندے ماہتاب لڑکی اس ظالم کے ہاتھ کہاں سے آگئی ؟ سارہ نے اپنی زندگی میں بہت سی لڑکیوں کو دیکھا تھا، یہ مسلمان بھی تھیں

کلثوم :- اگر آپ اس کے مستحق ثابت ہوتے، تو یقیناً بے تکلف اور بے تامّل، میں محبت کا اعتراف بھی کر لیتی،

رابرٹ :- (حیرت سے) تم مجھ سے محبت کا اعتراف کر لیتیں ؛

کلثوم :- کیوں کیا ہوا ؛

رابرٹ :- ایک عیسائی سے محبت کا اعتراف کر لیتیں !

کلثوم :- محبت کوئی مذہب نہیں رکھتی، وہ کسی سماج کی پابند نہیں ہے ——— اور ایک عورت کا اوڑھنا بچھونا صرف محبت ہے، بغیر محبت کے وہ زندہ نہیں رہ سکتی، وہ صرف محبت ہی کے لئے زندہ رہتی ہے، محبت ہی اس کی زندگی ہے۔

رابرٹ :- تو کلثوم میں پوچھتا ہوں، کیا تم مجھ سے محبت کر سکتی ہو ؛

کلثوم :- مجھے اس کی پروا نہیں ہے کہ آپ کا مذہب کیا ہے ؛

ہاں، یہ ضرور دیکھنا چاہتی ہوں کہ آپ انسان ہیں یا نہیں ؟ اگر آپ انسان نہیں ہیں تو مسلمان ہوتے تو بھی میری محبت نہیں جیت سکتے تھے، اور اگر انسان ہیں تو عیسائی، یہودی، غیر مسلم ہوتے ہوئے بھی میری محبت جیت سکتے ہیں !

رابرٹ :- (حیران ہو کر) تم ایسی باتیں بھی کر سکتی ہو ؟

کلثوم :- میں نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا ہے، میری گردن پر تلوار رکھ دیجئے تو بھی میں جھوٹ نہیں بولوں گی ——— !

رابرٹ :- مجھے یقین ہے،

کلثوم :- شکریہ اس اعتماد کا،

رابرٹ مسکرایا،

"ہاں میں جانتا ہوں، تم عائشہ کی بہن ہو، اور تم دونوں حد درجہ غیور، خوددار اور مغرور وخودسر ہو، لیکن جس طرح ترچی ناالڈ کے سامنے عائشہ کا تکبر سرنگوں ہو گا، اسی طرح میرے سامنے تمہارا غرور پامال ہو گا۔"

کلثوم :- آپ میدان جنگ کے سپاہی ہیں، شور ما ہیں ایک عورت کے سامنے ایسی لایعنی باتیں کرتے آپ کو شرم نہیں آتی ،؟

رابرٹ :- (کچھ شرمندہ ہو کر) اگر میرے الفاظ تمہیں گراں گزرے ہیں، تو میں واپس لیتا ہوں،

کلثوم :- (ہلکے سے تبسم کے ساتھ) مجھے آپ سے یہی امید تھی، ——— عورت سے کس طرح گفتگو کی جاتی ہے، یہ بات ایک مرد کو معلوم ہی ہونی چاہیئے وہ سختی اور درشتی سے نفرت کرتی ہے، نرمی اور ملاطفت کے سامنے سر جھکا دیتی ہے۔!

رابرٹ :- (متاثر ہو کر) ہاں سچ کہتی ہو، میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں!

کلثوم :- ان الفاظ نے آپ کی عزت میرے دل میں پیدا کر دی۔

رابرٹ :- (خوش ہو کر) سچ کہتی ہو،

کلثوم :- کیا ضرورت ہے جھوٹ بولنے کی مجھے؟ ——— کیا آپ انعام دے دیں گے؟

رابرٹ :- میں مشکور ہوں کہ تمہارے دل میں میری عزت پیدا ہوئی، لیکن میں بہت خوش ہوتا، اگر تم نے عزت کے بجائے محبت کا لفظ استعمال کیا ہوتا،

کلثوم :- کب تک ؟

رابرٹ :- زندگی بھر!

کلثوم :- نہیں صرف اس وقت تک جب تک آپ مجھے تباہ و برباد نہیں کر لیتے، جب تک میری آبرو نہیں لوٹ لیتے، جب تک ———

رابرٹ :- بس کرو کلثوم، بس کرو، میں نہیں سن سکتا، اتنا بڑا ظلم نہ کرو، اس طرح میرے جذبات کی توہین نہ کرو، میری محبت کو ذلیل نہ کرو،

کلثوم :- گویا مجھے غلط فہمی ہے، آپ واقعی محبت کرتے ہیں مجھ سے ———؟

رابرٹ :- ہاں ——— جس طرح کہو میں امتحان دینے کو تیار ہوں،

کلثوم :- واقعی، آپ امتحان دینے کو تیار ہیں ؟

رابرٹ :- ہاں ——— بتاؤ کیا ہے وہ امتحان ؟

کلثوم :- بتاتی ہوں، اس امتحان کی پہلی دفعہ یہ ہے کہ کیا آپ مجھ سے شادی کرنے پر تیار ہیں ؟

رابرٹ :- (بے خود ہو کر) ہاں ابھی اور اسی وقت،

کلثوم :- (متاثر ہو کر) رابرٹ تم سچ کہتے ہو ؟

رابرٹ :- دل کی گہرائی سے،

کلثوم :- تو تم نے میرا دل جیت لیا،

رابرٹ :- (بے انتہا مسرور ہو کر) کلثوم،

کلثوم :- اگر تم نے یہ کہا ہوتا کہ تیری حیثیت باندی کی ہے لیکن میں تجھ سے محبت کرتا ہوں، تو میں نفرت کرتی رہتی، اگر تم نے یہ کہا ہوتا کہ میں شادی کرنے سے

رابرٹ :- اعتماد ——— ؟ کلثوم میں تم پر حد درجہ اعتماد کرتا ہوں ———
——— اس لئے کہ تم سے محبت کرتا ہوں ،

کلثوم : (بے پرواہی سے) یہ خالی خولی باتیں ہیں ،

رابرٹ :- خالی خولی باتیں ——— ؟

کلثوم :- جی ہاں ،

رابرٹ :- آخر اور تم کیا چاہتی ہو ؟

کلثوم :- یہ بتایئے اس گھر میں میری حیثیت کیا ہو گی ——— ؟

رابرٹ :- وہی جو ہونی چاہیئے ——— !

کلثوم :- یعنی ایک باندی کی ، ——— ؟ اگر یہ بات ہے تو سُن لیجئے ،
موت کے سوا آپ کو مجھ سے کچھ نہیں مل سکتا ——— !

رابرٹ :- لیکن کس نے کہا کہ تم باندی ہو ؟

کلثوم :- حالات یہی کہہ رہے ہیں ——— کیا میں ایک بے بس
لونڈی سے زیادہ کچھ حیثیت رکھتی ہوں ؟

رابرٹ :- نہیں تم لونڈی نہیں ہو ،

کلثوم :- پھر کیا ہوں ؟

رابرٹ :- میرے دل کی مالک ، اس گھر کی مالک ، میری ہر چیز کی مالک

کلثوم :- ان الفاظ میں سچ کتنا ہے ، اور جھوٹ کتنا ؟

رابرٹ :- آخر تم اتنی بدگمان کیوں ہو ؟ ——— میں ہر طرح یقین دلائے
دیتا ہوں کہ میری نظر میں تمہاری حیثیت یہی ہے ؛

نہیں، میں اس طرح شادی نہیں کر سکتی کہ دل رو رہا ہو اور میں عروس بنی بیٹھی ہوں
——— سوچو تو رابرٹ یہ کس طرح ممکن ہے ؟

رابرٹ :- کہتی تو ٹھیک ہو، لیکن مجھے کب تک انتظار کرنا پڑے گا ؟

کلثوم :- کم سے کم ایک مہینہ،

رابرٹ :- اوہ، کلثوم تم بہت ظالم ہو، ایک مہینہ ؛ یہ مدت میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔

کلثوم :- ناسمجھ نہ بنو رابرٹ، وہ میں ہوں جو تمہاری محبت سے مجبور ہو کر اتنی مختصر مدت تجویز کر رہی ہوں، ورنہ سچ کہو اگر میری جگہ تم ہوتے تو کیا اس سے زیادہ عرصہ نہ مانگتے ؟

رابرٹ :- (ہنس کر) کیا بتا سکتا ہوں، اگر تمہاری جگہ ہوتا، تب ہی بتاتا ———
خیر مجھے ایک مہینہ کی مہلت منظور ہے،

کلثوم :- لیکن میری کچھ شرطیں بھی ہیں،

رابرٹ :- تمہاری سب شرطیں منظور ہیں ۔

کلثوم :- مجھے تمہاری محبت سے یہی امید تھی، لیکن انہیں سن تو لو،

رابرٹ :- سناؤ،

کلثوم :- میں اپنا مذہب نہیں بدلوں گی،

رابرٹ :- (کچھ سوچتے ہوئے) دیکھو کلثوم جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہے، مجھے اس پر اصرار نہیں کہ مذہب بدل ہی لو، لیکن پادری صاحب تو اس طرح نکاح نہیں پڑھائیں گے، پھر ہماری شادی کیسے ہو گی ؛

مجبور ہوں، لیکن بیوی کی طرح زندگی بھر رکھوں گا، تو بھی میں نفرت ہی کرتی
لیکن تم نے شادی کا وعدہ کیا ہے ———

رابرٹ :- ہاں صدق دل سے،

کلثوم :- تم نے شادی کا وعدہ کیا ہے، اس وعدہ میں ایثار جھلکتا نظر آتا ہے، میں
اس کی قدر کرتی ہوں، میں تمہاری محبت قبول کرتی ہوں؛

رابرٹ :- کلثوم ———

کلثوم :- اب تم میرے ہو اور میں زندگی بھر تمہاری رہوں گی!

رابرٹ :- میں بھی زندگی بھر تمہارا کلمہ پڑھتا رہوں گا!!

کلثوم :- مجھے یقین ہے میں تمہارے اس وعدہ کو تسلیم کرتی ہوں،

رابرٹ :- تو پھر شادی کی تیاری کرنی چاہیئے ——— میں چاہتا ہوں آج
ہی اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤں!

کلثوم :- نہیں اس قدر جلد نہیں،

رابرٹ :- (مضمحل ہو کر) کیوں؟ جو کام کل ہونا ہے وہ آج کیوں نہ ہو؟

کلثوم :- (مسکرا کر) جو کام کل ہونا ہے وہ کل بھی نہیں پرسوں ہو گا، بلکہ شاید اس
کے بھی بعد،

رابرٹ :- کیا اس کی وجہ بتاؤ گی ——— ؟

کلثوم :- ہاں ——— میرا دل دکھا ہوا ہے، تمہارے آدمیوں نے میرے
بھائیوں کو ہلاک کیا، میری ماں کو گرفتار کر لیا، یہ غم میں بھول جاؤں گی،
ہنسنا آدمی کے بس میں ہے، جب چاہے ہنس دے، لیکن رونا اختیاری چیز

کلثوم :- میں تمہاری اس مجبوری کو تسلیم کرتی ہوں لیکن ایک کام تو کر سکتے ہو ؟

رابرٹ :- وہ کیا ؟

کلثوم :- یہ کہ مجھے قید میں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے ،؟

رابرٹ :- (سینہ پر ہاتھ مار کر) ہاں یہ کر سکتا ہوں ، یہ ضرور کروں گا ،

کلثوم :- فی الحال مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہیئے ——————!

رابرٹ :- (مسکرا کر) تو اب تمہیں عیسائی مذہب قبول کرنے پر تیار ہو جانا چاہیئے ، آج شام کو یا کل صبح ، پادری صاحب تشریف لائیں گے ، اور تمہیں مسیح کی بھیڑوں میں شامل کرینگے ،

کلثوم :- میں ان کی منتظر ہوں ، جب چاہیں تشریف لائیں ،

رابرٹ اپنی جگہ سے اٹھا ، اور کلثوم کے قریب پہنچ گیا ، لیکن کلثوم پیچھے ہٹ گئی - جب تک ہماری باقاعدہ شادی نہ ہو جائے ، تم مجھ سے دُور رہو گے !

رابرٹ پیچھے ہٹ گیا —————— مسکراتا ہوا ،

کلثوم :۔ یہ میں نہیں جانتی، بغیر شادی کے تم میری محبت نہیں پا سکتے، اور شادی کے لئے میں اپنا مذہب نہیں بدل سکتی ——— !

رابرٹ :۔ (کچھ سوچتے ہوئے) یہ تو بڑی مشکل کھڑی کر دی تم نے ——— !

کلثوم :۔ تم مرد ہو، مرد ہی مشکلات پر غالب آتے ہیں، کوئی تدبیر سوچو،

رابرٹ :۔ (خوش ہو کر) ایک تدبیر ذہن میں آئی ہے، اسے مان لو ——— !

کلثوم :۔ کون سی تدبیر ؟

رابرٹ :۔ بظاہر عیسائی ہو جاؤ، دل میں مسلمان رہو، پادری نکاح پڑھاوے گا، اور تمہارا مذہب بھی ہاتھ سے نہیں جا سکتا،

کلثوم :۔ (خوش ہو کر) بڑے ذہین ہو ——— شریر،

کلثوم :۔ ہاں منظور ہی کرنی پڑے گی، آخر رابرٹ کو حاصل کرنا ہے۔

رابرٹ :۔ اور دوسری شرط ——— ؟

کلثوم :۔ دوسری شرط یہ ہے کہ میری ماں، میری بڑی بہن اور میری چھوٹی بہنوں کو رہا کرا دو، !

رابرٹ :۔ میں عہد کرتا ہوں کہ رہا کرا دوں گا، لیکن ابھی نہیں، اس میں ذرا دیر لگے گی، !

کلثوم :۔ (خاص انداز سے گھورتے ہوئے) کیوں دیر لگے گی ؟

رابرٹ :۔ میرا آقا رچی ناللہ، نیم پاگل آدمی ہے، اسے صرف موقع دیکھ کر ہی ہموار کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ موقع جلد ہی ہاتھ آ سکتا ہے، اور اس میں کئی مہینے بھی لگ سکتے ہیں،

اور عیسائیوں کے خلاف تمام دیسی مہموں میں اس نے بے جگری اور دلاوری کے ایسے نمونے قائم کئے تھے، جن پر مخالف اور حاسد بھی انگشت بہ نداں رہ گئے تھے،

اور آج اسے ایک اور بہت بڑا اعزاز مل رہا تھا،!

اس کی وفاداری اور جاں نثاری سے متاثر ہو کر سلطان والا شان نے اسے اپنا باڈی گارڈ بنا لیا تھا، وہ ہر مرحلہ پر، ہر موقعہ پر، ہر معرکہ میں سایہ کی طرح سلطان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا اسے فخر تھا کہ وہ سلطان صلاح الدین کا سپاہی ہے، اسے ناز تھا کہ سلطان والا اس پر اس درجہ اعتماد کرتے ہیں،

اسلم کے ساتھ ہی احمد بھی فوج میں بھرتی ہو گیا تھا، اور بہت جلد اس نے بھی انتہائی سرعت کے ساتھ ترقی اور عروج کے مراحل طے کئے تھے، سلطان اسے بھی اسلم کی طرح محبوب رکھتا تھا، اور آج جب اس نے اسلم کو اپنا خاص معتمد، اور باڈی گارڈ، بننے کا اعزاز بخشا تھا، تو احمد کو بھی ایک فوج کی کمان سپرد کی تھی، جس طرح اپنے اعزاز پر اسلم مسرور و خرم تھا، اسی طرح احمد بھی اپنے اس تقرر اور شاندار زور ارتقاء پر پھولا نہیں سماتا تھا،

ادھر دو چار روز سے طلحہ بھی مہمان کی حیثیت سے دونوں دوستوں کے پاس ٹھہرا ہوا تھا، یہ دونوں دوست ساتھ ہی ساتھ ایک مکان میں رہتے تھے، رات کے کھانے کے بعد گپ شپ ہو رہی تھی کہ احمد نے کہا،

"کتنے افسوس کی بات ہے، ہم دونوں یعنی میں اور اسلم دین اور ملت کی خاطر کفن سر سے باندھ کر میدان میں اتر چکے ہیں، مگر تم ہو کہ جنگ کا نام سن کر لرز جاتے ہو،" ا

طلحہ نے نہایت صفائی اور سادگی کے ساتھ جواب دیا،

نئی زندگی

اسلم اب صلاح الدین کے ایک دستہ فوج کا سالار ہے، سلطان اس کی بہادری شجاعت اور دلیری کا معترف ہے، اس نے اپنی بہادری اور وفاداری کے ایسے ناقابل فراموش ثبوت اس نوجوانی اور کم عمری کے باوجود دیئے ہیں کہ دشمن اس سے جلنے لگے ہیں، اور دوست کلمہ پڑھتے ہیں، جب سے وہ عائشہ سے مایوس ہوا ہے، اس نے واقعی اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کی ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ پہلے اس کا عزم جہاد اتنا مخلصانہ نہیں تھا، جتنا اب ہے، پہلے جب موت کا خیال آتا، تو عائشہ کی یاد بھی خود بخود آجاتی اور وہ سوچنے لگتا، اگر اس گھڑی کو ٹالا جا سکتا ہے، تو ضرور ٹالنا چاہئے، لیکن اب وہ جان ہتھیلی پر لئے رہتا تھا، موت اب اس کے لئے ایک خوش آئند چیز تھی، جب بڑے بڑے سورماؤں اور بہادروں کے پاؤں ڈگمگانے لگتے تھے، وہ ثابت قدم رہتا تھا، جب دوسرے تجربہ کار اور بہادر حوصلہ ہار جاتے تھے، اس کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آتی تھی، جب دوسرے گوشۂ عافیت کے متلاشی اور متجسس نظر آتے تھے، وہ عرصہ کارزار کا جویا رہتا تھا، ابھی اسے اس دنیا میں قدم رکھے زیادہ مدت نہیں ہوئی تھی لیکن چند مہینوں

نے جی نہیں چاہتا تھا، ———— اور ویسے میں اس کے لئے بھی تیار ہوں
کہ صرف ایک چیز کھاؤں، اور وہ بھی بہت کم، ! "

احمد نے اسے حیرت سے دیکھا، اور کہا،

" یہ بات تو سمجھ میں آگئی کہ تم بھاگ جانا چاہتے ہو، لیکن ایک وقت کھاؤ اور کم کھاؤ، یہ راز سمجھ میں نہیں آیا"،

طلحہ نے انتہائی بھولے پن کے ساتھ کہا۔

" یہ میرا کھانا ہی تو تم لوگوں کو گراں گذرتا ہے، چلو نہیں کھاؤں گا، بھوکا رہ لوں گا مگر خدا کے لئے ابھی مجھے یہاں رہنے دو، میں اپنے گھر نہیں جانا چاہتا، ——— !"

اسلم نے دریافت کیا،

" کیوں نہیں جانا چاہتے ؟ "

طلحہ نے جواب دیا،

" وہاں سے یہ کہہ کر آیا ہوں کہ جہاد کے میدان میں شجاعت کے جھنڈے گاڑنے جا رہا ہوں، گھر کے لوگوں نے مجھے دعائیں دیں، میری ترقی اور کامرانی کی پیشین گوئی کی اور مجھے مرتبۂ شہادت پر فائز ہونے کی دعا دی، اس قدر جلد اگر واپس جاؤں گا، تو انہیں کیا منہ دکھاؤں گا، ———— ؟"

اسلم نے کہا

" یہ کون سی مشکل بات ہے، کہہ دینا میں شہید مرد ہوں، ———— بڑی آؤ بھگت ہوگی "،

احمد ہنسنے لگا،

"جنگ کے میدان سے اس لئے یہ خاکسار دور دور رہتا ہے کہ جب ضرورت ہو
تمہارا کفن سر سے اتار کر بدن پر ڈال دوں، آخر اس کام کے لئے بھی تو کوئی ہونا چاہئے۔"

اسلم ہنس پڑا،

"نہیں بھائی شہیدوں کو کفن کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ اسی لباس میں دفن کئے جاتے
ہیں، جس میں مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے ہوں، !"

پھر اس نے احمد سے کہا،

"یہ اس طرح نہیں مانے گا !"

احمد نے پوچھا،

"پھر کس طرح مانے گا ؟"

اسلم نے جواب دیا،

"کل ہی زبردستی اسے سلطان کے حضور میں لے چلو، اور فوج میں داخل کر دو،
پھر دو ہی صورتیں ہیں یا تو یہ بھاگ کھڑا ہو، اور غداری کے الزام میں ہلاک کر دیا جائے،
یا مرد بنے، اور میدان جنگ میں داد شجاعت دیتا ہوا کام آئے، ——— !"

اس تجویز پر احمد پھڑک گیا،

"واقعی بڑی عمدہ تدبیر سوچی ہے تم نے، ضرور اس پر عمل ہونا چاہئے، طلحہ بھائی
اب مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ، خواہ بزدلی کی موت، خواہ مرد میدان کی موت، !"

اس تجویز نے طلحہ کو ہراساں کر دیا،

"صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے میری مہمانداری تم کنجوسوں کو کھل رہی ہے۔ اگر
یہ بات ہے تو صبح ہوتے ہی میں چلا جاؤں گا، چونکہ اتنے دنوں کے بعد ملنا ہوا ہے اس

وہ نازک بدن شہسوار

نماز فجر کے بعد بالعموم احمد، سامنے کے میدانوں، گھاٹیوں، ٹیلوں کی طرف ہواخوری کے لئے اپنے اسپ مشکیں پر سوار چلا جایا کرتا تھا، اور پھر تازہ دم ہو کر واپس آجاتا تھا۔ آج بھی معمول کے مطابق وہ بہت دور نکلا چلا گیا، واپس ہوا چاہتا تھا کہ اُسے دُور ایک دھبہ سا دکھائی دیا، متحرک دھبہ!

وہ حیران ہو کر اسی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگا،

تھوڑی دیر کے بعد اُس نے محسوس کیا کہ کوئی سوار ہے، جو سرپٹ گھوڑا دوڑاتا اس طرف چلا آرہا ہے بجلی کی طرح، احمد کے ذہن میں یہ خیال کوندا،

کہیں یہ دشمن کا جاسوس تو نہیں ہے؟ ——————— ضرور اس کی نقل و حرکت کی نگرانی کرنا چاہیئے،

یہ سوچ کر ایک درخت کی آڑ میں وہ چھپ گیا اور دیکھتا رہا کہ یہ آنے والا کون ہے، اکدھر جا رہا ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟

تھوڑی دیر کے بعد وہ سوار قریب آگیا،

تجویز تو بڑی معقول ہے، ہاں طلحہ تمہارے لئے شہید مرد بھی بننا زیادہ موزوں
ہے، خوب کماؤ کھاؤ گے، ———— !، طلحہ نے سنجیدگی سے کہا

ممکن ہے اسی تجویز پر مجھے عمل کرنا پڑے، ———— لیکن
فی الحال نہیں کچھ عرصہ بعد دیکھا جائے گا، ابھی تو مجھے یہیں رہنے دو،

اسلم نے ایک شرط پیش کر دی،

" اچھا رہو، لیکن صبح شام کی قواعد (پریڈ) میں نہایت عمدگی کے ساتھ تمہیں
شرکت کرنا پڑے گی،" !

طلحہ اسلم کا منہ دیکھنے لگا، "یہ کیوں جناب"؟

" تاکہ تمہارے دل میں بھی سپاہی بننے کا ولولہ پیدا ہو،" !

" لیکن اس طرح تو جو تھوڑا بہت ولولہ ہے وہ بھی، فنا ہو جائے گا، مجھ جیسے تن و
توش کا بھاری بھر کم آدمی، عقل کے دشمنو اگر پیدا کر سکتا ہے، تو پھر تلوار سنبھال کر میدان
جنگ میں تم سے زیادہ زیادہ اونچے جھنڈے گاڑ سکتا تھا!

اسلم اور احمد ہنسنے لگے، احمد نے کہا،

" یہ بزدل کسی طرح قابو میں نہیں آئے گا، اسے اس کے حال پر چھوڑ دو،" ——
اچھا طلحہ ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے، مزے کرو، موج اڑاؤ، لیکن اپنے عہد پر قائم رہنا، کیا
ایک ہی وقت ملے گا، اور وہ بھی تھوڑا سا،" ———— !، طلحہ نے جواب دیا

پھر میں یہاں کے آدمیوں کو کھانا شروع کر دوں گا، اور زیادہ پریشان کروگے
تو جانتے ہو کیا کروں گا؟ جبریل کو بھی چپکے سے دعوت نامہ بھیج دوں گا،

احمد نے معافی مانگ لی،

" نا بھائی، تم پر کوئی پابندی نہیں ہے، لیکن جبریل کو نہ بلانا،" !

والاشان، والا دودمان صلاح الدین ایوبی کی فوج کا ایک افسر ہوں۔"

یہ سن کر اس خاتون پر مسرت کی کیفیت طاری ہوگئی، اس نے اضطراب کے ساتھ کہا۔

"کیا اب محفوظ ہوں ؟"

احمد نے تیوری پر بل ڈال کر کہا،

میں نہیں جانتا، آپ کو کیا خطرہ لاحق ہے، لیکن اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جب تک میں یہاں موجود ہوں کسی کا دست ستم آپ تک نہیں پہنچ سکتا ——

نہ جانے کیوں ان الفاظ سے خوش ہونے کے بجائے خاتون کے چہرے پر حقارت کے آثار پیدا ہوئے، اس نے پوچھا،

"کیوں ؟ —— اس بہادری کے لئے آپ کیوں تیار ہیں ؟"

احمد نے جواب دیا۔

"اس لئے کہ آپ ایک مسلمان خاتون معلوم ہوتی ہیں، اور ظاہر ہے ایک مسلمان مرد ہرگز یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کی مسلمان بہن پر اس کی آنکھوں کے سامنے ظلم ہو سکے !"

خاتون کی حقارت اور زیادہ تیز ہوگئی، اس نے طنزیہ لہجہ میں کہا،

"بہن —— مسلمان بہن —— بہت خیال ہے آپ کو مسلمانوں کا مسلمان بہنوں کا ؟"

احمد کی تیوری پر بل پڑ گئے، اس نے کہا۔

"ہونا ہی چاہیئے !"

لیکن یہ تو کوئی عورت ہے !

گھوڑا پسینہ سے شرابور ہو رہا تھا، اور سوار کا بھی یہ عالم تھا کہ بال پریشان چہرہ زرد آنکھوں میں خوف اور دہشت کی جھلک، چہرے پر اضطراب اور تشویش کے آثار، بار بار پیچھے مڑ مڑ کر دیکھنے کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔

اب احمد درخت کی آڑ میں کھڑا نہ رہ سکا، اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور سوار کے گھوڑے کے سامنے آکر دیوار کی طرح حائل ہو گیا، سوار نے زور سے لگام کھینچ کر اپنے تھکے ہوئے گھوڑے کو روک لیا، گھوڑے کی حالت سے ظاہر تھا کہ بڑا لمبا فاصلہ طے کر کے آ رہا ہے، ایک وجیہہ و شکیل اور مسلح سوار کو اپنے سامنے دیکھ کر یہ عورت گھبرا گئی، اور خود احمد نے بھی بالکل سامنے آکر جب اس خاتون کے سراپا پر نظر ڈالی تو دنگ رہ گیا، صنعت قدرت کا اتنا مکمل اور اتنا بہتر نمونہ شاید اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا، ایک لمحہ تک دونوں ایک دوسرے کو خاموشی کے ساتھ دیکھتے رہے، پھر احمد نے سوال کیا،

محترم خاتون آپ کون ہیں ؟ کہاں سے تشریف لا رہی ہیں ؟ اور کہاں جانا چاہتی ہیں ؟

خاتون نے ذرا جھجکتے ہوئے سوال کیا،

کیا میں دریافت کر سکتی ہوں آپ کون ہیں ؟

بغیر کسی تامل کے احمد نے جواب دیا۔

میں حامی دین متین، خادم شرع مبین، سلطان ابن سلطان، خاقان ابن خاقان

جب ہر عمل کی پوچھ گچھ ہو گی، جب ہر بات میزان میں تولی جائے گی اس وقت
کیا جواب دیجئے گا، یہ سوچ لیجئے ذرا!؟

اس جوش انگیز تقریر، اس فصیح و بلیغ اور درد میں بھری ہوئی گفتگو سے احمد پر سناٹا چھا گیا، اس کا غصہ کافور ہو گیا وہ سوچنے لگا، ضرور کوئی خاص بات ہے جو یہ خاتون اس طرح اپنی جان پر کھیل گئی ہے، یہ سختی کی نہیں نرمی کی مستحق ہے، شاید اسے کوئی دکھ پہنچا ہے، شاید کسی نے اسے ستایا ہے، یہ سوچ کر احمد نے جوش کے عالم میں کہا۔

"محترم خاتون، مجھے نہیں معلوم، آپ پر کس نے ظلم کیا ہے؛ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ ہاتھ کاٹ لئے جائیں گے، جنہوں نے آپ پر زیادتی کی ہے، بتائیے کیا معاملہ ہے؛ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؛"

خاتون نے بے اعتباری کی نظر سے اسے دیکھا، پھر کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

"کیا آپ میرا ایک کام کر دیں گے ——————؟"

احمد نے آمادگی کے ساتھ جواب دیا۔

"ضرور کر دوں گا، بالکل اطمینان رکھئے، فرمائیے"

وہ بولی،

"مجھے سلطان سے ملا دیجئے! —————— مجھے کچھ کہنا ہے انہی سے کہوں گی!"

احمد کچھ سوچنے لگا، اس عورت نے کہا،

"آپ سوچنے لگے گویا میں نے کوئی بڑی ان ہونی بات کہہ دی ہے، گویا میرا

وہ خاتون اور زیادہ تلخ انداز میں بولی،

"جھوٹ!"

یہ بات اگر کسی اور نے کی ہوتی تو احمد اس کا سر قطع کر دیتا، لیکن ایک عورت پر حملہ کرنا شانِ مردمی کے خلاف تھا، اس نے مشکل سے اپنا غصہ ضبط کیا، اور بولا،

"آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؛ میں نہیں سمجھا!"

وہ خاتون کہنے لگی

میں یہ عرض کرنا چاہتی ہوں کہ آپ اور آپ کے حامی دین متین، اور خادم شرع متین، سلطان ابن سلطان، خاقان ابن خاقان، عالاشان، والا دودمان صلاح الدین ایوبی دونوں فریب کار ہیں!

احمد کا غصہ قابو سے باہر ہو گیا، اس نے بادل کی طرح گرج کر کہا،

"کیا کہا ——— ؟"

وہ خاتون ہنسنے لگی،

"شیر مرد کو غصہ آ گیا ——— ایک عورت پر، ایک شہسوار غصہ کر رہا ہے، شاید اب اس کی تلوار میان سے باہر نکلے گی، اور اسے قتل کر دے گی میرا سر حاضر ہے، جناب سالارِ لشکر صاحب کاٹ لیجئے، اور اس کٹے ہوئے سر کو اپنے عالاشان سلطان کی خدمت میں نذر کے طور پر پیش کر دیجئے، اور ان سے کہہ دیجئے کہ آپ شوق سے حکومت کیجئے عیش کیجئے لطف و مسرت کی زندگی بسر کیجئے خوش گلو کنیزوں کا گانا سنیئے، خوش اندام باندیوں کا رقص دیکھئے ——— لیکن یہ سوچ لیجئے کہ کل جب میدان حشر میں خدا کے سامنے ہر شخص کو حاضر ہونا پڑے گا

صلاح الدین رح کی قسم

سلطان صلاح الدین اپنی بارگاہ خاص میں پیکر رعب جلال بنا بیٹھا ہے، اس کے داہنی طرف اسلم کھڑا ہے، اس کے قریب احمد، اور بالکل سامنے ایک حسین، اور نوجوان خاتون!

مجلس پر سناٹا چھایا ہوا ہے، دفعتاً سلطان کی آواز گونجی،

"تم ہم سے ملنا چاہتی تھیں، ہم نے تمہیں شرف باریابی عطا کیا، بتاؤ کیا کہنا ہے تمہیں،!"

بےباکی کے ساتھ اس خاتون نے جواب دیا،

"مجھے بہت کچھ کہنا ہے کیا آپ سن سکیں گے؛ کیا آپ میں سچی بات گو وہ کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہو سننے کی تاب ہے؛ کہیں مزاج شاہی برہم تو نہیں ہو جائے گا؛ کہیں شہنشاہ • الاجاہ کی پیشانی پر بل تو نہیں آجائے گا؛"

ایسی باتیں، اور وہ بھی ایک کم عمر عورت کی زبان سے صلاح الدین نے آج تک نہیں سنی تھیں، وہ حیرت اور پیچ و تاب کے عالم میں اس کی طرف دیکھنے لگا

مطالبہ کسی طرح قبول نہیں کیا جا سکتا، ابھی ابھی آپ نے اپنے سلطان ذی شان کے لئے بڑے بڑے شاندار الفاظ استعمال کئے تھے، وہ حامیٔ دینِ متین ہیں، وہ خادمِ شرعِ مبین ہیں، وہ ظل اللہ ہیں، مجھے غلط فہمی ہوئی کہ وہ بھی ویسے ہی حامیٔ دینِ متین، اور خادمِ شرعِ متین ہیں، جیسے عہدِ خلافتِ راشدہ میں تھے، اس لئے بے جھجک، ایک معمولی مسلمان عورت ہوتے ہوئے بھی میں نے ان سے ملنے اور عرض حال کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، لیکن اب معلوم ہوا کہ وہ سلطان ابن سلطان اور خاقان ابن خاقان بھی ہیں، بھلا سلطان اور خاقان کے دربار میں ایک بے مایہ مسلمان لڑکی کس طرح شرف باریابی حاصل کر سکتی ہے، میں اپنی اس غلط فہمی پر نادم ہوں، اس بدگمانی پر آپ سے معافی کی طلبگار ہوں،"

ایک ایک لفظ تیر کی طرح احمد کے دل میں ترازو ہو رہا تھا، وہ اس عجیب غریب عورت کی باتوں سے حد درجہ متاثر تھا، وہ اب اس سے مرعوب ہو چکا تھا، اس نے کہا

میں آپ کو بارگاہِ سلطانی پر لے چلتا ہوں، سلطان ضرور آپ سے ملیں گے ——— آئیے تشریف لائیے ——— ! کسی غلط فہمی اور بدگمانی کو اپنے دل میں جگہ نہ دیجئے، !

ہیں، انہیں جنگی قیدی کی حیثیت سے غلام بنا لیتا ہے۔ ان کی لڑکیوں اور عورتوں کی ناموس لوٹتا ہے، انہیں تنگ کرتا ہے، وہ آسمان کی طرف دیکھتی ہیں اور مایوسی کے عالم میں سر جھکا لیتی ہیں، وہ اس سے رحم کی اپیل کرتی ہیں، مگر وہ ٹھکرا دی جاتی ہے، کہا جاتا ہے، جب تمہارا خدائے رحیم و رحمٰن تم پر رحمت نہیں کرتا، تو ہم سے رحم کی بھیک کہاں ملے گی، تمہیں اپنے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر ناز ہے جاؤ اُن کا دروازہ کھٹکھٹاؤ، تم نے کعبہ کو خدا کا گھر اور مدینہ کو دیارِ رسول مشہور کر رکھا ہے، میری فوجیں اس طرف فاتحانہ یلغار کر رہی ہیں، اور عنقریب وہ دن آیا چاہتا ہے، جب وہاں داخل ہو جائیں گی۔ اگر رونا ہے تو اپنے کچھ آنسو اس دن کے لئے بچا رکھو، اپنا شوق ماتم ابھی پورا نہ کرو، وہ دن جلد آئے گا۔ جب تمہیں ماتم کی عام اجازت ہو گی ——— یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ مگر نہ میں تیرے چہرے پر شرم و ندامت کے آثار دیکھتی ہوں، نہ اسلام اور نہ حرمت اسلام، اور ناموس مسلمین پر مرمٹنے کا جذبہ اور ولولہ، اگر تو کچھ نہیں کر سکتا تو جا، اپنے گوشۂ عافیت میں بیٹھ رہ اور دادِ عیش دے اپنی یہ مسند کسی ایسے شخص کے لئے خالی کر دے، جو تجھ سے زیادہ باغیرت مسلمان ہو، جو مسلمان عورتوں کی آبروریزی پر تڑپ جائے جو مسلمانوں کے قتل و غارت کو کبھی اور کسی قیمت پر برداشت نہ کر سکے، جو اگر تختِ شاہی پر بیٹھ کر اطمینان و سکون، اور عیش و عشرت کی زندگی کی سیر کر سکتا ہو، تو میدان جنگ میں اسلام پر اس کی حرمت اور ناموس پر گردن کٹانے کا حوصلہ بھی رکھتا ہو ——— اے سلطان میں جانتی ہوں میری باتیں تجھے

چہرے سے اضطراب، بدمزگی اور تلخی کے آثار نمایاں تھے، اس نے پہلو بدلتے ہوئے کہا

"سچائی اسی لئے ہوتی ہے کہ سنی جائے، کہو کیا کہنا چاہتی ہو تم؟"

اس خاتون نے ایک عجیب کیفیت سے سرشار ہو کر جذبات کے عالم میں کہنا شروع کیا:

"اے سلطان ——— اللہ نے تجھے یہ مسندِ شہریاری عطا کی ہے اسلام کی چاکری نے تجھے یہ رتبہ بلند بخشا ہے، اسلام کے نام نے تجھے قبولیت عامہ کے درجہ پر سرفراز کیا ہے، آج تیری بادشاہی اتنی وسیع ہے، جتنی شاید ہی کسی مسلمان کی ہو، آج تیرے قصرِ شاہی میں غلاموں کے پرے کے پرے ہیں، تو جب فوج ظفر موج لے کر میدان میں نکلتا ہے، تو اس کی شان شوکت دیکھ کر دشت و جبل لرزہ اٹھتے ہیں، تیرے نام سے دشمن کانپتے ہیں، اور دوست تیری درازیٔ عمر و اقبال کے لئے دعا گو رہتے ہیں ——— لیکن بتا تو نے اسلام کے لئے کیا کیا؟ تو نے ان لوگوں کے لئے کیا کیا، جن کی زبانیں تجھے دعا دیتے دیتے گھس گئی ہیں؟ تو نے ان لوگوں کے لئے کیا کیا، جو تجھ پر، تیرے وجود پہ تیری تلوار پر فخر کرتے ہیں ———!"

ذرا کے ذرا وہ رکی، پھر اس نے نئے جوش کے عالم میں کہا،

"تو صلح پسند ہے، امن دوست ہے، تو صلح کر لیتا ہے اور مطمئن ہو جاتا ہے، تو امن چاہتا ہے اور جب وہ مل جاتا ہے تو غافل ہو جاتا ہے، تجھے پھر اس کی پروا نہیں رہتی کہ عہد شکن کیا کر رہے ہیں؛ تو یہاں اپنی مسندِ شاہی پر متمکن ہے اور وہاں دشمن اپنا کام کر رہا ہے مسلمانوں کو لوٹ رہا ہے، انہیں برباد کر رہا ہے کاروانِ تجارت پر ڈاکے ڈال رہا ہے، اور جو لوگ ان کاروانوں کے گرفتار ہوتے

"بیٹی ———!"

اس خاتون نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا!"

سلطان کی آنکھیں جامِ مے کی طرح لبریزِ اشک تھیں، اس کا چہرہ زرد ہو
رہا تھا، بدن کانپ رہا تھا، آنکھوں میں غصہ کی جھلک بھی تھی اور شفقت کی لہر
بھی، اس نے کہا،

"بیٹی، میں بادشاہ نہیں اسلام کا سپاہی ہوں، میری بارگاہ قصرِ شاہی
نہیں بیت المال ہے۔ میں صرف اس لئے زندہ ہوں کہ اسلام کو سربلند رکھوں
میری تلوار صرف اس لئے ہے کہ خدا کے راستہ میں چلے!" ——— تو نے
مجھے غلط سمجھا ہے، میں تجھے معاف کرتا ہوں!"

وہ خاتون حیرت سے سلطان کی طرف دیکھ رہی تھی، سلطان نے شفقت سے
اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا اور گویا ہوا۔

"میں خدائے لایزال کی عظمت و جبروت کی قسم کھا کر کہتا ہوں، کہ انتقام
لوں گا!"

یہ کہہ کر ذرا کے ذرا سلطان رُکا، پھر اس نے کہا،

"خدائے بے ہمتا کی کبریائی کی قسم، میں اس شخص کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا
جس نے مکہ اور مدینہ پر دھاوا کیا ہے، جس نے مسلمانوں کو خدائے رحمٰن و رحیم
و رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ سے استمداد و استعانت کا طعنہ دیا ہے، جس نے
مسلمانوں کو لوٹا ہے، جس نے معصوم اور بے گناہ مسلمان لڑکیوں کو کنیز اور
نوجوانوں کو غلام بنایا ہے ——— بتاؤ وہ کون ہے بیٹی اس کا

ناگوار گزر رہی ہیں، میں دیکھ رہی ہوں، تیرے یہ وفادار غلام، جن میں سے ایک مجھے یہاں لایا ہے، خشم و عتاب کی نظروں سے مجھے گھور رہے ہیں۔ لیکن جب میں تجھ سے نہیں ڈرتی تو ان سے کیوں ڈروں گی؟ میں موت سے بھی نہیں ڈرتی اگر ایک عیسائی سردار کے حرم میں داخل ہونا، اور مذہب بدلنا میں منظور کر لیتی، تو عیش فراواں میرا حصہ تھی، زندگی میرے قبضہ میں تھی، مال و دولت کی میں مالک تھی، زیور اور میرے جواہرات مسلمانوں سے لوٹے ہوئے میرے جسم کی زینت بنتے اور میں ٹھاٹھ کی زندگی بسر کر رہی ہوتی، مگر اے سلطان، میں ایسی زندگی پر ایسی دولت پر، ایسی حشمت پر، ایسی شان و شوکت پر لعنت بھیجتی ہوں، میں وہاں سے بھاگ آئی، اور گھر چھوڑ آئی، اس لئے نہیں کہ مجھے پناہ چاہیے، میں تو مرنے آئی ہوں۔ میں تیرے سامنے مرنا چاہتی ہوں، شاید میری یہ موت تیری سوئی ہوئی غیرت کو جگا دے، شاید میری کٹی ہوئی گردن دیکھ کر تیرے دل میں اپنی مظلوم اور ستم رسیدہ بہنوں کو بچانے کا خیال پیدا ہو جائے ——————"

یہ کہہ کر اس نے خنجر نکالا اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اس نے اپنے سینہ میں اتار لینا چاہا، لیکن اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ احمد لپکا اور اس نے وہ خنجر اس کے دستِ نازک سے چھین لیا،

وہ مچل گئی،

"مجھے چھوڑ دو، مجھے مرنے دو، میں زندہ نہیں رہنا چاہتی، یہ زندگی میرے لئے ننگ ہے، بزدلو، یہ زندگی تمہیں مبارک، میرے درد کا مداوا موت اور صرف موت ہے

اتنے میں صلاح الدین اس کے پاس آ گیا۔ اس نے گلوگیر آواز میں کہا،

کلثوم نے سر جھکا لیا، سلطان نے اسلم کی طرف دیکھا، اور پھر فرمایا۔

"لشکر کو تیار ہونے کا حکم دو۔ ہمیں رنجی نالڈ کی سرکوبی کرنی ہے، اس کی دریدہ دہنی اور گستاخی کی سزا دینی ہے، جب تک وہ اپنے کیفرِ کردار کو نہ پہنچ جائے، ہم پر ہر خوشی حرام ہے!"

اسلم نے ادب سے سر جھکایا اور باہر چلا گیا،

اس کے جانے کے بعد سلطان سے کلثوم نے کہا،

"میں بھی رکابِ سلطانی کے ساتھ چلوں گی؟"

سلطان مسکرایا،

"ہماری بھی یہی رائے ہے!"

وہ خوش ہو گئی!

نام کیا ہے؟"

خاتون کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"زیجی نالڈ!"

سلطان چونک کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا، اس نے کہا،

"زیجی نالڈ؟ —— احسان فراموش، بدعہد، غدار، زیجی نالڈ،

یہ تو اس کے جرائم کی فہرست شمار ہی تھی؛ —— اطمینان رکھو بیٹی'

وہ زندہ نہیں رہے گا، اس سے شہیدوں کے خونِ ناحق کا انتقام لیا جائے گا،

میں نے اسے بار بار موقع دیا، میں نے بار بار اس کی باتوں پر اعتبار کیا، میں نے

بار بار اس کی خطائیں بخشیں، لیکن ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے، اب وہ ضرور

سزا پائے گا۔ جو کچھ اس نے بویا ہے، وہی اسے کاٹنا بھی پڑے گا!"

کلثوم کا چہرہ فرطِ مسرت سے پھول کی طرح کھل گیا، اس نے لرزتی ہوئی آواز

میں کہا۔

"میں نے آپ کی شان میں بہت سے نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں، میں اپنی

اس جسارت پر نادم ہوں"

سلطان نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"نہیں بیٹی تو نے کوئی غلطی نہیں کی، تجھے نادم اور شرمندہ ہونے کی ضرورت

نہیں، تو نے وہی کیا، جس کی ایک مسلمان لڑکی سے توقع کی جانی چاہیئے، تیرا

جذبہ، تیرا جوش، تیرا ولولہ بڑا قابلِ قدر ہے، اگر ہمارے ہر گھر میں ایسی لڑکیاں

پیدا ہونے لگیں، تو ہماری قسمت پلٹ جائے۔"

"انتظام ہر جہت سے مکمل تھا، کچھ سمجھ میں نہیں آتا، کس طرح وہ آنکھوں میں دھول جھونک کر غائب ہو گئی، نیچے پہرہ دار تھے جو ہر وقت دروازہ کے سامنے مسلح کھڑے پہرہ دیتے رہتے ہیں، میں اپنے آقا کے دربار میں موجود تھا، میری بہن سارہ جلد سو جانے کی عادی ہے، وہ اپنے کمرہ میں غافل سو رہی تھی، کمرہ کی پچھلی کھڑکی جو ہمیشہ بند رہتی تھی، مجھے کھلی ملی، اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس طرف سے وہ اپنی جان پر کھیل کر کود گئی، پھر اصطبل میں پہنچی۔ وہاں سے گھوڑا لیا اور اسے آہستہ آہستہ چلاتی عقبی راستہ سے باہر لائی، اور پھر کافی دور آگے جا کر گھوڑے پر سوار ہو کر فرار ہو گئی!"

ریجی نالڈ ہونٹ چباتا ہوا بولا،

"ہوں! ———— لیکن وہ کہاں گئی ہو گی؟"

رابرٹ نے عرض کیا،

"یہ عرض کرنا تو مشکل ہے، لیکن یقیناً مدد حاصل کرنے گئی ہو گی"،

ریجی نالڈ کی تیوریاں چڑھ گئیں،

"اس بے وقوف لڑکی کا دماغ پھر گیا ہے، جب اس کا خدا بھی مدد نہیں کر سکتا، تو اور کون کرے گا، ———— خیر اگر اس کا کوئی مددگار پیدا ہوا تو ہم دیکھ لیں گے!"

پھر عائشہ کی طرف ریجی نالڈ نے دیکھا اور سوال کیا،

"مس روز تم بتا سکتی ہو وہ کہاں گئی ہے؟"

عائشہ نے ذرا تلخ لہجہ میں جواب دیا۔

ریجی نالڈ کا غصّہ

عائشہ ریجی نالڈ کے سامنے کھڑی تھی، آج وہ بہت برہم اور آشفتہ خاطر نظر آرہا تھا، پاس ہی رابرٹ قہر مجسم بنا کھڑا تھا، اور عائشہ کو ایسی نظروں سے گھور رہا تھا، جیسے اس دشمن جان کو قتل کیے بغیر اسے قرار نہ آئے گا، ریجی نالڈ نے رابرٹ کی طرف دیکھا اور سوال کیا،

"تو کلثوم فرار ہو گئی؟"

رابرٹ نے اپنی برہمی اور غصّہ پر غالب آنے کی انتہائی کوشش کرتے ہوئے ادب سے سر جھکا کر عرض کیا،

"جی ہاں فرار ہو گئی۔"

ریجی نالڈ نے پوچھا،

"لیکن اس غفلت کی ذمہ داری کس پر ہے؟ اس کی نگہداشت کا انتظام کیوں نہ کیا گیا؟"

رابرٹ نے عرض کیا،

بہت ہی برہمی کے عالم میں زبجی نالڈ نے دریافت کیا،

"کیا تم بھی بھاگنے کے لئے پر پرواز پیدا کرنے کی فکر میں ہو؟"

عائشہ نے کہا،

"اگر موقع مل گیا تو یقیناً اس سے فائدہ اٹھاؤں گی!"

زبجی نالڈ نے سختی اور درشتی کے لہجہ میں کہا،

"خیر یہ باتیں چھوڑو، بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؛ تم نے اپنے بارے میں کیا فیصلہ کیا؟ تم میرے حرم کی زینت بننا چاہتی ہو یا کسی امیر کی باندی؛ جو تم پسند کرو، وہی کیا جائے؟"

عائشہ نے جواب دیا۔

"مجھے تو دونوں میں سے کوئی تجویز بھی منظور نہیں ہے اور ویسے اس وقت اقتدار و اختیار آپ کے ہاتھ میں ہے جو چاہے کیجئے!"

زبجی نالڈ نے طنز کیا،

"اس وقت؛ کیا یہ اقتدار و اختیار مجھ سے چھن بھی جانے گا!"

عائشہ نے بڑا بلیغ جواب دیا،

"اقتدار و اختیار کا مالک ہمیشہ کون رہا ہے؟ جس جگہ پر آپ تشریف فرما ہیں آپ سے پہلے بھی کوئی یہاں تھا، اور اقتدار و اختیار کا مالک تھا، اور ایک دن وہ بھی آئے گا، جب اس جگہ کوئی اور بیٹھا ہوا نظر آئے گا، اور اختیار و اقتدار کی باگ اس کے ہاتھ میں ہو گی!"

زبجی نالڈ تلملا اٹھا،

وہ مجھ سے مل کر نہیں گئی ہے ، ورنہ شاید بتا جاتی !"

زیجی نالڈ ذرا کے ذرا مسکرایا ، پھر پوچھا"

"لیکن تمہیں یہ تو اندازہ ہوگا ، وہ کہاں جا سکتی ہے ؟"

عائشہ نے بے پروائی کے ساتھ کہا ۔

"نہیں ———— اور اگر ہوتا بھی تو نہ بتاتی !"

زیجی نالڈ کو غصہ آگیا ،

"کیوں نہ بتاتیں ؟"

"اس لئے کہ میں اس کی دشمن نہیں ہوں ، آپ کی دوست نہیں ہوں !"

زیجی نالڈ کا غصہ اور بڑھ گیا وہ بولا ،

"مس روز ———— !"

عائشہ نے جھڑکا "

"مجھے مس روز نہ کہئے ، میرا نام عائشہ ہے !"

زیجی نالڈ سمجھوتہ پر آمادہ ہو گیا ۔

"اچھا عائشہ ہی ———— کیا تم کلثوم کے فرار سے بہت خوش ہو ؟ چہرہ سے تو ایسا ہی معلوم ہو رہا ہے ———— ؟"

عائشہ نے بغیر کسی جھجک کے کہا ،

"جی ہاں ، مجھے بے اندازہ مسرت ہے کہ وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئی مجھے اس کی بہادری پر ، دلیری پر ، ہمت پر رشک آرہا ہے ، کاش وہ مجھ سے بازی نہ لے جاتی !"

"بتاؤ کیا کہتی ہو؟"

عائشہ نے ایک عزم کے ساتھ کہا،

"ایک ہی سوال کا بار بار جواب دینا بیکار ہے!"

رنجیت سنگھ نے رابرٹ سے کہا۔

"لے جاؤ، اس نمک حرام کو، تہ خانہ میں بند کر دو۔ جہاں تازہ ہوا اور سورج کی روشنی بھی نہ پہنچ سکے۔"

"میں ایسی بیہودہ باتیں نہیں سننا چاہتا!"

عائشہ نے ترکی بترکی جواب دیا۔

"یہ بیہودہ باتوں کا شریفانہ جواب ہے۔"

غصہ سے بے قابو ہو کر زیجی نالڈ کا ہاتھ بے ساختہ تلوار کے قبضہ پر گیا، پھر وہ غصہ کے عالم میں اسے گھورنے لگا۔

عائشہ نے تلوار سے زیادہ بھرپور وار کیا۔

"ارادہ کیوں تبدیل کر دیا آپ نے؛ تلوار نکالیے" ——— زیجی نالڈ نے جھنجلاتے ہوئے لہجہ میں کہا

"یہ تلوار بارہا نکل چکی ہے، اور جب وقت آئے گا تو پھر نکلے گی، بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؛ اور جواب دینے سے پہلے ایک بات سوچ لو ——— زیجی نالڈ اب تک تم پر رحم و کرم کی بارش کرتا رہا ہے۔ اس نے تمہیں کسی طرح کی اذیت نہیں دی، لیکن اگر تم اس کے غصہ سے کھیلو گی تو ایک مچھر کی طرح مسل دی جاؤ گی۔ پھر تم پناہ مانگو گی، مگر نہ ملے گی، پھر تم زینت حرم بننے کی درخواست کرو گی مگر وہ ٹھکرا دی جائے گی، پھر تم میرے قدموں پر سر رکھو گی اور میں اُسے کچل دوں گا۔ جتنی میری محبت شدید ہے، اتنی ہی نفرت بھی شدید ہے، ابھی وقت ہے، ایک طرف دنیا کی راحت ہے، عیش ہے، سرور و شادمانی کی زندگی ہے، دوسری طرف غلامی ہے، ذلت ہے، محنت ہے، مشقت ہے، فقر و فاقہ ہے۔ اور تمہیں پورا اختیار ہے کہ ان دونوں میں سے جسے چاہو پسند کر لو!"

یہ کہہ کر زیجی نالڈ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا، بالکل عائشہ کے قریب آگیا،

تھی، مقام غیسل میں صلاح الدین نے اپنے لشکر کا معائنہ کیا اور اس لشکر کو معمولی طریقہ پر صفوف جنگ میں اس طرح آراستہ کیا کہ ایک قلب رکھا اور دو بازو۔ طلایہ اور عقب کو اپنی اپنی جگہ متعین کیا۔ دونوں بازوؤں کی سرداری تقی الدین اور کوکبری کو دی۔ قلب کو اپنی سرکردگی میں رکھا۔ غرض اس طرح لشکر کو مرتب کر کے وہ ۲۶ ربیع الثانی ۵۸۳ھ کو آگے بڑھا۔ جمعہ کا دن تھا بعد نماز جمعہ وہ اپنا لشکر لے کر چلا۔ جمعہ کا دن صلاح الدین لڑائی کے لئے مبارک سمجھتا تھا۔ ممکن تھا کہ نمازیوں کی دعائیں جن میں عباد و زہاد بھی ہوں خدا کی جناب میں اس کی سفارشی بنیں۔

عیسائیوں نے بھی مقابلہ کے لئے غضب کی تیاریاں کی تھیں، ان کا لشکر گراں، صفوریہ کے مقام پر جمع ہوا،

"صفوریہ ناصرۃ سے شمال مغرب میں ایک شہر تھا۔ جس کے گرد شہر پناہ نہ تھی۔ ناف شہر میں ثننت این کا گرجا تھا۔ پہاڑی پر ایک مضبوط قلعہ تھا۔ جس کے نیچے بھورے بھورے رنگ کے اناج کے کھیت علاقہ جلیل بالا کے تحت اور نوکیں نکلے چٹانی پہاڑوں تک پھیلے نظر آتے تھے۔ مشرق میں ان کا پھیلاؤ طبریہ کی زمینوں تک تھا۔ یہ مسطح قلعہ بالکل کشادہ مگر ایک بے آب ارض مرتفع پر واقع تھا صفوریہ کا چشمہ جانب جنوب ایک میل کے فاصلہ پر ایک ایسی گھاٹی میں تھا جہاں بہت سے باغات تھے۔ اور ایک ندی بھی، نکلتی تھی جس سے آٹھ پن چکیاں چلتی تھیں۔ پس یہ مقام ہر لحاظ سے اتنے بڑے لشکر کے لئے جیسا کہ اس وقت گائی کے گرد جمع تھا۔ آرام سے گذر کرنے کے لئے بہت کافی تھا۔ آس پاس کی زمین پر بہت سے گاؤں اور قریے تھے۔ جہاں سے کافی سامان خورد و نوش مہیا کیا جا سکتا تھا۔

فیصلہ کن معرکہ

ریجی نالڈ کی اشتعال انگیزی نے صلاح الدین میں ایک نیا عزم، ایک نیا ولولہ، ایک نیا جوش پیدا کر دیا، ایک مرتبہ پہلے بھی اس نے کرک کے قلعہ کا محاصرہ کیا تھا، لیکن پھر فتح کا خیال ترک کر دیا تھا، اب اس نے طے کر لیا تھا کہ ہر قیمت پر اس ناقابل تسخیر قلعہ کو سر کر کے رہے گا، یہ شرارت کا مرکز اور بد عہدی کا نشان ہے اسے زمین کے برابر ہو جانا چاہیے، یا پھر دشمن کے قبضہ اور تصرف سے نکل آنا چاہیے، اس نے طے کر لیا تھا نہ صرف کرک کے قلعہ کو، بلکہ یروشلم کی مسیحی سلطنت کو ختم کر کے دم لے گا، تاکہ یہ آئے دن کی چپقلش ختم ہو، "۲۸ اپریل ۱۱۸۷ء کو اس نے اپنا علم ولایت حوران کے ایک مقام عشترا پر نصب کیا اور جہاد کے لئے اپنی فوجیں مختلف مقامات پر جانے کے لئے تقسیم کر دیں"۔

یہ لڑائی لڑنے کے لئے، صلاح الدین نے عشترا کے مقام پر اپنا لشکر جمع کیا، حلب کا لشکر بھی پشت پناہی کو موجود تھا اور موصل کا بھی، ماردین کے جاں باز بھی، راہ اسلام میں کٹ مرنے کے لئے آموجود ہوئے تھے،

علاوہ ان کے بہت سے رضاکار بھی لشکر میں راہ خدا میں جان دینے کو شامل ہوئے

دراز فاصلے کو بھی طے کر لیا تو پھر بھی یہی دیکھنا پڑتا کہ دشمن نے تمام چشموں اور ندیوں پر جو بہہ کر جھیل میں گرتی تھیں اپنا قبضہ جما رکھا ہے ۔

دونوں طرف کے لشکر پورے طور پر تیار تھے، مسلمانوں کو اپنے خدا پر بھروسہ تھا، اور عیسائی نشۂ قوت میں سرشار تھے ۔

۳ جولائی کو جمعہ کے دن عیسائی لشکر نے صفوریہ سے اپنا سامان اٹھا کر طبریہ کی طرف کوچ کرنا شروع کیا، مگر یہ کوچ آخرکار نہایت مہلک ثابت ہوا ۔ جونہی صفوریہ سے باہر لشکر نکلا مسلمان لڑنے والوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں اُن پر ٹوٹ پڑیں مورخ ارنول کا بیان ہے کہ اس کا آقا بالیان عیبیلی مسیحی لشکر کے آگے کے حصہ میں تھا ۔ اور وہ ریمنڈ کی ماتحتی میں کام کرتا تھا ۔ اُس کے بہت سے نائٹ مارے گئے اُس دن صبح سے شام تک مسلمانوں کے ہلکے ہتھیار والے سواروں نے عیسائیوں کے لشکر کو جو گرم اور بے سایہ رستے پر اور وہ بھی جو چونے کے سپید چٹانوں میں سے گزرتا، آہستہ قدم جا رہا تھا پریشان رکھا ۔ دھوپ سخت تھی اور نائٹ جو فولاد کی زرہ بکتر لگائے سروں پر آہنی خود رکھے تھے اندر ہی اندر پک اُٹھے تھے ۔ آخر ان جیرپل خانوادیہ کے شہسواروں اور ترکوپول سواروں کو اتنا ستایا کہ وہ بادشاہ گائی کے ساتھ فوج قلب پر قائم نہ رہ سکے اور انہیں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں وہ بڑے لشکر سے جدا نہ ہو جائیں، یہ خطرہ دیکھ کر بادشاہ گائی نے قیام کرنے کا حکم دیا ۔ گو طبریہ پہنچنے کے لئے ابھی تک نصف راہ طے ہوئی تھی ۔ اب تجویز ہوا کہ ہتھیار لگائے رات کو قیام کیا جائے ۔ قومس ریمنڈ نے جو فوج طلایہ کے ساتھ آگے دور نکل گیا تھا بہت کہا کہ قیام نہ کرو مگر کسی نے نہ سُنا ۔ ریمنڈ برابر کہتا رہا کہ جب تک پانی تک نہ پہنچ

صلاح الدین کا لشکر مشرق کی جانب دس میل کے فاصلہ پر ایک بلند زمین پر اترا ہوا تھا، یہ بلند قطعہ زمین موضع حطین کے پاس سے گذر کر دور تک جنوب میں پھیلا ہوا تھا، جس مقام پر اسلامی لشکر تھا، اس کے چاروں طرف زیتون اور میووں کے درخت بکثرت تھے اور ایک چشمہ تھا جس میں پانی بکثرت اور شیریں تھا اور جو مغرب کی طرف بہتا ہوا وادی حمام کے غار میں جا گرتا تھا۔ وہاں بہت سی گھاٹیاں نشیب میں تھیں، شہر طبریہ کے گرد و نواح میں پانی بہت تھا، مقام جنگ کا حال یہ تھا جبل حطین کی چوٹی سے کوئی آدمی کھڑا ہو کر مغرب کی طرف نگاہ کرے تو دھوپ سے جھلسے ہوئے پتھریلے میدانوں یا پہاڑوں کی لنگڑی دار چوٹیوں کے سلسلوں کے سوا جن پر کہیں کہیں بھورے رنگ کی خشک گھاس جمی تھی۔ اطراف شمال اور جنوب میں اور کچھ نظر نہ آتا تھا، پشت پر عین الجبل (عین الطبریہ) ستر سو فیٹ نشیب میں پڑی چمکتی تھی۔ اس جھیل کے گرد اونچی اونچی چٹانیں کھڑی تھیں، جن کا عکس اس کے چمکتے ہوئے پانی پر پڑتا تھا۔ شمال کی سمت میں جبل ہرمون کہیں کہیں اپنے راستوں پر برف کی دھاریاں دکھاتا اردن بالا کی گھاٹی میں سب سے اونچا نظر آتا تھا، یہ سطح زمین دمشق تک پھیلی چلی گئی تھی اور قلعہ صفد کے برج جھیل کے شمالی کناروں سے اونچے نظر آتے تھے، جنوب کی طرف قلعہ کوکب کی سیاہ دیواریں اور خندقیں اس ارض مرتفع پر قہر و غضب کی نگاہیں ڈالتی تھیں۔ موقع ایسا تھا کہ اگر مسلمانوں کو شکست ہو جاتی تو وہ قطعی تباہی میں آ جاتے ایسا ہی پہاڑوں پر سے لڑھکتے ہوئے جھیل میں جا گرتے۔ لیکن عیسائیوں کو مسلمانوں کے لشکر تک پہنچنے میں ایک ایسا قطعہ زمین طے کرنا پڑتا تھا۔ جس میں پانی نام کو نہ تھا۔ اور اگر اس دور د

سے خاص خاص تعداد میں ان میں تیر تقسیم کر دیئے تھے۔ ہر سوار کا ترکش تیروں سے پُر تھا۔ ضرورت کے وقت کام میں لائے جانے کے لئے ستر اونٹ تیروں سے لدے کھڑے تھے اور چار سو ستر قنتر سامانِ حرب کے فوج میں موجود تھے۔ تیاری ہر طرح پر مکمل تھی۔ مسلمانوں کو جہاں وہ تھے اپنے موقع محل کے خطرناک ہونے کا علم تھا۔ وہ کہتے تھے کہ بس اللہ تعالیٰ ہی انہیں پناہ میں رکھ سکتا ہے۔ جس وقت افرنجیوں کی بُری حالت کا انہیں احساس ہوا تو پھر ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ غرض دونوں لشکروں کا مقابلہ موضع لوبیا کے قریب ہوا۔ یہ گاؤں حطین سے جنوب میں دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ مسلمانوں کے ایک زبردست دستہ فوج نے جو کفر سبت پر قبضہ کئے تھا بادشاہ یروشلم گائی کو طبریہ جانے والی سڑک پر دیکھ کر اس سڑک سے اُسے ہٹا دیا۔ گائی اس فکر میں تھا کہ کسی طرح شمال میں وادی حمام کے چشموں تک پہنچ جائے۔ مسلمانوں نے اب اپنے حملے کچھ دیر کو بند کر دیئے تاکہ چڑھتا سورج اپنی تمازت عیسائیوں پر اپنا مہلک اثر پہنچائے۔ عیسائیوں کی فوج قلب نے آگے بڑھنے سے کسی قدر انکار کیا مگر بازوؤں کی فوجیں آگے بڑھیں۔ لڑائی شروع ہوگئی۔ اس طرح کہ مسلمان تیراندازوں کی طرف سے تیروں کا ایک بادل چلا۔ تیر اتنے تھے کہ ٹڈیوں کی پرواز معلوم ہوتی تھی۔ ان تیروں نے بہت سے عیسائی سواروں کو گھوڑوں کے نیچے گرا دیا۔ پھر ایک لخت نعرے لگا کر مسلمانوں نے تن واحد بن کر عیسائیوں پر دھاوا کیا اور اب جنگ مغلوبہ شروع ہوئی۔ میدانِ جنگ کا کوئی چپہ ایسا نہ تھا جہاں صلاح الدین پہنچ کر سپاہیوں کی ہمت نہ بڑھاتا ہو۔ اگر ضرورت دیکھتا تو سپاہیوں کو روکتا۔ عربوں کے حربی طریقے جن سے دشمن دھوکے میں پڑے اپنی سپاہ کو بتاتا یعنی جب دشمن دھاوا کرے تو خود بھاگیں۔ اور جب دشمن تعاقب میں کچھ دور نکل آئے تو پلٹ کر اُسے غارت کر دیں۔ عیسائی اگرچہ

جائیں کوچ جاری رکھا جائے۔ مگر تھکے ہارے عیسائیوں میں اتنی ہمت نہ تھی کہ پہاڑوں پر جو فوجیں مسلمانوں نے بٹھا رکھی ہیں ان سے اپنی جو حالت ہو رہی تھی اسی میں فوراً مقابلہ کریں غرض کل عیسائی لشکر میں ایک ہلچل سی مچ گئی تھی۔ ایسی حالت پریشانی میں بادشاہ گائی نے حکم دیا کہ مارس کلے یار پر فوج اپنے خیمے نصب کرے۔ یہ حکم سن کر ریمنڈ نا امید ہو گیا۔ آگے والی فوج میں گھوڑے پر سوار حالت مایوسی میں کہتا تھا: "افسوس۔ افسوس۔ اے خداوند خدا۔ لڑائی ختم ہوئی۔ اب ہم سب مر چکے ہیں زندہ نہیں ہیں مردہ ہیں۔ مسیحی سلطنت غارت ہوئی"

یہ رات ایسی تھی جسے کوئی نہیں بھول سکتا تھا۔ ساری رات سوائے پانی مانگنے کی آوازوں کے دوسری صدا نہ تھی۔ سخت تشنگی نے انسان اور حیوان دونوں کو نیم جان کر دیا تھا۔ عیسائیوں کے لشکر کے گرد مسلمان گشت لگاتے تھے خوش ہو ہو کر "اللہ اکبر" اور "لا الہ الا اللہ" کے نعرے بلند کرتے تھے عیسائی ان کی آوازیں سنتے تھے۔ مسلمانوں نے ایک آفت یہ اور ڈھائی کہ جھاڑیوں میں آگ لگا دی۔ اس کی گرمی اور دھوئیں نے عیسائیوں کو اور پریشان کیا۔" اور اب حقیقت میں خدا نے آنسوؤں کی روٹی کھانے اور ندامت و خجالت کا جام پینے کو دیا۔ جس کی تلخی کی کوئی حد نہ تھی"

آخر کار دن نکلا۔ یہ دن ولی مارٹن کے زندہ آسمان پر چلے جانے کی یادگار مانا جاتا تھا ہفتہ کا دن تھا اور تاریخ چوتھی جولائی تھی۔ مسیحی نائٹ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ پیدل فوج پہلے ہی ہمت ہار چکی تھی۔ پیاس کی شدت سے اس کی بری نوبت تھی گھوڑوں اور شتروں پر مسلمانوں نے جتنا دم تھے اپنے پہرے بٹھا رکھے تھے۔ رات میں صلاح الدین نے اپنی فوجیں تقسیم کر کے مختلف مقامات پر بھیج دی تھیں۔ اور نہایت احتیاط

آئے۔۔ ریمینڈ کے پانچ نائٹوں نے یہاں تک زندگی سے مایوسی ظاہر کی کہ وہ صلاح الدین کے پاس آئے اور کہا۔ "آقا۔ کیوں دیر کرتے ہو ان پر حملہ کیوں نہیں کرتے۔ وہ خود کچھ نہیں کر سکتے۔ ان کو تو حضور مرا سمجھیں"!

عکہ کا اسقف صلیب ہاتھ میں لئے عیسائی نائٹوں، سواروں، پیادوں، اور بہادروں کے حوصلے بڑھا رہا تھا، لیکن اب ان میں کیا رہا تھا،؟ ان کے حوصلے دم توڑ چکے تھے، ان کی ہمت جواب دے چکی تھی، ان کی طاقت ٹوٹ چکی تھی، اب نہ ان میں عزم مقابلہ تھا، نہ ولولۂ جنگ، وہ ہار چکے تھے،!

عکہ کا اسقف اس جنگ میں کام آیا، اس کی صلیب اس سے چھن گئی۔

ایک عیسائی مورخ لکھتا ہے:۔

"معلوم ہوتا تھا، کہ صلیب پرستوں پر سے خدا نے اپنا ہاتھ اٹھا لیا ہے، پیاس سے نڈھال، گرمی سے بے تاب، سراپا درماندگی کی تصویر بنے، وہ اپنے گھوڑوں پر سے اتر پڑے اور زندگی سے مایوس ہو کر، وہ خشک گھاسوں پر لوٹتے تھے۔

عیسائیوں کے اس حال زار کو دیکھ کر مسلمانوں نے اپنے گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں، اور چشم زدن میں اُن کے پاس پہنچ گئے، یہ فرنگی اب اس قابل نہ رہے تھے کہ مسلمانوں سے اپنے تئیں بچا لے سکتے، یہ اتنے خستہ ہو چکے تھے کہ اپنی جانوں کو کسی قیمت پر فروخت نہ کر سکے، انھوں نے اپنی تلواریں پھینک دیں اور گرفتاری کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا، (۱)

جنگ ختم ہو گئی،!

---

(۱) یہ جنگی تفصیلات مورخ لین پول سے ماخوذ ہیں۔

پہلے ہی ہارے تھکے ہوئے تھے تاہم وہ جان توڑ کر لڑے ، مگر خوف و ہراس کے پنجوں نے اُن کے گلے پکڑ رکھے تھے اور وہ اس طرح موت کی طرف ہانکے جاتے تھے ، جیسے بھیڑیں مذبح کی طرف ہانکی جاتی ہیں وہ سمجھ رہے تھے کہ اب موت و ہلاکت کا وقت آ گیا ہے اور جانتے تھے کہ کل وہ سب اپنی قبروں میں ہوں گے مگر اس پر بھی لڑائی کا طیش و غضب کم نہ ہوا اور مسیحی شہسواروں نے جو کوئی بھی سامنے آیا صف بلاک کیا حتیٰ کہ مومنوں کو فتح نصیب ہوئی اور بے دین غارت ہوئے ۔"

افرنجیوں کی پیدل فوج جو پیاس سے بے قرار اور دیوانی ہو رہی تھی ۔ جلتی دھوپ سے جھلس کر اور جھاڑیوں کی آگ کی روشنی اور دھوئیں سے اندھی ہو کر جو مسلمانوں نے جلا رکھی تھی بالکل بے ترتیب ہو گئی اور مسیحی شہسواروں کا ساتھ نہ دے سکی ۔ فتح کی امید اگر کچھ ہو سکتی تھی ، تو اسی میں تھی کہ پیدل اور سوار ساتھ رہیں یہاں عیسائی پیدل اور سوار اس کشمکش میں تھے کہ اسی طرح جھیل تک پہنچیں اور پیاس بجھائیں مگر صلاح الدین نے تمام راستے روک رکھے تھے ۔ عیسائی فوجوں کو اب معلوم ہوا کہ وہ تو ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک ڈھیر کی طرح پڑے ہیں ۔ بادشاہ گائی بار بار ان سے منتیں کر کے کہتا کہ نیچے اتر آئیں ، صلیب اور تخت کی خدمت ادا کریں مگر وہ جواب دیتے کہ ہم پیاس سے مر رہے ہیں ہم سے اب لڑا نہیں جاتا ۔ اس کے بعد پیدل فوج نے ان لڑائیوں میں کچھ کام نہ کیا ۔ آخر کار اسلامی فوج اُن پر حملہ آور ہوئی ، بہت سے سپاہیوں کو پہاڑ کے نیچے دھکے دے کر گرا دیا اور وہ ختم ہو گئے جو باقی رہے انہیں قتل کیا یا قید ۔ بہت سے عیسائی سپاہی ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنے ہتھیار پھینک دیئے اور اطاعت قبول کر لی ۔ مسلمانوں کے پاس وہ منہ کھولے کتوں کی طرح پیاس کے مارے زبانیں لٹکائے

جنگ کے خاتمہ پر جو لوگ گرفتار ہوئے، ان میں بے شمار سپاہیوں اور سواروں کے علاوہ، یروشلم کا بادشاہ گائی تھا، اس کا جنگ آزمودہ بھائی جا ئیلوں تھا تبئس کا فرماں روا ہمفری تھا، داویہ اور بیطار کے سردار اور سرکردہ تھے، بہت سے عیسائی شرفار اور امرا تھے، جو مشرق و مغرب، یعنی یورپ کے مختلف ممالک کے باشندے تھے۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ریجی نالڈ تھا، !

صلاح الدین کی تلوار

آج کا دن غیر معمولی اہمیت کا دن تھا ——————!

آج فیصلہ کا دن تھا،!

جو لوگ جنگ کے میدان میں گرفتار ہوئے تھے، آج اُن کی قسمت کا فیصلہ کیا
[جا]تا تھا، سلطان صلاح الدین نے اس میدان جنگ میں جہاں معرکہ کی لڑائی ہوئی تھی،
[جہ]اں دشمن کے سر کٹے تھے، حق اور باطل کی آویزش ہوئی تھی، حق غالب آیا تھا، اور
[باط]ل ناکام و نامراد ہوا - اپنا زرکار و زرنگار خیمہ نصب کر دیا - اس خیمہ میں وہ مسند شاہی پر
[ب]زاراں جاہ و تمکین متمکن ہوا، پھر اس نے حکم دیا کہ قیدی حاضر کئے جائیں!

یہ یروشلم کا بادشاہ گائی ہے جسے اپنے دست و بازو پر ناز تھا، جس نے مسلمان
[کو] تہس نہس اور غارت کر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا —————— لیکن آج
[قی]دی ہے، سر جھکا ہوا، آنکھیں بے نور، بدن مرتعش۔

یہ ترکی نالڈ ہے، جو صلاح الدین کا مذاق اڑایا کرتا تھا، جس نے حجاز مقدس پر
[حملہ کرن]ے کا پروگرام بنایا تھا، جس نے حاجیوں اور قافلوں کو بار بار لوٹا تھا

ے جاتیں جو انہیں ہمیشہ ملتا رہا ہے۔ آج بھی ہمارا رحم و کرم ان کی سفارش کر رہا ہے اور ہم وہ سفارش قبول کرنے پر اپنے تئیں مجبور پاتے ہیں ——————

سلطان نے بادل کی طرح گرج کر کہا،

"لیکن ریجی نالڈ تو نہیں بچ سکتا، تو قتل ہو گا، اور تجھے میں اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا ——————" میں نے اپنے دل سے دو مرتبہ عہد کیا تھا کہ تجھے قتل کروں گا ایک اس وقت جب تو نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے اپنی فوجیں آگے بڑھائی تھیں، اور دوسرے اس وقت جب تو نے حاجیوں اور بے سروسامان مسلمانوں پر قتل و غارت کا سلسلہ شروع کیا، اور وہ بھی دھوکے سے!" ——————

وقت آگیا ہے کہ میں اپنی قسم پوری کروں! ؟ [1]

یہ کہتے کہتے غازی صلاح الدین نے تلوار میان سے نکالی مسند شاہی سے نیچے اترا، اور ریجی نالڈ کی گردن ایک ہی وار میں قطع کر دی!"

سارے دربار پر سناٹا چھایا ہوا تھا، ہر شخص لرزہ براندام تھا سلطان اس وقت قہر و جلال کا پیکر نظر آ رہا تھا، تلوار اب تک اس کے ہاتھ میں تھی، جس سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے، اور ریجی نالڈ کی کٹی ہوئی گردن عبرت و موعظت کا درس دے رہی تھی، ریجی نالڈ کا یہ حشر دیکھ کر شاہ یروشلم گائی، بید لرزاں کی طرح کانپنے لگا، اسے اپنا انجام روز روشن کی طرح صاف نظر آ رہا تھا، اس کا حلق خشک ہو رہا تھا، ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں، چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی، بدن پر رعشہ طاری تھا۔

صلاح الدین نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

---

[1] یہ واقعہ تمام متداول تاریخوں میں موجود ہے۔

جس نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو جنگ کے میدان سے گرفتار کئے بغیر غلام اور کنیز بنایا تھا جس نے بار بار امن و صلح کے عہد ناموں پر دستخط کئے تھے، اور ہر مرتبہ ان عہد ناموں کو ردی کاغذ کی طرح چاک کر دیا تھا ——— آج یہ قیدی تھا بے بس، بے سہارا، زندگی سے مایوس، شرمسار و رنجور، نادم و منفعل، !

صلاح الدین پر اس وقت عجیب کیفیت طاری تھی، اس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا، وہ جوش سے بے قابو ہو رہا تھا۔ ریجی نالڈ کو دیکھ دیکھ کر اس کی آتش انتقام تیز تر ہوتی جا رہی تھی، دفعتہً اس کی آواز فضا میں گونجی، اس نے کہا۔

"ریجی نالڈ" !

ریجی نالڈ نے آنکھ اٹھا کر صلاح الدین کو دیکھا، اور سر جھکا لیا،

صلاح الدین کی آواز پھر فضا میں گونجی،

"ریجی نالڈ ——— دشمنوں کے ساتھ ہمارا برتاؤ ہمیشہ شریفانہ رہا ہے ہم نے ان کی غلطیاں معاف کیں، انہیں صلح و امن کی زندگی بسر کرنے پر آمادہ کیا ان کے ساتھ اخلاق اور رواداری کا برتاؤ کیا۔ ان کی بد اطواریوں، اور عہد شکنیوں کو نظر انداز کر دیا ——— کیوں ریجی نالڈ کیا تم انکار کر سکتے ہو ؟"

ریجی نالڈ کے لبوں نے جنبش کی،

"نہیں ——— میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ نے جو کچھ فرمایا، وہ صحیح اور درست ہے ؛"

سلطان نے فرمایا،

ممکن ہے آج بھی ہمارے یہ مجبور اور گرفتار دشمن ہماری بارگاہ سے رہائی

صلاح الدین زندہ باد!"

صلاح الدین نے شفقت اور عنایت کا اظہار کرتے ہوئے، اگائی کو ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس مسند پر بٹھالیا، جیسے وہ اس کا برابر کا دوست ہو، پھر اس نے ایک سردار کی طرف دیکھا اور کہا،

"کلثوم حاضر کی جائے،!"

کلثوم شاہی خیمہ میں سلطان کے خاندان کے ساتھ رہ رہی تھی۔ وہ فوراً حاضر کی گئی، سلطان نے محبت بھری نظروں سے اُسے دیکھا اور کہا،

"بیٹی، میں نے اپنی قسم پوری کی ———— یہ دیکھو ریجی نالڈ کا کٹا ہوا سر!"

کلثوم کا چہرہ جوشِ مسرت سے چمکنے لگا، اس نے کہا۔

"اس کا اجر آپ کو بارگاہ رب العزت سے ملے گا!"

سلطان نے احمد کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

"کلثوم کو اپنے ساتھ لے کر کرک کے قلعہ میں جاؤ، اس کے خاندان کے مصیبت زدہ لوگوں کو بشارت دو کہ مصیبت، تکلیف، ذلت اور بربادی کا دور ختم ہوگیا، ان سب کو اعزاز و اکرام کے ساتھ ہمارے حضور میں لاؤ، ہم اُن کے نقصان کی تلافی کریں گے۔ ان کا غم دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ ان بیچاروں کو بہت صدمے پہنچے ہیں، شاید ہمارے دامن عاطفت میں یہ سکھ اور چین محسوس کر سکیں،!"

پھر وہ اسلم سے مخاطب ہوا،

"تم بھی احمد کے ساتھ قلعہ میں جاؤ۔ وہاں کے املاک وسامان اور زرِ نقد کی فہرست

"تم خائف نظر آرہے ہو، لیکن نہیں تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں، تمہارے ساتھ ہم وہی سلوک کریں گے جو ایک بادشاہ کو ایک بادشاہ کے ساتھ کرنا چاہیئے[1] ریجی نالڈ کا انجام ہرگز اتنا ہولناک نہ ہوتا اگر وہ حد سے نہ بڑھ گیا ہوتا، اگر اس نے ہمارے مذہبی احساسات کو ٹھیس نہ پہنچائی ہوتی!"

بادشاہ گائی کی جان میں جان آئی، اس نے کہا،

"سلطان کا ارشاد بجا اور درست ہے۔!"

صلاح الدین نے متبسم ہو کر اسے دیکھا، اور گویا ہوا

"تم آزاد ہو!"

گائی نے سر عقیدت جھکایا اور عرض کیا۔

"اس نوازش، اس کرم، اس بندہ پروری کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں؟

—— خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست —— لیکن

سلطان والاشان، وہ بدقسمت لوگ جو میرے ہمرکاب تھے، جو میرے ساتھ گرفتار ہوئے وہ اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے منتظر ہیں ان کے بارے میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟"

سلطان مسکرایا،

"جب تم آزاد ہو تو وہ بھی آزاد ہیں!"

گائی ایک مرتبہ پھر رکوع میں جھک گیا،

"واقعی سلطان کریم نفس اپنی توقع سے زیادہ سخی، فیاض، بامروت اور روادار پایا،

وہ قوم ہمیشہ سربلند رہے گی جس کا سلطان اتنا عالی ظرف ہو ——

---

[1] تمام مستند تاریخیں اس واقعہ کی تائید کرتی ہیں۔

عائشہ

چند سواروں کا دستہ لے کر احمد اور اسلم کلثوم کے ساتھ کرک کے قلعہ کی طرف روانہ ہوئے، وہاں کے لوگوں کو زنجی نالڈ کا انجام معلوم ہو چکا تھا کسی نے کوئی مزاحمت نہ کی سب نے سر تسلیم خم کر کے اپنی غیر مشروط اطاعت کا اعتراف کیا،

احمد نے قلعہ میں داخل ہوتے ہی سلطان کے حسب الحکم ان تمام مسلمانوں کو رہا کر دیا جنہیں وقتاً فوقتاً زنجی نالڈ نے دھوکے سے گرفتار کیا تھا، اور جو اب ایک عرصہ سے تختۂ مشق ستم بنے ہوئے تھے، پھر کلثوم کے اہل خاندان کی باری آئی ام سلیم، رقیہ زینب، یہ سب کلثوم کو دیکھتے ہی اس سے لپٹ گئیں، یہ منظر بڑا اثر انگیز تھا، ام سلیم نے بیٹی کو گلے سے لگاتے ہوئے کہا،

"میری بچی!"

اور پھر وہ آگے کچھ نہ کہہ سکیں، پھوٹ پھوٹ کے رونے لگیں، لیکن کلثوم کی آنکھیں عائشہ کو تلاش کر رہی تھیں وہ اس مجمع میں نہیں تھی، آخر وہ ضبط نہ کر سکی، اس نے ماں سے پوچھا،

تیار کرو، وہاں اپنے سپاہی متعین کر دو، اگرچہ عیسائی اب بھی وہاں موجود ہوں، تو انہیں اجازت دو کہ جہاں جانا چاہیں چلے جائیں - وہ اپنے ساتھ ضروری اسباب اور زر نقد بھی لے جا سکتے ہیں!"

پھر گاگی نے اجازت چاہی، آداب بجا لا کر اپنے ساتھیوں سمیت دمشق چلا گیا اور اس ہولناک اور لرزہ خیز جنگ نے عیسائیوں کے حوصلے پست کر دیئے، انہیں بڑی مشکل سے اپنے آپ کو یہ یقین دلانا پڑا کہ مسلمان لقمۂ تر نہیں ہیں ساری عیسائی دنیا متحد اور متفق ہو کر بھی انہیں زیر نہیں کر سکتی، یورپ کے بڑے بڑے تاجداروں کی امداد، یورپ کے بڑے بڑے ملکوں کے رضاکاروں کا سیل رواں، یورپ کے ہر ملک کے عیسائی فدائیوں کا عہد اور جذبۂ استقامت بھی مسلمانوں کے حصار آہنی میں شگاف نہیں ڈال سکتا، اس جنگ کے بارے میں مشہور عیسائی مؤرخ لین پول نے سچ ہی تو کہا ہے -

"عرصۂ دراز تک جنگ کا یہ میدان جو اس خونریز لڑائی کا مرکز رہا تھا اور جہاں تیس ہزار آدمیوں کی لاشیں تڑپی تھیں، مشہور اور نام رہا، ایک سال کے بعد سفید سفید ہڈیوں کے تودے اور ڈھیر دور سے لوگوں کو نظر آتے تھے، اور جانوروں کے کھانے کے بعد جو ٹکڑے لاشوں کے بچ رہے تھے وہ بھی میدان میں جا بجا بکھرے نظر آتے تھے!"

"آہ! ——— معلوم ہوتا ہے ظالم نے اُسے قتل کر دیا!"

احمد نے تسلی دی،

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، وہ مل جائے گی!"

کلثوم روتے روتے بولی،

"آپ نہیں جانتے وہ بڑا ظالم اور خونخوار تھا، اُس نے ضرور میری جان سے پیاری عائشہ کو مار ڈالا ہوگا، وہ آن پر مٹنے والی لڑکی تھی، غیور، خوددار، مستقل مزاج، بے خوف، بے باک، زیجی نالڈ نے اس سے ایسی ویسی باتیں کی ہوں گی، اس نے منہ توڑ جواب دیا ہوگا، غصہ میں آکر اُسے ہلاک کر دیا ہوگا!"

کلثوم کے آنسو جاری تھے اور احمد سخت کشمکش و پیچ کے عالم میں تھا کہ کیا کرے اس نے اسلم سے پوچھا،

"اب کیا کیا جائے؟"

اتنے میں زیجی نالڈ کا خاص کارندہ حاضر ہوا، اسلم نے اس سے پوچھا،

"کیوں جی (کلثوم کی طرف اشارہ کر کے) وہ ان کی ایک بہن تھی، جسے زیجی نالڈ نے گرفتار کیا تھا وہ کہاں ہے؟"

کارندے نے کہا،

"وہ تو سیاہ تہ خانے میں قید ہیں ——— آیئے میرے ساتھ!"

اسلم، احمد، کلثوم، رقیہ، زینب، ام سلیم یہ مختصر سا قافلہ اس شخص کی رہنمائی میں سیاہ تہ خانے کی طرف روانہ ہوا، راستہ میں وہ کہنے لگا، ———

"صاحب، ہمارے آقا قتل ہو گئے، اللہ ہمیں بھی ایک دن مرنا ہے لیکن ایسی

"عائشہ کہاں ہے؟"

اُم سلیم نے کہا،

"خدا غارت کرے اس تربگی نالڈ کو، اس نے اس کی نافرمانی اور سرتابی سے برہم

ہو کر اسے کہیں اور قید کر دیا ہے۔"

کلثوم نے ماں کو دلاسا دیتے ہوئے کہا،

"اماں، تربگی نالڈ کو خدا نے غارت کر دیا، لیکن پہلے عائشہ کا سراغ لگنا چاہیئے!"

پھر اس نے احمد کی طرف دیکھا اور کہا،

"آپ ہی کچھ کیجئے!"

ان نگاہوں میں اور ان مختصر سے سادہ الفاظ میں نہ جانے کس غضب کا اثر تھا،

کہ احمد پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی، اس نے کلثوم کو کوئی جواب نہیں دیا، اس

طرح تکتا رہا جیسے اس کی آنکھیں پتھرا گئی ہوں، جیسے وہ پتھر کا ایک بے حس و حرکت

مجسمہ ہو!

کلثوم نے پھر وہی بات دہرائی،

"کچھ کیجئے نا!"

ان الفاظ میں التجا بھی تھی اور تحکم بھی احمد چونک پڑا، اس نے فوراً اپنے آدمیوں

کو حکم دیا کہ عائشہ کو تلاش کریں، اور قلعہ کا کونہ کونہ چھان ماریں، تھوڑی دیر میں وہ

مایوس واپس آ گئے،

"ہم نے چپہ چپہ اور کونہ کونہ تلاش کر لیا، لیکن ہمیں کہیں سراغ نہیں ملا!"

کلثوم رونے لگی۔

کہ یہ تو اس کی عائشہ تھی -!

عائشہ کو دیکھ کر ایک برقی لہر دوڑ گئی، اس کے سارے بدن میں، اس کا دل دھڑکنے لگا، اس کے دماغ نے کام کرنے سے انکار کر دیا - اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا - سر چکرانے لگا - اگر احمد نے اور زکی مالڈ کے کارندے نے اُسے سنبھال نہ لیا ہوتا تو پختہ فرش پر وہ گر پڑتا اور پھر نہ جانے اس کا کیا حال ہوتا

کئی دن تک وہ صاحب فراش رہا، بستر سے اٹھنے کا یارا نہ رہا - کئی روز تک عائشہ بستر پر پڑی رہی، جنبش کرنے کی سکت نہ رہی تھی، اس میں کلثوم ان دونوں کے درمیان واسطہ کا کام دیتی تھی، دونوں ایک دوسرے کی خیریت اسی سے دریافت کر لیتے تھے، وہ ایک دوسرے کی خیر و عافیت سے مطلع کر دیتی تھی، دونوں چاہتے تھے کہ ملیں، باتیں کریں، لیکن کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ حرف مطلب زبان تک لا سکے، کلثوم نے عائشہ کا سارا حال اسلم سے بیان کر دیا تھا - اور اسلم نے یہ حال سن کر دل ہی دل میں اس کے سامنے سر عقیدت خم کر دیا تھا، وہ عائشہ سے محبت کرتا تھا - اس کے لئے نقد دل ہار چکا تھا، اور نقد جان کی بازی لگانے پر ہر وقت تیار رہتا تھا، وہ اس کی عزت کرتا تھا، لیکن یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ عائشہ اتنے اونچے کردار کی ہو سکتی ہے کہ بوڑھے باپ کو خوش رکھنے کے لئے اپنے محسن اسحٰق کا دل رکھنے کے لئے اپنی محبت قربان کر دینے پر تیار ہو جائے اپنا دل قربان کر دے، اب اُسے یاد آ رہا تھا کہ جب عائشہ نے اُسے مایوس و ناکام واپس کیا تھا، تو ذہنی کشمکش کے باعث اس کی کیا حالت ہو رہی تھی - اس نے کیسے تلخ، درشت اور ناقابل برداشت الفاظ استعمال کئے تھے، اور وہ چپ چاپ

دلِ بیقرار

اسلم کو عائشہ کی ساری داستان درد معلوم ہو چکی تھی، عائشہ سے آخری مرتبہ رخصت ہونے کے بعد وہ اپنے دل میں اس کے لئے بیزاری کا جذبہ لا یا تھا اُسے وہ بے وفا کج ادا، اور سفاک سمجھنے لگا تھا، اُسے عورتوں سے نفرت ہو گئی تھی، اس نے زندگی بھر کے لئے عہد کر لیا تھا کہ وہ کبھی اور کسی عورت سے سروکار نہ رکھے گا، کسی عورت سے محبت نہ کرے گا، کسی عورت کو اپنی زندگی میں داخل ہونے کی اجازت نہ دے گا، کلثوم جب کرک کے قلعہ میں بار بار عائشہ کا نام لیتی تھی، تو اس کے دل پر گھونسہ سا لگتا تھا اُسے اپنی عائشہ یاد آجاتی تھی کئی مرتبہ جی چاہا کلثوم اور احمد کو اسی حالت میں چھوڑ کر چلا جائے، عائشہ کے تلاش و تجسس میں کوئی حصہ نہ لے لیکن نہ جانے کیوں اس ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکا اسوچ سوچ کر رہ جاتا مگر جانے کے لئے پاؤں نہ اُٹھتے، یہاں تک کہ یہ لوگ تہ خانہ میں پہنچے اور عائشہ کو دیکھ کر، اس کی آواز سن کر کلثوم دیوانہ وار اس کی طرف لپکی، اس کی بیہوشی کا حال سُنکر محض جذبۂ انسانیت سے متاثر ہو کر احمد کے ساتھ وہ بھی بڑھا، اور یہ دیکھ کر دنگ اور ششدر رہ گیا

سنتی رہی تھی، اس کی یہ خاموشی، اس کا یہ ضبط، اس کا یہ طرزِ عمل کتنے بڑے، کتنے اونچے جذبہ کا آئینہ دار تھا۔

کلثوم سے اب اس کا برتاؤ وہی تھا جو ایک بھائی کا بہن کے ساتھ ہونا چاہیئے اس نے جس طرح اس کی تیمارداری کی تھی اور اس کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا اس کا تقاضا بھی یہی تھا، ایک روز اس نے کہا، ————

"سنو بہنی کلثوم تکلف برطرف مجھے اسحٰق کے ہولناک اور لرزہ خیز قتل کا بہت دکھ ہے۔ اس کی مرگِ ناگہاں کے تصور سے میرا دل لرزنے لگتا ہے، میں بخوبی محسوس کرتا ہوں کہ یہ زخم تمہارے دل میں ہمیشہ ہرا رہے گا۔ اسحٰق کی یاد تمہارے دل سے کبھی محو نہ ہوگی، لیکن وہ اب واپس نہیں آسکتا، میں ابھی زندہ ہوں، مجھے اسحٰق سمجھو، خدا کو حاضر و ناظر جان کر میں تم سے کہتا ہوں، میرے دل میں تمہارے لئے اور تمہاری وجہ سے رقیہ اور زینب کے لئے وہی محبت لہریں لے رہی ہے، جو ایک سگے اور محبت کرنے والے بھائی کے دل میں ہونی چاہیئے۔ بدقسمتی سے میری ماں کا انتقال ہو چکا ہے، خوش قسمتی سے تمہاری والدہ زندہ ہیں، وہ اب تمہاری ہی نہیں میری بھی ماں ہیں!"

اور کلثوم آب گوں آنکھوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی اپنے نئے اور سچے بھائی کی یہ دل میں اتر جانے والی باتیں سنتی رہی۔ اس ساری تقریر کے جواب میں اس نے صرف اتنا کہا۔

"آپ یہ نہ کہتے تو بھی، میں تو آپ کو اپنا بھائی بنا چکی تھی!"

اسلم نے اسے محبت بھری نظروں سے دیکھا اور مسکراتا ہوا کہنے لگا۔

"شاباش ———— تم بڑی اچھی لڑکی ہو!"

سوال جواب

اسلم اور عائشہ کا اب تک آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ بار بار اس سے ملنے۔ اس کے پاس جانے، یا اُسے اپنے پاس بلانے کا پروگرام بناتا تھا، مگر بات دل کی دل ہی میں رہتی تھی، زبان تک نہیں آپاتی تھی، اور ادھر عائشہ کا یہ حال تھا کہ جب تک وہ صاحبِ فراش رہا، کلثوم سے اس کی خیریت تو دریافت کر لیتی تھی لیکن کیا مجال ہے جو اس نے اپنے کسی لفظ، یا کسی انداز سے یہ ظاہر ہونے دیا ہو کہ وہ اسلم سے ملنا چاہتی ہے۔ یا تجدیدِ محبت پر آمادہ ہے، یا ٹوٹے ہوئے تعلقات و روابط از سرِ نو بحال اور استوار کرنے پر رضامند ہے۔ کلثوم دل سے یہ چاہتی تھی کہ اس کی توجہ پھر اسلم کی طرف مبذول ہو جائے، مرنے والا مر گیا وہ اب واپس نہیں آسکتا، مرنے والا چاہے جتنا محبوب ہو لیکن اس کے پیچھے دوسرے نہیں مر جاتے انہیں شاد و ناشاد زندگی کے دن بسر ہی کرنا پڑتے ہیں، پھر عائشہ کیوں نہ اس غم کو بھول کر از سرِ نو اپنی زندگی کا آغاز کرے؛ پھر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ عائشہ کے دل سے ایک دن کے لئے بھی اسلم کی محبت نہیں نکلی بے شک وہ اسحٰق کی صداقت

جواب خاموشی، ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے بے انتہا پریشان اور دلگیر ہیں، بلکہ میں تو ایسا
سوس کرتی ہوں، جیسے یہاں کا رہنا بار ہو رہا ہے ان پر ——————"

اسلم نے پھر سوال کیا،

"یہ تم نے کیسے جانا؟"

کلثوم نے بتایا،

کئی مرتبہ کہہ چکی ہیں، کلثوم احمد بھائی سے کہہ کر مجھے وہیں پہنچا دو، میرے بادیہ
ں۔ میں یہاں نہیں رہنا چاہتی"

"میں کہتی ہوں، عائشہ ایسی باتیں نہ کرو، دیکھو سلطان کے ہم خاص مہمان ہیں، احمد صاحب
اور اسلم بھیا کا طرزِ عمل ہمارے ساتھ کتنا شریفانہ ہے، وہاں جا کر ہم کیا کریں گے؟"

وہ جواب دیتی ہے۔

"میں تم سے چلنے کو نہیں کہتی، صرف میں جانا چاہتی ہوں، صرف مجھے جانا چاہیئے،"

"یہ باتیں وہ ایسے لب لہجہ میں کہتی ہیں کہ پھر میں کچھ نہیں کہہ پاتی، مجھے خاموش
ہو جانا پڑتا ہے، ان سے الجھ بھی تو نہیں سکتی، ہمیشہ کی نازک دماغ ہیں، اور اب
تو چڑچڑی بھی ہو گئی ہیں، کہیں خفا ہو گئیں تو منائے نہ منیں گی، عجیب کشمکش میں
ہوں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کیا جائے؟"

اسلم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"صرف ایک کام —————— کسی طرح مجھے عائشہ سے ملا دو!"

پہنچا دو ـــــــــ کیا یہ ممکن ہے ؟"

کلثوم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ،

"کوشش کروں گی ـــــــــ اور اپنی طرف سے کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھوں گی ، لیکن کہہ نہیں سکتی - ان کا ردِ عمل کیا ہوگا ؟ یوں تو جب سے اُن کی شادی کی بات ہمارے ہاں طے ہوئی تھی ، وہ آمادگی کے ساتھ اسے منظور کر چکنے کے باوجود غمگین اور مضمحل رہتی تھیں ، لیکن اپنے اس غم پر غالب بھی رہتی تھیں ، ہنستی تھیں ، مسکراتی تھیں ، گھر کے کام کاج میں حصہ لیتی تھیں ، کوئی ایسی ہی تیز نظر ہو جو اس ہجوم نشاط و مسرت میں ان کے دبے ہوئے اضطراب اور خلش کو تاڑ سکتی تھی ، لیکن جب سے ـــــــــ"

اسلم نے بے تاب اور بیقرار ہو کر پوچھا ،

"ہاں جب سے ـــــــــ کیا کہنا چاہتی ہو تم ؟"

کلثوم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا ،

"جب سے تم بھی لاڑکے قلعہ سے یہاں آئی ہیں ، میں نے انہیں خود سے بات کرتے نہیں دیکھا ، میں نے انہیں ہنستے تو بڑی چیز ہے مسکراتے تک نہیں دیکھا ـــــــــ !"

اسلم نے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا ،

"کیوں کلثوم ؟"

وہ بولی ،

"میں اس کی وجہ نہیں بتا سکتی ، صرف اتنا کہہ سکتی ہوں ، جب سے یہاں آئی ہیں کچھ بجھی بجھی سی رہتی ہیں ، نہ جانے کیا سوچتی رہتی ہیں ہر وقت ، اگر لاکھ لاکھ پوچھو

دھوکا

بڑی مشکل سے کلثوم عائشہ کو اسلم کے پاس لانے میں کامیاب ہو سکی، وہ بھی دھوکے سے، کئی مرتبہ اس نے اسلم کا پیام اس تک پہنچایا، لیکن جواب میں وہ صرف یہی کہتی رہی ”وہ مجھ سے مل کر کیا کریں گے ——— ان کو آشفتہ نصیبوں کی خبر سے کیا کام؟“

جب کلثوم نے دیکھا کسی طرح کام نہیں چلتا تو ایک روز اس نے عائشہ سے سوکھا سا منہ بنا کر کہا،

”کوئی صاحب تم سے ملنے آئے ہیں!“

کلثوم کے چہرے پر سنجیدگی تھی، یہ خیال نہ تھا کہ شرارت کر رہی ہے۔ اس نے پوچھا

”مجھ سے ملنے کوئی صاحب آئے ہیں؟“

کلثوم نے بے پروائی کے ساتھ جواب دیا۔

”ہاں تمہی سے، اللہ کیا مجھ سے؟“

عائشہ نے پوچھا۔

"نام نہیں بتایا ؟"

کلثوم سر کھجانے لگی،

"نام ؟ ——— ہاں بتایا تو تھا ——— یاد آگیا، یوسف۔!"

عائشہ کے بے رونق چہرے پر رونق آگئی، اُس نے بے قرار ہو کر پوچھا،

"یوسف ؟ ——— کلثوم سچ ———؟"

کلثوم کی سنجیدگی اب بھی قائم تھی،

"ہاں کہہ رہے تھے جمیلہ نے بھیجا ہے"

"——— جمیلہ کون ؟ وہی ؟"

عائشہ اُٹھ کھڑی ہوئی

"ہاں وہی اور کون ہے ؟ ——— تو کہاں بٹھایا ہے یوسف کو،

آؤ جلدی !"

کلثوم آگے آگے ہو لی، چلتے چلتے اُس نے کہا،

"اسلم بھیا کے کمرہ میں، وہ تو اس وقت سلطان کے دربار میں اپنی ڈیوٹی

پر گئے ہیں !"

"عائشہ نے نہ کوئی اعتراض کیا، نہ جواب دیا۔

عائشہ اسلم کے کمرہ میں داخل ہوئی ——— لیکن وہاں یوسف کے

بجائے اسلم تھا، پیچھے مڑ کر دیکھا، تو کلثوم جا چکی تھی، عائشہ نے پھر اسلم کی طرف

دیکھا، اور بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا،"

"آپ ؟"

عائشہ ٹکٹکی لگائے، اسلم کو دیکھ رہی تھی، اور خاموش تھی، اسلم نے کہا،
"میرے سوال کا جواب دو عائشہ!"
اب بھی عائشہ خاموش کھڑی تھی، اسلم چیخا۔
"خدا کے لئے رحم کرو عائشہ، میرا دل بیٹھا جا رہا ہے، میرا دماغ پھٹا جا رہا ہے میں ابھی اور یہیں مر جاؤں گا ——— !"
عائشہ ایک قدم آگے بڑھی، اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسوؤں کے بڑے بڑے قطرے تیر رہے تھے اس نے کچھ کہنا چاہا، مگر گریہ گلوگیر ہو گیا، نہ کہہ سکی، سسکیاں لے کر رونے لگی۔
اسلم اس منظر کی تاب نہ لا سکا۔ اس نے عائشہ کے بالکل قریب پہنچ کر کہا۔
"کیوں روتی ہو عائشہ، یہ تو خوشی کا موقع ہے، خدا نے جدائی کے دن ختم کر دیئے، اب ہمیں دنیا کی کوئی طاقت جدا نہیں کر سکتی، صرف موت ہی ہم میں تفرقہ پیدا کر سکتی ہے اور کوئی نہیں، عائشہ یہ خوش ہونے، ہنسنے، مسکرانے، اور جوش مسرت سے بے قابو ہو جانے کا وقت ہے، اس وقت رونا کفران نعمت ہے ——— نہ رو عائشہ، ہنسو، مسکراؤ، ہمیشہ ہنستی رہو، ہمیشہ مسکراتی رہو، گردش دوراں بھی تمہاری اس ہنسی کو نہیں چھین سکے گی، افلاک کج رفتار بھی تمہارے اس تبسم پر ڈاکہ نہیں ڈال سکے گا!"
"ان شاء اللہ ———" کلثوم مسکراتی ہوئی کمرے کے اندر آ گئی اسلم اسے دیکھ کر خوش ہو گیا،
"آؤ کلثوم آؤ ——— میں تمہیں ایک خوشخبری سناتا ہوں، میری

اسلم نے جواب دیا۔

"ہاں عائشہ میں ———— کیا تم مجھ سے خفا ہو؟"

عائشہ نے ویسے ہی کھڑے کھڑے جواب دیا۔

"میں کیوں خفا ہوتی؟ خفا تو آپ ہیں، اور ایک بے وفا، عہد شکن، اور فریب کار سے خفا ہونا بھی چاہیئے۔ میں آپ کو ملامت نہیں کرتی، آپ کی خفگی میں نے قبول کرلی ہے۔"

اسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اُس نے فریادی بن کر پکارا،

"عائشہ!"

عائشہ نے نظر اُٹھائی، تو اسلم کی آنکھوں میں آنسو جھلمل جھلمل کرتے نظر آئے، اس کے دل پر گھونسہ سا لگا، اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا،

"اُلٹی گنگا کیوں بہا رہے ہیں آپ؟ آپ کو رونے کی ضرورت؟"

اسلم نے وارفتگی کے عالم میں اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا،

"عائشہ مجھے معاف کر دو، میں نے تمہیں سمجھنے میں غلطی کی تھی، خطاوار تم نہیں میں ہوں، میں تم سے معافی مانگتا ہوں، معاف کر دو مجھے، بخش دو مجھے، اور اگر ایسا نہیں کر سکتیں، میرا یہ خنجر میرے سینہ میں گھونپ دو، میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، تمہیں کھو کر، میں زندگی سے بیزار اور مایوس ہو گیا تھا، زندگی سے مجھے نفرت ہو گئی تھی، اور تمہیں پاکر زندگی پھر مجھے خوشگوار محسوس ہونے لگی ہے، تم میری خوشی ہو، تم میری زندگی ہو، تم میرے دل، روح، جسم یہاں تک کہ ہر چیز کی مالک ہو ———— عائشہ کیا تم مجھے معاف نہ کرو گی؟"

دیکھیے ——— کعبہ میرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے ———

بھیا پھر ہیں جاتی ہوں اماں کے پاس!

اسلم نے اُسے آمادہ کرتے ہوئے کہا،

"نکل اور پوچھ پوچھ، یہاں کھڑی وقت کیوں ضائع کر رہی ہو

جاؤ ——— !

عائشہ کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم کھیل رہا تھا، اُس نے کہا،

"خبردار کلثوم!"

وہ جانے پر آمادہ ہو چکی تھی لیکن عائشہ کے الفاظ سُنکر پھر ٹھٹھک گئی، اور بے بسی کے ساتھ اسلم کی طرف دیکھنے لگی،

اسلم نے کہا،

"بے وقوف ہر بات نہیں مانی جاتی، یہ اوپری دل سے تجھے منع کر رہی ہیں۔ سچ مچ تھوڑے ہی، اگر تو نے اماں کو جا کر یہ خوشخبری سُنا دی تو یہ خوش ہوں گی انعام دیں گی تجھے!"

کلثوم نے گویا یقین ذکر تے ہوئے کہا،

"ہوں ———

عائشہ نے کہا،

"پیٹوں گی!"

کلثوم نے اسلم سے کہا،

"سنا آپ نے؛ ——— نا بابا ایسا انعام نہیں چاہیئے ہمیں!"

روٹھی ہوئی زندگی من گئی، میری کھوئی ہوئی دولت مل گئی، میری عائشہ مجھ سے خوش ہو گئی ——— !"

شاید اسلم زورِ جوش میں ابھی اور بھی اس فصیح و بلیغ اور پُر جوش و خروش تقریر کو جاری رکھتا، مگر کلثوم کے جواب نے اُسے ذرا دیر کے لئے خاموش کر دیا، وہ مسکراتی ہوئی بولی،

"ہاں بھیا ——— میں سُن رہی تھی، میں دیکھ رہی تھی، دروازے کی اوٹ سے کواڑ سے لگی ہوئی، اب جاتی ہوں اماں کو یہ خوشخبری سناؤں گی، اور ان سے کہوں گی کہ اپنی بڑی اور چہیتی لڑکی کی شادی کا سر و سامان کریں ———

عائشہ نے گھور کر اُسے دیکھا، اور کہا،

"خبردار جو اماں سے کچھ کہا، ——— بہت زبان چل گئی ہے!

اسلم نے کلثوم کو اُکساتے ہوئے کہا۔

"انہیں کہنے دو۔ ضرور جاؤ۔ اور اماں کو یہ خوشخبری سنا دو!"

کلثوم نے جیسے عائشہ کے الفاظ سُن کر اپنا ارادہ بدل دیا تھا، بڑے بھولے پن سے بولی،

"لیکن یہ (عائشہ) جو خفا ہو جائیں گی!"

اسلم نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔

"اور ہماری خفگی کی نہیں ذرا پروا نہیں!"

مصنوعی پریشانی کے ساتھ کہنے لگی۔

"عجیب مصیبت ہے، کیا کروں، کیا نہ کروں؟ سمجھ میں نہیں آتا، وہی بات ہے

احمد

اُم سلیم نے اسلم اور عائشہ کی شادی کی تیاریاں شروع کر دیں، اس اُجڑے ہوئے گھر میں ایک مرتبہ پھر خوشی اور سرور و نشاط، چہل پہل اور گہما گہمی کی رونق نظر آنے لگی، اسلم اپنے کمرہ میں بیٹھا تھا، عائشہ اب اس کی ہو جائے گی، اس نشہ نے اُسے مدہوش بنا رکھا تھا، یکایک احمد آیا، لیکن خلافِ معمول سنجیدہ!

اسلم نے اُسے چھیڑتے ہوئے کہا،

"ہماری شادی ہو رہی ہے بھئی!"

احمد نے کہا۔

"جی ہاں، آپ کے بتائے بغیر مجھے معلوم ہے؛"

اسلم نے حیرت کے ساتھ پوچھا،

"کس طرح معلوم ہے؟ ——— وہ کون جاسوس ہے جو ہماری خبریں تم تک پہنچاتا ہے!"

احمد نے جواب دیا،

اور پھر وہ کھلکھلاتی، ہنستی، خوشی کا جھولا جھولتی، سراپا سرور و نشاط بنی بادِ بہاری کی طرح کمرہ سے نکل گئی، اس کے جانے کے بعد عائشہ نے شکایت آمیز لہجہ میں کہا،

"یہ آپ نے اچھا نہیں کیا ——— بڑی شریر ہے، ایک کی دس بیس لگاتی پھرے گی جا کر، ایسا طوفان کھڑا کرے گی، کہ میرا اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو جائے گا،!"

اسلم نے مسکرا کر جواب دیا،

"فکر نہ کرو ———

"ایک طوفان اس پر بھی منڈلا رہا ہے!"

پھر دونوں مسکرا دیئے،

"تم نے یہ سوچا کیسے کہ اکیلے اکیلے شادی کر لیں!"

اسلم نے ایک قہقہہ لگایا،

"احمق آخر تو میری شادی سے کیوں جل رہا ہے؟ تیرا جی چاہتا ہے تو بھی کر لے، کچھ منع کیا ہے کسی نے؟"

احمد اور زیادہ جھلا گیا،

"کس سے کروں؟ ——— کیا نام ہے؟"

اسلم نے چھیڑتے ہوئے کہا،

"نہیں بھائی میرے ایسے نصیب کہاں کہ اس عزت افزائی کا اہل قرار پاؤں ——— میرے خیال میں تمہیں شادی کر ہی لینی چاہئے ——— کہو میاں احمد، کلثوم کیسی رہے گی"؟

احمد کے چہرے پر رونق آ گئی، اسلم نے پھر چھیڑا،

"ویسے ذرا بدصورت اور پستہ قد تو ہے، لیکن بہر حال غنیمت ہے ——— گندم اگر بہم نرسد بھس غنیمت است!"

یہ سُن کر احمد جل ہی تو گیا،

"کون بدصورت ہے ——— کلثوم ———؟

اسلم نے جواب دیا۔

"اور کیا عائشہ؟"

احمد بھی اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا، پھر اس نے کہا،

"مجھے واقعی تم سے شکایت ہے، تم نے میرا خیال نہیں کیا؟"

ہو گا کوئی ——— لیکن جناب اسلم صاحب گوشِ ہوش سے ایک بات سُن لیجئے!"

اسلم نے آمادگی کے ساتھ کہا،

"اگرچہ تم ایسی باتیں کم کرتے ہو جو گوشِ ہوش سے سننے کے قابل ہوں، لیکن خیر کہو!"

احمد نے ذرا بپھرے ہوئے لہجہ میں آنکھیں نکال کر کہا،

"تمہارا گلا گھونٹ دوں گا!"

اسلم ہنسنے لگا،

"خیریت تو ہے؛ آج جنونی کیفیت کیوں طاری ہے میرے دوست برا!"

احمد اور زیادہ جھنجھلا گیا

"دوست کہتے تمہیں شرم نہیں آتی؟"

اسلم اس خفگی کا راز سمجھ چکا تھا، اس نے چھیڑتے ہوئے کہا،

"تو کیا دشمن کہوں؟"

اب احمد ضبط نہ کر سکا۔ اس نے صاف الفاظ میں کہا،

"اکیلے اکیلے شادی کر رہے ہو؟"

اسلم نے پوچھا۔

"کچھ دماغ درست ہے؛ شادی اکیلے اکیلے نہیں کیا دو کیلے کی جاتی ہے؛ ——— پاگل!"

احمد نے اور زیادہ تیکھے پن سے کہا۔

محبت نہیں کرتا، تو تم کیوں کرتی ہو ؟

احمد :- بے وقوف، احمق ——— اس بکواس کی کیا ضرورت تھی ؟ پھر وہ کیا بولی ؟-

اسلم :- بولتی کیا، لڑکی خوددار ہے، کہنے لگی، اب یہ لفظ میری زبان پر کبھی نہیں آئے گا۔ میں نے پوچھا، پھر محبت جو ہے نہیں اس سے ——— ؟ کہنے لگی تھی، لیکن اب نہیں ہے، اب میں نفرت کرتی ہوں اس وحشی سے ——— ابھی ابھی تو ہو رہی تھیں یہی باتیں، تمہارے آنے سے ذرا پہلے، بس یوں سمجھو، وہ گئی اور تم آئے ——— ؟

احمد :- (فیصلہ کن انداز میں) بس تو اب تمہاری شادی بھی نہیں ہو سکتی،

اسلم :- یہ کس جرم میں!

احمد :- ہو گی تو ساتھ ساتھ ورنہ نہیں ——— میں نے تمہاری وجہ سے کلثوم سے محبت کا اظہار نہیں کیا۔ اور تم نے میری یہ قدر کی، خود غرض،

اسلم :- میری وجہ سے ؟ ——— یہ کیا بات ہوئی ؟

احمد :- تم عائشہ کے عشق میں دیوانے ہو رہے تھے، وہ تمہیں دھتکار چکی تھی۔ تم زندگی بھر شادی نہ کرنے کا عہد کر چکے تھے، میں نے سوچا، اسلم غم کی بھٹی میں سلگے اور میں چمنستان محبت کی گلگشت کروں ؟ یہ نہیں ہو گا، عائشہ اسلم کی نہ ہو سکی، میں کلثوم کو نہ اپنا سکوں گا ——— اور مجھے چھوڑ کر تم نے عائشہ کو ہموار کر لیا، اس سے تجدید محبت کی ؟ میرے ایثار، میرے خلوص میری محبت کی یہ قدر کی تم نے ؟

اسلم نے جواب دیا۔

"عقل کے دشمن، ———— تجھے خود کہنا چاہئیے تھا۔ میں کیا خیال کرتا؛ تم نے مجھ سے اپنی محبت کا ماجرا بیان کیا ہوتا تو کیا میں کسی قسم کی بھی سعی و کوشش سے دریغ کرتا، لیکن تم تو منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھے تھے جیسے ایک دوشیزہ ہونے والے شوہر کے ذکر سے شرماتی ہے، اسی طرح تم کلثوم کے ذکر سے لجاتے تھے، میں نے یہ سوچ لیا، یہ اس قابل نہیں کہ اس کی شادی کا تصور بھی کیا جائے، کلثوم نے کئی مرتبہ کہا بھی، لیکن میں نے ٹال دیا ————

احمد نے پریشان ہو کر دریافت کیا،

"کلثوم نے کیا کہا؛"

اسلم نے بتایا،

"یہی کہ وہ تم سے محبت کرتی ہے!"

احمد نے جوش مسرت سے حواس باختہ ہو کر پوچھا۔

"سچ؛ ———— وہ مجھ سے بازی لے گئی؛ میں محبت کا لفظ زبان پر نہ لاسکا اور اس نے اقرار کر لیا،؛

اسلم:۔ ہاں بھئی ہاں،

احمد:۔ پھر تم نے کیا کہا؛

اسلم:۔ میں نے کہا ایک ہاتھ سے تالی کیوں بجاتی ہو؛

احمد:۔ (چونک کر) کیا؛ ———— کیا تم نے کہا تھا؛

اسلم:۔ میں نے کہا ایک ہاتھ سے تالی کیوں بجاتی ہو؛ جب وہ تم سے

اسلم نے اُٹھ کر اُسے گلے لگا لیا

"میں تو مذاق کر رہا تھا، کلثوم سے میری کوئی بات نہیں ہوئی، لیکن میں نے اندازہ کر لیا ہے اُسے تم سے محبت ہے، اطمینان رکھو، ہم دونوں کی شادی ساتھ ساتھ ہو گی، میں ابھی اُمِّ سلیم کے پاس جاتا ہوں ——— لیکن سلطان سے اجازت بھی تو حاصل کرنا ہو گی؟"

احمد نے کہا،

"اجازت مل جائے گی، ان کا کیا بگڑتا ہے۔ تم اُمِّ سلیم کے پاس جاؤ میں ان کی بارگاہ میں جاتا ہوں!

دورِ نشاط و مسرت

اسلم اور عائشہ کی، احمد اور کلثوم کی شادی ہوگئی، دن مزے سے گذرنے لگے، ز کوئی فکر نہ کوئی اندیشہ، اسلم اور احمد سلطان کی ناک کا بال بنے ہوئے تھے۔ لطان نے خود اس شادی کا اہتمام و انصرام کیا تھا۔ اسلم ایک خوبصورت سے بچے کا پ بن چکا تھا جس کی عمر ایک سال سے کچھ زیادہ تھی، احمد بھی ایک خوبصورت سی ا کا باپ بن چکا تھا جس کی عمر چھ ماہ کے قریب تھی، دن عیش سے گذر رہے تھے علوم ہوتا تھا، جیسے زمانہ نے اپنی گردش چھوڑ دی ہے!

عائشہ اور کلثوم کی زندگی یکسر اطمینان و مسرت کی زندگی تھی، فی الحال کوئی بڑا کبھی در پیش نہ تھا، اسلم اور احمد بھی بے فکری اور آسودگی کی زندگی بسر کر رہے بقول ایک مؤرخ کے،

"یروشلم کی سلطنت رخصت ہو چکی تھی، اس کا بادشاہ اور بادشاہ کے امراء سب تھے۔ اب افرنجیوں کی نسل سے کوئی رہبر اور ہادی ایسا باقی تھا جو منتشر اور دہ صلیبی مبارزوں کو یکجا کرتا۔ شام میں داخل ہوئے ان صلیبیوں کو تیرے برس

گذر گئے تھے۔ مگر اس کل زمانہ میں ان پر ایسی سخت تباہی کبھی نہ آئی تھی۔ طبریہ میں صلیبیوں کی شکست ان کے حق میں ایک ضرب مہلک ثابت ہوئی۔ اور جو چیز اس دن ہاتھ سے نکلی تھی مسیحی دُنیا آج تک پھر اُسے حاصل نہ کر سکی۔ سوائے چند دُور دُور کے قلعوں کے جو صلیبیوں کی چند حربی جماعتوں کے قبضہ میں تھے اور جو ساحل سے ہٹے ہوئے مُلک کے اندرونی حصّوں میں واقع تھے، اب تمام فلسطین شمال میں بیروت سے لے کر جنوب میں غزہ تک صلاح الدین کے قبضہ میں تھا، عیسائیوں کے قبضہ میں اب صرف صور اور یروشلم کے شہر باقی رہ گئے تھے تاکہ اس امر کی شہادت دے سکیں کہ ہاں کوئی مسیحی حکومت بھی اس ملک میں کبھی تھی۔"

لیکن صلاح الدین کا جوشِ جہاد بدستور قائم تھا، وہ عیسائیوں کی شرارتوں اور بدعہدیوں کے پیشِ نظر سختی سے اس ضرورت کو محسوس کر رہا تھا کہ اس پورے علاقہ میں ایک مضبوط و مستحکم اسلامی حکومت قائم ہو جانی چاہیئے تاکہ پھر عیسائی سر نہ اٹھا سکیں، اور انہوں نے کشت و خون، قتل و غارت، بدعہدی اور پیماں شکنی کا جو نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا تھا، پھر اس کا اعادہ نہ ہو سکے۔

لیکن فوجیں تھکی ہوئی تھیں۔ انہیں آرام دینا ضروری تھا تاکہ اُن میں بد دلی نہ پیدا ہو، اور تھوڑا سا آرام کرنے کے بعد وہ پہلے سے زیادہ جوش اور جذبہ کے ساتھ رن مار سکیں اور فتح کے جھنڈے گاڑ سکیں، خود سلطان کی ذات کا جہاں تک تعلق تھا اُسے نہ آرام کی ضرورت تھی، نہ راحت کی، اس کی زندگی صرف جہد و عمل ہی میں تھی۔

طبریہ اور عکہ کی فتح

ایک روز سلطان نے اسلم کو بلایا، احمد بھی اس موقع پر موجود تھا، اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہمارا خیال ہے، ہماری فوجیں کافی آرام کر چکی ہیں!"

اسلم نے دست بستہ عرض کیا،

"بلکہ کہنا چاہیئے ضرورت سے زیادہ!"

سلطان نے کچھ سوچتے ہوئے فرمایا

"تو پھر فوج کا سر و سامان ہم پہنچنا چاہیئے، ہم جلد از جلد طبریہ فتح کر لینا چاہتے ہیں
اسلم نے عرض کیا۔

"ایسا ہی ہوگا، ہماری فوجیں بالکل چوکس، ساز و سامان جنگ سے آراستہ، اور ...نٹے سے لیس کھڑی ہیں، صرف اشارہ کی منتظر ہیں، سلطان عالی شان جیسے ہی ...یں گے، ہم فوراً چل پڑیں گے!"

...سلم کے اس جواب سے سلطان بہت خوش ہوا، چنانچہ تیاریاں شروع کر دی گئیں،

نہ ہو جو سلطان کی مخالفت پر کمربستہ ہو سکے تو پھر کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ملک میں صلاح الدین کا یہ دورۂ فتح کی خوشی کا ایک جلوس یا گشت سمجھا گیا ہو۔"

اور پھر تو مسلمانوں کا ٹڈی دل لشکر جس طرف کا رخ کرتا، کامیابی اور کامرانی ہاتھ باندھے ساتھ چلتی، صلاح الدین نے فرنگیوں اور عیسائیوں کو اس کا موقع نہ دیا کہ وہ اپنی قوت کو مجتمع کر سکیں،

"بدھ کے دن آٹھویں جولائی کو یعنی جنگِ حطین کے چار دن بعد سلطان شہر عکہ کی فصیلوں کے سامنے آیا اور جمعہ کے دن اس مسجد میں مسلمانوں کو نماز جمعہ پڑھائی جو تین پشتوں سے گرجا کا کام دے رہی تھی۔ یہ پہلی نمازِ جماعت تھی جو صلیبیوں کے داخلہ کے بعد آج تک ساحل شام پر پڑھی گئی۔ صرف عکہ شہر سے صلاح الدین نے چار ہزار مسلمانوں کو جو عیسائیوں کی قید میں تھے رہا کیا۔ عکہ بڑا تجارتی شہر تھا، بحر متوسط کی کل تجارت کا بازار تھا۔ اس کی دولت سے مسلمانوں نے سامانِ جنگ مہیا کیا۔ اور اپنے فوجیوں کو ان کی خدمات کا صلہ اور انعام دیا۔ سلطان نے فوجوں کے دستے ملک فتح کرنے کی غرض سے مختلف مقامات کو روانہ کئے اور اپنے بھائی العادل کو مصر سے بلا بھیجا کہ فوجیں لے کر فلسطین کو مطیع کرنے میں مدد کو آئے۔ فوجی دستوں نے ناصرۃ، صفوریہ اور الفولہ پر جو اندرون ملک میں واقع تھے قبضہ کیا۔ باقی دستے ساحل پر شہر حیفہ اور قیصاریہ میں داخل ہوئے۔ ایک دستہ نے سبسطیہ سامری اور نابلس کو مسخر کیا۔ العادل قاہرہ سے چل کر فلسطین میں آیا اور قلعہ کفر سلام کو (جسے صلیبی میرابل کاسل کہتے تھے اور جسے آجکل راس العین کہتے ہیں) اور یافہ کو حملہ کرکے فتح کیا۔ خود صلاح الدین حصن تبنین (تورون) کے محاصرہ میں مصروف ہوا۔ اور چھ دن میں یعنی ۲۶ رجولائی کو تبنین

اور ۲۵ رجولائی ۱۱۸۷ء کو سلطان کی فوجیں طبریہ کی طرف بڑھیں،

"اسلامی فوجوں نے ایک دن آرام کیا — اور پھر ایک زبردست سیلاب کی طرح ملک میں پھیلنا شروع کر دیا۔ اب مسلمانوں کے لئے صرف اتنا کافی تھا کہ کسی شہر کے سامنے آئیں اور ریت کی طرح اس کی دیواریں گر پڑیں، اور شہر کی فوج اپنے ہتھیار ڈال دے۔ صرف چند مضبوط قلعے ایسے تھے جنہوں نے محاصرے کی تکلیفیں اور اذیتیں برداشت کرنی گوارا کیں۔ لیکن ان میں بھی کوئی قلعہ ایسا نہ تھا جس نے ایک ہفتہ سے زیادہ محاصرین کا مقابلہ کیا ہو، افرنجیوں کے اعیان و امراء یا تو قتل ہو چکے تھے، یا قید خانوں میں پڑے ملک میں پراگندہ تھے، نہ ان کے پاس ایسی پس انداز فوجیں تھیں جو ضرورت کے وقت کام میں لائی جا سکیں۔ نہ کہیں سے انہیں کمک پہنچنے کی امید تھی۔ اور نہ کوئی سردار ان میں ایسا تھا جو دشمن کے مقابلہ کا اہتمام اور بندوبست کر سکتا۔ رعیت بھی یعنی عیسائی کاشتکار اور سوداگر فاتحوں کے طرف دار تھے۔ وہ اپنے اپنے طریقے اور سمجھ کے مطابق صلاح الدین کے مذہب پر ایمان رکھتے تھے۔ وہ سلطان کی دلیری اور کامیابی اور اس کے بلا امتیاز عدل کے مداح تھے۔ جن شہروں پر عیسائیوں کا قبضہ رہ چکا تھا، ان میں ہزارہا مسلمان غلام تھے جو خوشی کے منتظر تھے کہ اب سلطان صلاح الدین آ کر انہیں آزاد کرے گا بلکہ متفرق مقامات میں عیسائیوں کے ایسے فرقے بھی تھے، جن میں اس فیاض سلطان کا اتنا خوف نہ تھا جتنا کہ انہیں اپنے ظالم اور عیسائی آقاؤں کا خوف تھا۔ یہ فرقے عیسائیوں میں اہل بدعت سے اتنی ہی عداوت رکھتے تھے جیسے کہ اسلام سے انہیں نفرت تھی، جب ملک کی رعایا سلطان صلاح الدین کی طرف وارد ہوا اور سوائے اکا دکا فوجوں کے اور وہ بھی متفرق مقامات پر تمام ملک میں کوئی ایسا آدمی

عسقلان کا سقوط

طبرؔ اور عکہؔ کے معرکہ میں اسلم نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے ،
ایک مرتبہ وہ دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہونے سے بال بال بچا ، لیکن اس کی تلوار کام کر گئی
وہ زندگی سے بے پروا ہو کر تلوار چلاتا آگے بڑھتا رہا - اس کے کئی زخم آئے ، مگر تلوار
اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹی ، جب وہ اپنے خیمہ کے سامنے پہنچا ، تو تلوار ہاتھ سے چھوٹ
چکی تھی اور وہ گھوڑے کی ایال پکڑے ، اس کی گردن سے لپٹا ہوا بیہوش ہو چکا تھا

لیکن چند روز بعد ، جب سلطان نے عسقلان پر دھاوا کیا ، تو عائشہ ، کلثوم ،
احمد ، ام سلیم اور حدیدیہ ہے کہ سلطان کے منع کرنے کے باوجود وہ خیمہ میں مقیم نہ رہ سکا
اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ، اور اس نے سلطان سے عرض کیا ،

"عالیجاہ ، مجھے یہاں نہ چھوڑ جائیے ، میں بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے سے
یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ میدانِ جنگ میں مارا جاؤں ، میں بہادر کی موت مرنا چاہتا ہوں ،
میرے آقا مجھے اس سعادت سے محروم نہ کیجئے ! "

ان الفاظ سے سلطان اتنا متاثر ہوا کہ اس نے فیصلہ کن انداز میں احمد سے کہا ،

فتح کر لیا، اب پھر اگست کے پہلے ہفتہ میں وہ ساحل پر واپس آیا۔ یہاں صرفند،
صیدون، بیروت اور جبیل نے سرِ اطاعت خم کیا۔ ان میں صرف بیروت نے آٹھ دن کے
محاصرے کے بعد اطاعت قبول کی۔ ہر صورت میں سلطان نے مقیم فوجوں اور باشندگان شہر
کے ساتھ ایسے شرائط کئے، جن میں ان کی عزت کا خیال رکھا اور ان لوگوں کو اس بات
کا یقین دلایا کہ مسلمانوں کے قول کا وہ اعتبار کریں[1]"

سلطان صلاح الدین کے ان مسلسل فتوحات نے بھی اس کے عدل و انصاف، اور
جذبۂ رحم و مروت میں کوئی کمی نہیں کی، یہ شہر، جو فتح ہوئے تھے، ان پر عیسائیوں کے
قبضہ کے دوران میں مظلوم اور بے کس مسلمانوں کے ساتھ ننگِ انسانیت اور حد درجہ
وحشت انگیز مظالم روا رکھے گئے تھے۔ لیکن سلطان نے فتح حاصل کرنے کے بعد، ان ظالم،
خونخوار، اور درندہ صفت عیسائیوں سے انتقام نہیں لیا، انہیں زیادہ سے زیادہ سہولتیں
اور آسائشیں بہم پہنچائیں، ان کے ساتھ رحم و مروت کا برتاؤ کیا، اُن کی درخواستوں اور
التجاؤں کو شرفِ قبول عطا کیا، ان کے بچوں، اُن کی بیویوں کو لونڈی اور غلام نہیں
بنایا۔ اُن کے ساتھ عزت اور احترام کا سلوک کیا، جہاں انہوں نے جانا چاہا، وہاں
اپنے سواروں کی رہنمائی میں پہنچا دیا ———— یہ عجیب فاتح تھا، جسے
حیرت سے یہ مفتوح دیکھتے تھے، اور سوچنے لگتے تھے، کیا یہ انسان ہے؟ پھر دل جواب
دیتا ———— نہیں یہ انسان نہیں فرشتہ ہے!

---

[1] اس باب میں اور آئندہ کے ابواب میں جو تاریخی واقعات درج ہیں وہ سب لین پول کی نادر تاریخ سے ماخوذ ہیں۔ بار بار حوالہ نہیں دیا گیا۔

اور اس روز سے اسلم اس محبوب لقب کا حامل بن گیا ،

دو ہفتہ کے محاصرہ کے بعد عسقلان کے عیسائیوں نے شہر حوالہ کر دیا شہر کے عیسائیوں پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہونے پائی ، انہیں کامل امن و امان کے ساتھ جہاں چاہیں چلے جانے کی اجازت دے دی گئی ، اس طرح جمعہ کے مبارک دن ، چار ستمبر کو اس شہر پر مسلمانوں کا پرچم لہرانے لگا ،

عسقلان فوجی اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا ، اُسے فتح کئے بغیر سلطان کے حاصل کردہ فتوحات عملاً بے نتیجہ اور غیر ثمر بخش رہ جاتے ، اس کامیابی نے سلطان کے عزائم میں اور زیادہ استواری کر دی اور وہ آخری منزل ——— بیت المقدس (یروشلم) کی طرف بڑھنے کا پروگرام بنانے لگا ۔

"اسلم ہمارے ساتھ چلے گا۔"

سلطان کے لشکر نے کوچ کیا اور بغیر کسی روک ٹوک اور مزاحمت کے ایک سیل بیکراں سیر وزمین گیر کے مانند آگے بڑھتا چلا گیا ، کس میں ہمت تھی کہ اُسے روکتا ، اور اُسے روکنے کی کوشش کرتا ، سلطان کا لشکر فتح کا پھریرا اُڑاتا سرحد جنوب کی طرف پہنچا ، یہاں اس نے ، رملہ ، عبلین اور دارم پر تھوڑی سی مزاحمت کے بعد قبضہ کر لیا ، ۲۳ اگست ۱۱۸۷ء کو اس کی فوجوں نے عسقلان کا محاصرہ کر لیا عسقلان کی فتح ، اسلئے ضروری تھی کہ بغیر اس پر قبضہ کئے ، مصر و شام میں رسل و رسائل کا سلسلہ سہولت اور آسانی کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا تھا ، کچھ ہی روز بعد سلطان کا بھائی الحادل ، مصر سے ایک فوج گراں لے کر آیا اور اپنے بھائی سے مل گیا ، اب محاصرہ نے اور زیادہ شدت اختیار کر لی ، سلطان کے لشکر نے منجنیقوں سے فصیل شہر پر بارش کی طرح پتھر برسانا شروع کر دیئے ——— !

اسلم اب پہلے سے بہتر ہو چکا تھا ، اس نے جو دیکھا فصیلوں کے ٹوٹنے اور شہر کی تعمیر میں ابھی کچھ دیر لگے گی تو اس سے نچلا نہ بیٹھا گیا - اپنے دستۂ فوج کے ساتھ اس نے اِدھر اُدھر کے اہم مقامات پر قبضہ کرنا شروع کر دیا ، چنانچہ چند ہی روز میں اس نے غزہ - بیت جبرون اور لسطرون پر قبضہ کر لیا ، اور اس طرح سلطان کو ایک زحمت سے بچا لیا سلطان ان کارناموں سے اتنا خوش ہوا کہ اٹھ کر اُسے سینہ سے لگا لیا ، اس کی پیشانی چومی اور فرمایا ؛-

اسلم تو ہمارے لشکر کی روح ، ہمارے جذبۂ جہاد کا ترجمان اور سفینۂ ملی کا نگہبان ہے ، تو بجا طور پر اس کا مستحق ہے کہ تجھے معین الملت کے قابل فخر نام سے یاد کیا جائے

ے معاوضہ میں ہم اہل شہر کو اجازت دیں گے کہ وہ اپنے شہر کی دیواریں اور مورچے
تحکم کرلیں۔ اور انہیں اس کی بھی اجازت ہوگی کہ شہر کے گرد پانچ فرسخ تک زراعت
ریں سلطان نے ان سے یہاں تک کہا کہ آنے والی عید الخمسین تک ہم انہیں روپیہ
ر کھانا بخوبی مہیا کرتے رہیں گے۔ مگر شرط یہ ہوگی کہ جب عید الخمسین آجائے اور
س وقت وہ دیکھیں کہ کوئی ان کی مدد کرتا ہے تو یروشلم پر وہ اپنا قبضہ رکھیں، لیکن
۔ دیکھیں کہ کسی طرف سے کمک پہنچنے کی توقع نہیں ہے تو پھر یروشلم کو ہمارے حوالے کردیں
یلطان خود انہیں اور ان کے مال و متاع کو کسی مسیحی ملک تک پہنچا دے گا۔"

"صلاح الدین نے جو شرائط پیش کئے ان کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں مل
ی، یہ شرائط صرف ایک عالی حوصلہ اور خود اعتماد شخص ہی پیش کرسکتا تھا، اور
۔ ح الدین عالی حوصلہ بھی تھا اور خود اعتمادی کی نعمت سے بہرہ ور بھی اس کی اس انتہائی
دارانہ اور دریا دلانہ پیشکش کے بارے میں ایک مورخ عیسائی ہونے کے باوجود اعتراف
ا ہے :-

"اس قسم کی شرائط کا پیش کرنا حقیقت میں صلاح الدین کی دریا دلی اور حوصلہ مندی
وت دیتا ہے۔ لیکن جب صلیبیوں کی جھوٹی قسمیں اور عہد شکنیاں یاد آتی ہیں تو
ح کی رعایتوں پر ہنسی بھی آتی ہے۔ صلیبی کبھی مسلمانوں کے ساتھ اپنے قول و اقرار
بند نہ ہوتے تھے۔ اور کوئی ضمانت اس بات کی نہ ہوتی تھی کہ جو عہد و پیمان انہوں
یا ہے اُسے ایفا بھی کریں گے۔ لیکن یروشلم کے نمائندوں نے ان شرائط کو تسلیم کرنے
سی انکار کیا۔ اور کہنے لگے کہ اگر خدا کو منظور ہوا تو ہم کبھی یروشلم کو مسلمانوں
الے نہ کریں گے۔ یہ وہ مقدس مقام ہے، جہاں ان کے نجات دینے والے مسیحؑ نے

فتح بیت المقدس

سلطان کا سیل رواں اب بیت المقدس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ قبل اس کے کہ فوجیں بیت المقدس کے سامنے نمودار ہوں سقوط عسقلان کی خبر، یہاں کے عیسائیوں میں پہنچ چکی تھی، ایک عیسائی مؤرخ لکھتا ہے :-

"جس دن مسلمانوں نے عسقلان کا قبضہ لیا ہے، آفتاب نے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ دن رات معلوم ہونے لگا۔ سورج گرہن مشرق کے ضعیف الاعتقاد لوگوں میں گھس ما گیا ہے۔ یروشلم میں جو تاجر اس زمانہ میں بکثرت تھے وہ سب اس گرہن سے خوفزدہ ہونے لگے۔ یہ تاجر صلاح الدین کے بلانے پر صلح کی غرض سے یروشلم میں آئے ہوئے تھے، صلاح الدین کو اس بات کا خیال تھا کہ القدس (یروشلم) کو محاصرہ کی زحمتوں سے بچائے رکھے۔ یقین ہے کہ سلطان نے ان تاجروں سے کہا ہوگا کہ تمہارے ایمان و یقین کے مطابق جیسا یروشلم خدا کا گھر ہے ایسا ہی ہمارے ایمان و یقین کے مطابق بھی وہ خدا کا گھر ہے۔ بس اس لئے میں نہیں چاہتا کہ خانۂ خدا کا محاصرہ یا اس پر حملہ کروں۔ اسلئے امن سلامتی کے ساتھ دوستانہ طریقہ پر وہ یروشلم کو میرے حوالے کر دیں گے تو اس

بطریق یروشلم نے خزانے کا منہ کھول دیا اور خود اپنے سرمایہ سے لڑائی کا سامان خریدا ہر طرف سے عیسائی بھاگ کر یروشلم میں آنے لگے اور شہر میں آدمیوں کی تعداد علاوہ عورتوں اور بچوں کے ساٹھ ہزار ہو گئی ۔ بالیان کی اس عہد شکنی کے بعد بھی صلاح الدین کا صبر و تحمل قائم رہا ۔ ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہوئی ہو کہ اُسے بالیان کی مجبوریوں کا یقین آگیا ہو ۔ بجائے اس کے کہ بالیان پر غصہ ظاہر کرے سلطان نے اپنے اعتبار و خلوص کا تازہ ثبوت اس طرح دیا کہ صلاح الدین جب عسقلان میں تھا تو بالیان نے پھر درخواست کی کہ سلطان اسے پروانۂ راہ داری عطا کرے تاکہ وہ اپنے بیوی بچوں کو طرابلس پہنچا دے ۔ اور کہا کہ میں اپنا پہلا وعدہ اس وجہ سے پورا نہ کر سکا کہ میں یہاں بالکل مجبور کر دیا گیا تھا ۔ بجائے بالیان کو لعنت ملامت کرنے کے صلاح الدین نے پچاس سوار بالیان کے پاس اس لئے بھیج دیئے کہ وہ اس کی بیوی بچوں کو بحفاظت تمام طرابلس پہنچا دیں ،

آخر کار اتوار کے دن ۲۰ ستمبر ۱۱۸۷ء کو مسلمان یروشلم کی شہر پناہ کے سامنے نمودار ہوئے ، اس سے قبل پچھتر دن میں انہوں نے یروشلم کی پوری عملداری کو اس کا دارالحکومت چھوڑ کر تسخیر کیا تھا ۔ اب دارالحکومت کو فتح کرنا چاہتے تھے ، جس پر قبضہ رکھنا جنگ ہائے صلیب کا اصلی مقصود تھا ۔ اور جس کا ادب و احترام مسلمان بھی ایسا ہی کرتے تھے ، جیسے کہ عیسائی کرتے تھے ۔ شروع میں صلاح الدین نے اپنی فوجیں شہر کے مغرب کی طرف اس فصیل کے سامنے ٹھیرائی تھیں جو باب داؤد سے لے کر باب اسٹیفن تک چلی گئی تھی ۔ سلطان کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ فصیلوں پر بے شمار آدمی شہر کو بچانے کے لئے موجود ہیں ۔ اور حقیقت یہ تھی کہ ان لوگوں کو شہر کے مکانوں اور گرجاؤں میں رہنے کو جگہ

ان کے لئے اپنی جان دی تھی - صلاح الدین اُن کی اس راسخ الاعتقادی سے خوش ہوا - اور اس نے قسم کھائی کہ وہ یروشلم پر سوائے معزز طریقے کے اور کسی طور پر قبضہ نہ کریگا یعنی بزور شمشیر اُسے حاصل کرے گا۔ سلطان کی یہ عالی ظرفی اس وجہ سے اور بھی ممتاز ہو کر نظر آتی ہے کہ خود یروشلم نے حال ہی میں ایک سخت عہد شکنی کی تھی احطین کے میدان سے جب عبلین کا بالیان بھاگا ہے تو اُس نے سلطان کے پاس یہ درخواست دے کر آدمی بھیجے تھے کہ اُسے یروشلم جانے کے لئے اجازت نامہ دیا جائے تا کہ وہ اپنے اہل وعیال کو یروشلم سے صور میں لے آئے - صلاح الدین نے بالیان کی یہ درخواست فوراً منظور کی، مگر اس شرط سے کہ بالیان صرف ایک رات یروشلم میں قیام کرے - اور یہ کہ وہ سلطان کے خلاف کبھی ہتھیار نہ اُٹھائے - جب بالیان یروشلم میں آیا تو وہاں کے لوگوں نے سمجھا کہ وہ انہیں دشمن کے پنجے سے چھڑانے آیا ہے - انہوں نے بہت خوش ہو کر بڑی دھوم سے اس کا خیر مقدم کیا - کیونکہ یروشلم میں اب کوئی نائٹ بڑے درجہ کا نہ تھا - اس لئے سب لوگوں نے ہم آواز ہو کر اُسے اپنا سپہ سالار اور محافظ مقرر کیا - بالیان نے بار بار کہا کہ وہ سلطان کو قول دے چکا ہے، پس وہ بغیر وعدہ خلافی کے اور قسم کو توڑے اُن کی کوئی فوجی خدمت نہیں کر سکتا - لیکن بطریق یروشلم نے کہا کہ ہم تمہیں تمہارے گناہ اور قسم سے بری کئے دیتے ہیں - تمہاری قسم ایسی ہے جس کی پابندی اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی عدم پابندی اتنا بڑا گناہ نہیں - اگر تم یروشلم کو اس کی اس حالت میں چھوڑ کر چلے گئے تو پھر جہاں کہیں جاؤ گے عزت و ناموس تمہارا ساتھ نہ دیں گے - پس بالیان نے یروشلم میں قیام کیا - چونکہ یروشلم میں اس وقت صرف دو نائٹ تھے - اور یہ دونوں بھی حطین سے بھاگ کر یہاں آئے تھے - بالیان نے شہر کے تیس تاجروں کو نائٹ بنایا!

حملوں سے پناہ میں تھی۔ تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کی وجہ سے کسی کا فصیل پر ٹکنا محال تھا۔ آتش فگن آلے آگ برسا رہے تھے۔ تیز فصیل کے کنگوروں میں دانتوں کا خلال بنے ہوئے تھے۔ نقب چی برابر اپنا کام کرتے رہے۔ یہاں تک کہ دو دن میں دروازے کی عمارت کے نیچے تیس یا چالیس قدم تک سرنگ لگا کر اس میں لکڑیاں بھر کر آگ لگا دی اور اس طرح ایک بڑا سوراخ دیوار میں پیدا کر دیا۔ عیسائی نائٹوں نے بار بار کوشش کی کہ نقب چیوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دیں مگر جو نائٹ شہر سے نکل کر نقب چیوں پر حملہ کرتا تھا۔ سلطان کے سوار اُسے مار کر شہر میں اُسپن بھگو دیتے تھے۔ اب شہر پر آہ و فغاں اور مایوسی طاری ہوئی۔ عیسائی گرجاؤں میں آکر دعائیں مانگتے اور اپنے گناہوں کا اقرار کرتے، پتھروں سے اپنے سینے کو کوٹتے۔ اور کوڑے مارتے اور خدا سے رحم کے طالب ہوتے، عورتیں اپنی بیٹیوں کے سروں کے بال کاٹتیں اور انہیں سرد پانی میں غوطے دیتیں، اس خیال سے کہ جو بے عزتی اور شرمندگی ہونے والی ہے وہ کسی طرح ٹل جائے۔ اسقف اور راہب ہاتھوں میں لحم مسیح اور صلیبیں لئے "مزمیری" گاتے ہوئے صفیں باندھے شہر میں گشت کرتے۔ لیکن گناہوں اور ناپاکیوں کی بدبو مشامِ خداوندی میں بس چکی تھی پس گنہگاروں کی آہ و فغاں تختِ رحمت تک نہ پہنچ سکی۔

آخر کار شہر پناہ میں جو سوراخ مسلمانوں نے کیا تھا اس پر محصورین نہ ٹھہر سکے۔ اگر کوئی ان میں سے سَو اشرفیاں بھی کسی کو دیتا اور کہتا رات بھر وہاں رہو تو وہ منظور نہ کرتا۔ عوام الناس سب کہتے تھے کہ شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے۔ اب عیسائی سرداروں نے باہم مشورہ کیا اور تجویز ہوئی کہ سب ایک دم شہر سے نکل کر اپنی جانیں قربان کر دیں۔ لیکن بطریق ہیریکلیوس نے کہا کہ ایسا کرنے میں اپنی عورتوں اور بچوں کو دشمن کے پنجے میں

نہ تھی - یہ مکان اور گرجا خود پہلے سے آدمیوں سے بھر چکے تھے - مگر جلد دریافت ہو گیا کہ اسلامی فوج جہاں اس وقت ٹھیرائی گئی تھی، وہ موقع اچھا نہ تھا - کیونکہ تنکر اور داؤد کے برج سامنے پڑتے تھے، اور سلطان کے آلاتِ حرب جہاں نصب تھے وہ مقام ان برجوں کی زد میں تھا - عیسائیوں نے اکثر شہر سے نکل کر سلطان کے مہندسوں کو پسپا کرنا شروع کیا اور سلطان کی منجنیقوں کے نصب کرنے میں وہ حارج ہوئے - اس کے علاوہ موقع ایسا تھا کہ مسلمانوں کی آنکھوں پر سورج پڑتا تھا - اور جب تک سورج ڈھل نہ جائے وہ لڑ نہ سکتے تھے - صلاح الدین نے شہر کے گرد چکر لگا کر اپنی فوج کے لئے کوئی دوسرا موقع تلاش کرنا چاہا اور آنے کے پانچ دن بعد اس نے اپنا لشکر مشرق کی طرف آراستہ کیا - اس مقام سے وادی قدرون نیچے پڑتی تھی - شہر کی دیوار بھی اس طرف سے کمزور تھی - صلاح الدین ۲۵ ستمبر کو اپنا لشکر اُدھر لے گیا، لشکر کو جاتے دیکھ کر ———

اہل شہر خوش ہوئے - اور سمجھے کہ محاصرہ کا خیال سلطان کے دل سے دور ہوا - گرجاؤں میں دوڑے ہوئے آکر خدا کا شکر ادا کرنے لگے اور وہ بہت ہی خوش تھے - لیکن دوسرے ہی دن یہ خوشی آہ وزاری میں تبدیل ہو گئی - دیکھتے کیا ہیں کہ جبل زیتون پر مسلمانوں کا جھنڈا لہرا رہا ہے مسلمانوں کی منجنیقیں نصب ہو چکی ہیں - اور نقیب چیوں نے رات بھر محنت کر کے دروازہ شہر کی سنگین عمارت کے نیچے سرنگ کھودنی شروع کر دی ہے - دس ہزار مسلمان سواروں نے استیفن اور جزوفٹ کے دروازوں کو اپنی زد میں کر لیا ہے اور عیسائیوں کے حملوں کو جو شہر سے نکل کر کرتے تھے بند کر دیا ہے - ڈھالوں کی ایک دیوار سی قائم کر کے نقیب چی اپنے کام میں مصروف ہیں - اور یہ ڈھالوں کی دیوار مسلمان تیراندازوں کے تیروں اور منجنیق سے پتھروں کے آنے کی وجہ سے عیسائیوں کے

زرِ فدیہ کی اغراض کے لئے دو عورتیں یا دس بچے ایک مرد کے برابر سمجھے جائیں گے۔ رہے محتاج اور مساکین جن کے پاس زرِ فدیہ کے لئے ایک اشرفی بھی نہ ہو گی تو ایسے دس ہزار آدمیوں کو تیس ہزار اشرفیوں کے عوض رہا کیا جائے گا اور یہ رقم عیسائی بادشاہ ہنری کی رقم سے جو اب تک شہسوار البیطار کے پاس محفوظ ہے ادا کی جائے گی۔ چالیس دن کے اندر یہ زرِ فدیہ ادا کرنے کی مہلت ہے۔ اس زمانہ کے بعد جس قدر آدمی شہر میں پائے جائیں گے وہ غلام بنائے جائیں گے۔"

بالیان یہ شرائط لے کر واپس آیا اور لوگوں کو ان سے مطلع کر دیا۔

وہ اہلِ شہر نے رو رو کر شکریہ کے ساتھ ان شرائط کو منظور کیا۔ لوگ آہیں بھرتے تھے اور روتے تھے اور ان کا رونا کسی طرح بند نہ ہوتا تھا۔ کبھی وہ بیت المقدس کی دیواروں کو یہ کہہ کر چومتے تھے کہ یہاں پھر آنا نصیب نہ ہو گا۔ کبھی وہ مہدِ مسیح علیہ السلام کے سامنے پیشانی زمین پر رگڑتے اور اس مقدس جگہ کو اپنے آنسوؤں سے تر کرتے تھے۔ ان کے لئے یروشلم سے نکلنا ایسا ہی تھا جیسے کسی نے سینہ کو چیر کر دل نکال لیا ہو مگر اب چارہ ہی کیا تھا۔ سر پر مسلمانوں کا پرچم اڑتا تھا اور قدس شریف کی کنجیاں بھی اب مسلمانوں کے قبضے میں تھیں اور چالیس دن کے اندر کل شہر مسلمانوں کے حوالے کرنا تھا۔ صلاح الدین نے کبھی پہلے اپنے تئیں ایسا عالی ظرف اور باہمت "ناٹ" ثابت نہیں کیا تھا جیسا کہ اس موقع پر کیا، جبکہ یروشلم مسلمانوں کے حوالے کیا جا رہا تھا۔ اس کی سپاہ اور معزز افسران ذمہ دار لے جو اس کے تحت تھے شہر کے گلی کوچوں میں انتظام قائم رکھا۔ یہ سپاہی اور افسر ہر قسم کی ظلم و زیادتی کو روکتے تھے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ہرگز کوئی واقعہ جس میں کسی عیسائی کو گزند پہنچا ہو پیش نہ آیا۔ شہر سے باہر جانے کے کل راستوں پر سلطان

چھوڑنا ہوگا۔ بطریق کی اس رائے میں اپنا کوئی ذاتی مطلب بھی اٹکا ہوا تھا، پھر اس نے رائے دی کہ صلح کی گفتگو شروع کی جائے۔ چنانچہ بلیان صلاح الدین کے خیمے میں گیا ابھی بلیان سلطان سے صلح کرنے کے لئے عرض معروض ہی کر رہا تھا کہ جہاں سے شہر کی دیوار نقب چیوں نے توڑ دی تھی، وہاں سے مسلمان شہر میں گھس پڑے اور اب دروازۂ شہر پر مسلمانوں کا پرچم اڑتا نظر آیا۔ سلطان نے بالیان سے طنزاً کہا کہ کہیں کسی مقبوضہ شہر سے شرائط صلح کی جاتی ہیں؟ علاوہ اس کے میں نے قسم کھائی تھی کہ میں یروشلم کو بزور شمشیر فتح کروں گا مجھے اپنی یہ قسم پوری کرنی ہے۔ شہر پر ابھی تک سلطان کا پورا قبضہ نہ ہوا تھا۔ ایک مرتبہ پھر شہر کے عیسائیوں نے ہمت کی اور مسلمانوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ صلاح الدین چاہتا تھا کہ ایسے باشندگان شہر کو جو محض مذہبی خیال و تعصب کی وجہ سے وہاں رہتے ہیں کسی طرح بچا دے۔ چنانچہ انہوں نے جو مشائخ ساتھ تھے، ان سے استصواب کیا کہ کیا وہ اپنی قسم کو کسی اور طریقہ سے بھی ایفا کر سکتا ہے"۔

یہ عیسائی جنہوں نے ہمیشہ مکر و ریا، فریب و عذر اور عہد شکنی کو اپنا شعار بنائے رکھا تھا آج ان مجبور اور مقہور عیسائیوں سے زیادہ وہ خود ان کے لئے فکر مند تھا کہ کسی طرح ان کی جان بچائے لیکن اس طرح کہ جو قسم کھا چکا ہے وہ بھی پوری ہو جائے آخر اس نے بدعہد بالیان سے کہا۔

"میں نے جو عہد کیا تھا وہ کافی طور پر پورا ہو جائے گا۔ اگر یروشلم نے خوشی سے اپنے اوپر قبضہ اس طرح دے دیا کہ گویا وہ حملہ کے بعد فتح ہوا ہے۔ اس طرح سے اہل یروشلم پر رحم کر کے اور ان سب کو اسیران جنگ تصور کر کے ان سے زر فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے گا۔ ہر مرد کو دس اشرفیاں دے کر رہائی حاصل کرنی ہو گی۔ اور

جائے تو سلطان نے جواب دیا کہ میں تو اسے قول دے چکا ہوں اس سے نہیں پھر سکتا۔ غرض اور لوگوں کی طرح یہ بڈھا پیر پادری دس اشرفیاں دے کر آزاد ہو گیا اور اس عیسائی پادری کو ایک مسلمان بادشاہ نے اس بات کا سبق دیا کہ خیر و خیرات کے اصلی معنی کیا ہیں۔ چالیس روز تک باب داؤد سے آزاد شدہ عیسائیوں کے باہر نکلنے کا یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ رعایت کا زمانہ ختم ہوا۔ اس پر بھی ہزارہا غریب اور مفلس عیسائی جنہیں بخیل اور کنجوس تاجروں یا مالدار عیسائی اداروں نے غلام بننے کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ شہر میں رہ گئے۔ اب العادل اپنے بھائی صلاح الدین کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ خدا کے فضل و کرم سے میں نے اس ملک اور شہر کے فتح کرنے میں آپ کی مدد کی ہے۔ اس لئے درخواست ہے کہ مجھے ایک ہزار غلام ان غریب آدمیوں میں سے دیئے جائیں جو اس وقت یروشلم میں موجود ہیں۔ صلاح الدین نے جب پوچھا کہ اتنے غلام لے کر کیا کرو گے تو العادل نے جواب دیا کہ جو کچھ میرے جی میں آئے گا وہ کروں گا۔ اس پر سلطان نے العادل کو ایک ہزار غلام دے دیئے۔ العادل نے سب کو خدا کی راہ میں آزاد کیا۔ اب بطریق اور بالیان سلطان کے پاس آئے اور یہی درخواست انہوں نے بھی کی۔ سلطان نے ایک ہزار غلام ان کو دیئے اور وہ آزاد کئے گئے۔ اب صلاح الدین نے اپنے امیروں سے کہا کہ میرے بھائی نے اپنی طرف سے اور بالیان بطریق نے اپنی طرف سے خیرات کی اب میں اپنی طرف سے بھی خیرات کرتا ہوں اور یہ کہہ کر اس نے اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ شہر کے تمام گلی کوچوں میں منادی کر دیں کہ تمام بوڑھے آدمی جن کے پاس زرِ فدیہ ادا کرنے کو نہیں ہے آزاد کئے جاتے ہیں کہ جہاں چاہیں نہ جائیں، اور یہ سب باب الیعزر سے نکلنے شروع ہوئے۔ اور سورج نکلنے سے سورج ڈوبنے

کا پہرہ تھا اور ایک نہایت معتبر امیر باب داؤد پر متعین تھا تاکہ ہر شہر والے کو جو زرِ فدیہ ادا کر چکا ہے۔ شہر کے باہر جانے دے۔

اب نہایت ہی جگر شق کن منظر دیکھنے میں آیا۔ سب سے پہلے بالیان تیس ہزار اشرفیاں لے کر آیا اور بادشاہ انگلستان کے روپیہ سے جو سات ہزار آدمی رہا ہوئے تھے ان کو شہر سے نکلنے کا حکم ملا۔ ایک تاجر کے بعد دوسرا تاجر ہاتھ میں اشرفیاں لئے آتا۔ اس کے اہلِ خاندان اس کے ہمراہ ہوتے اور بعض وقت ایسے غریب لوگ ہوتے جو زرِ فدیہ نہ ادا کر سکتے تھے۔ مسلمان سپاہی اور تاجر جو بکثرت شہر میں آگئے تھے وہ عیسائیوں کا مال اور اسباب خریدتے تھے تاکہ عیسائیوں کے پاس اتنا سرمایہ ہو جائے کہ وہ اپنی آزادی خرید سکیں۔ کوکبری نے شہر الرہا کے ایک ہزار آرمینیوں کو زرِ فدیہ اپنی جیب سے دے کر آزاد کرایا۔ اور آزاد ہونے کے بعد ان کو ان کے وطن روانہ کیا اور مسلمان سردار بھی اس نیک کام میں اس سے کم نہ رہے۔"

لیکن اس افراتفری، تباہی اور ذلت کے عالم میں بھی عیسائیوں کے عوام تو عوام۔ خواص اور خواص میں بھی مذہبی طبقہ کے سربراہوں کا کیا حال تھا،

"تقدس مآب لبطریق جو اخلاق اور ایمان دونوں سے عاری تھا۔ اس نے گرجاؤں کی دولت سمیٹی۔ سونے کے پیالے اور آبِ مطہر رکھنے کا سامان حتیٰ کہ رسد مسیح پر جو طلائی ظروف رہتے تھے اپنے قبضہ میں کئے۔ اس کے ساتھ اپنا ذاتی اندوختہ جو بہت تھا محفوظ کر لیا۔ یہ جمع کی ہوئی دولت اس کی اتنی تھی کہ اگر چاہتا تو بہت سے غریب عیسائیوں کا زرِ فدیہ دے کر آزاد کرا دیتا، جب مسلمان امیروں نے سلطان سے کہا کہ اس بے ایمان اور نالائق پادری کو لوٹ کا اتنا مال لے جانے سے روکا

معلوم ہے کہ وہ کہاں قید ہیں۔ جب میں اُن قید خانوں پر پہنچوں گا تو انہیں آزاد کردوں گا (اور یہ تمام قیدی جہاں جہاں قید خانوں میں تھے آزاد کر دیئے گئے) جن عورتوں کے شوہر مر چکے تھے۔ انہیں خزانے سے بافراط روپیہ تقسیم کیا، اور جیسا کچھ ان کا مرتبہ اور درجہ تھا اس کے مطابق کسی کو زیادہ اور کسی کو کم دیا۔ ان عورتوں کو اتنا روپیہ ملا کہ انہوں نے خدا کا شکر کیا اور جہاں جہاں وہ گئیں اس عزت و فیاضی کا چرچا کیا جو سلطان نے اُن کے ساتھ کی تھی۔ غرض اس طرح سلطان صلاح الدین نے اس مغلوب و مفتوح شہر پر اپنا احسان و کرم کیا۔ جب سلطان کے ان احسانات پر غور کرتے ہیں تو وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آتی ہیں جو شروع کے صلیبیوں نے ۱۰۹۹ء میں یروشلم کی فتح پر کی تھیں۔ جب گوڈفرے اور ٹنکرو، یروشلم کے کوچہ و بازار میں سے گزرتے تھے تو وہاں مردے پڑے اور جاں بلب زخمی لوٹتے تھے جبکہ بے گناہ اور لاچار مسلمانوں کو ان صلیبیوں نے سخت اذیتیں دے کر مارا تھا اور زندہ آدمیوں کو انہوں نے جلایا تھا۔ جہاں قدس کی چھتوں اور برجوں پر جو مسلمان پناہ لینے چڑھے تھے۔ وہیں ان صلیبیوں نے اُنہیں اپنے تیروں سے چھید کر گرایا تھا۔ اور جہاں ان کے اس قتل عام نے مسیحی دنیا کی عزت کو بٹہ لگایا تھا، جبکہ اس مقدس شہر کو ظلم و بدنامی کے رنگ میں انہوں نے رنگا تھا، جہاں رحم اور محبت کا وعظ جناب مسیحؑ نے سنایا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ خیر و برکت والے ہیں وہ لوگ جو رحم کرتے ہیں۔ اُن پر خدا کی برکتیں نازل رہتی ہیں۔

جس وقت یہ عیسائی اس پاک اور مقدس شہر کو مسلمانوں کا خون کرکے اس اس کو مذبح بنا رہے تھے۔ اس وقت وہ اس کلام کو بھول گئے تھے اور یہ اُن بے رحم عیسائیوں کی خوش قسمتی تھی کہ سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں ان پر رحم و

تک اُن کی صفیں شہر سے نکلتی رہیں۔ یہ خیر و خیرات تھی جو سلطان صلاح الدین نے بیشمار مفلسوں اور غریبوں کے ساتھ کی[1]

بالیان کا خادم ارنول لکھتا ہے کہ اب میں ان احسانات اور مہربانیوں کا ذکر کرتا ہوں جو سلطان صلاح الدین نے نائٹوں کی بیواؤں اور بیٹیوں کے ساتھ کیں جب ان مستورات کا زرِ فدیہ ادا ہو گیا اور وہ شہر کے باہر نکلیں تو یہ سب جمع ہو کر سلطان کے پاس رحم و کرم کی درخواست لے کر حاضر ہوئیں۔ جب صلاح الدین نے انہیں دیکھا تو پوچھا آپ کون ہیں؟ اور کیا چاہتی ہیں؟ تب سلطان کو بتایا گیا کہ یہ ان مسیحی شہسواروں کی بیویاں اور بیٹیاں ہیں جو لڑائی میں قتل یا قید ہوئے ہیں۔ اس پر سلطان نے پھر پوچھا کہ آپ کیا چاہتی ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم خدا کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ ہم پر رحم کیا جائے۔ کیونکہ ہم میں سے بعض کے شوہر قید خانوں میں ہیں اور بعض مر چکے ہیں۔ ان کی زمینیں اور جائیدادیں سب ان کے قبضے سے نکل چکی ہیں اور ہم خدا کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ ہماری مدد آپ اپنی مرضی سے کریں۔

صلاح الدین نے جب دیکھا کہ یہ عورتیں روتی ہیں تو اسے ان پر بہت رحم آیا۔ اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے اس نے ان مستورات سے جن کے شوہر زندہ تھے پوچھا انہیں

---

[1] یہ کیفیت عیسائی مورخ ارنول کی لکھی ہوئی ہے جو غالباً اس وقت یروشلم میں موجود تھا۔ یہی مورخ لکھتا ہے کہ جب یروشلم سے نکلتے ہوئے لوگ طرابلس میں آئے تو یہاں کے عیسائی رئیس نے شہر کے دروازے بند کرا دیئے اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ جا کر تاجروں کا مال و اسباب لوٹیں۔ حالانکہ سلطان صلاح الدین نے ان کے مال و سامان کا بے حد خیال رکھا تھا کہ وہ تلف نہ ہو۔ مگر یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ صلاح الدین نے یروشلم کے سب عیسائیوں کو رہا کر دیا تھا۔ کیونکہ تقریباً پندرہ ہزار جوان عیسائی تھے جو شہر میں رہ گئے تھے یہ تحریر عماد الدین کی ہے، جسے ان لوگوں کی عورتوں اور بچوں میں سے حصہ ملا تھا۔ ابوشامہ صـ ۸۹

"وہ غازی وہ مجاہد وہ شہید"...!

ہاں آج مسلمانوں کے ہاں جشنِ مسرت برپا تھا، لیکن ایک گھر ایسا بھی تھا، ج
آہیں تھیں، آنسو تھے، سسکیاں تھیں، اسلم اس معرکہ میں کام آگیا تھا، وہ بہادری کے
ساتھ لڑتا رہا۔ پھر اس نے شہر سے ہٹ کر ایک ناکہ سنبھال لیا، تاکہ اس طرف سے
دشمن کو کوئی مدد نہ پہنچ سکے۔ رات کی تاریکی میں ادھر سے چند مسلح عیسائیوں کا
ایک لشکر گزرا کہ یروشلم کے محصور، مجبور، مقہور عیسائیوں کو کمک پہنچائی جائے
انہوں نے جو راستہ اختیار کیا تھا، وہ ہر لحاظ سے موزوں تھا۔ اگر انہیں وہاں تک پہنچ
جانے دیا جاتا، یہ بے روک ٹوک اگر یروشلم کے علاقہ میں داخل ہو جاتے، تو
جنگ اور طول کھینچتی اور یروشلم پھر بغیر ایک خوں ریز اور ہولناک جنگ کے سر
نہ ہوتا۔

اسلم نے جان کی بازی لگا دی، اس کے پاس صرف پچاس سوار تھے۔ اور دشمن
کا لشکر کم از کم پانچ سو آدمیوں پر مشتمل تھا، لیکن اسلم نے اور اس کے رفقاء اور سپاہیوں نے
سدِ سکندری بن کر ان کو روک دیا، یہ بیتاب ہو ہو کر حملے کرتے تھے، اور مسلمان استقلال

کرم ہو رہا تھا۔

صفاتِ خداوندی میں سب سے بڑھ کر صفت رحم ہے۔ رحم عدل کا تاج اور اس کا جلال ہے۔ جہاں عدل اپنے اختیار اور استحقاق سے کسی کو جان سے مار سکتا ہے۔ رحم جان بچا سکتا ہے

اگر سلطان صلاح الدین کے کاموں میں سے صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہوتا کہ اس نے کس طرح یروشلم کو بازیاب کیا تو صرف یہی کارنامہ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہوتا کہ وہ نہ صرف اپنے زمانہ کا بلکہ تمام زمانوں کا سب سے بڑا عالی حوصلہ انسان اور جلالت وشہامت میں یکتا اور بے مثل شخص تھا۔"

آج عیسائیوں کے ہاں صفِ ماتم بچھی تھی، اور مسلمانوں کے ہاں جشنِ مسرت برپا تھا!——

سے دشمن وار کر رہا تھا۔ اور وہ ہر طرف کے حملوں کا منہ توڑ جواب دے رہا تھا، یکایک اس کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر گرا، اسلم نے گرتے گرتے سنبھلنے کی کوشش کی، لیکن اب وہ دشمن کے قابو میں آچکا تھا، ہر طرف سے اس پر تلواریں پڑنے لگیں، وہ گر پڑا، وہ شہید ہو گیا ——— وہ اسلام کے ناموس پر قربان ہو گیا،

اسلم شہید ہو گیا، لیکن کام کر گیا، اس جنگ میں اتنی دیر تک اس نے دشمن کو روکے رکھا تھا کہ اب سفیدۂ سحر نمودار ہو چلا تھا، دشمن کے ان سپاہیوں کے لئے اب یروشلم میں داخل ہونا ممکن نہ تھا، اگر وہ ایسا کرتے تو خود ان کی جان خطرہ میں تھی، بگٹٹ بھاگے۔ اور نکلے چلے گئے۔

اسلم کے ساتھیوں میں جو سپاہی بچے تھے وہ اس کی لاش لے کر واپس آئے، اسلم کی لاش دیکھ احمد دیوانہ ہو گیا، کلثوم کی روتے روتے آنکھیں سوج گئیں، ام سلیم بے ہوش ہو گئیں، رقیہ اور زینب کی ہچکیاں بندھ گئیں، لیکن عائشہ کی جبین استقامت پر شکن نہ آئی، اس نے کلثوم کو تسلی دی،

کلثوم روتی کیوں ہو، تمہارا بھائی اور میرا شوہر مرتبۂ شہادت پر فائز ہوا ہے کیا اس سے بڑھ کر بھی فخر کی کوئی بات ہو سکتی ہے؟

عائشہ کے دل کے ٹکڑے ہو رہے تھے اس کے دل میں طوفان اٹھ رہا تھا، لیکن وہ اپنی کمزوری پر غالب آ گئی، وہ خود نہیں روئی، کم از کم ظاہر میں نہیں روئی، اس نے اپنے آنسو پی لئے، اپنی آہ ضبط کر لی، وہ ایک شہید کی رفیقۂ حیات تھی، اس غم کو اس نے اسی طرح برداشت کیا، جو اس کے شایانِ شان تھا۔

عزیمت کے ساتھ ان کے وار روکتے تھے، اُن پر وار کرتے تھے، تعداد کا فرق اتنا زیادہ تھا کہ مقابلہ کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا - ایک طرف صرف پچاس نفوس، دوسری جانب پانچ سو مسلح سپاہی لیکن جو لوگ حق و صداقت کے لئے جان دینے کا تہیہ کر چکے ہوں، وہ نہ تعداد سے خائف ہوتے ہیں، نہ اسلحہ سے، جب بھی اسلم دشمنوں کی یورش کے دباؤ سے، اپنے آدمیوں کو پریشان دیکھتا تو انہیں للکار کر آگے بڑھاتا، اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا،

دوستو، اور بھائیو، بے شک دشمن کی تعداد زیادہ ہے، بہت زیادہ ہے، تم کم ہو، بہت کم ہو لیکن موت ایک ہی بار آتی ہے، موت سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے، اگر اپنے دین کی حرمت اور ملت کے ناموس پر کٹ مرو گے تو آنے والی نسلیں عزت و احترام کے ساتھ تمہارا نام لیں گی، تمہیں یاد رکھیں گی، تمہارا چرچا کریں گی، اگر پیٹھ دکھا کر بھاگو گے، تو بھی دشمن تمہیں امان نہ دے گا، تب بھی موت سے تمہیں ہمکنار ہونا پڑے گا، لیکن تمہارا نام شہیدوں اور غازیوں کی فہرست میں نہیں —— نہیں غداروں اور بھگوڑوں کی فہرست میں لکھا جائے گا -

یہ کہہ کر وہ دشمن کے سمندر میں کود پڑا، اور اس وقت تک شناوری کے جوہر دکھاتا رہا، جب تک اس کے ہاتھ شل نہ ہو گئے، جب تک اس کے خون کا آخری قطرہ بھی راہ اسلام میں کام نہ آ گیا، دشمنوں نے سمجھ لیا تھا، جب تک اسلم کو ہلاک نہ کیا جائے، کچھ نہیں ہو سکتا وہ غصہ سے بے قابو ہو ہو کر آگے بڑھتے تھے، اسے نرغہ میں لیتے تھے، اس پر وار کرتے تھے، لیکن وہ برق جہندہ کی طرح ان کے نرغہ سے نکل جاتا تھا، ایک ایک وار میں کئی گردنیں صاف کر دیتا تھا - وہ چومکھی جنگ لڑ رہا تھا، آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف

کو دھوکا دیتے تھے، دونوں اپنے آپ کو دھوکا دیتے تھے۔ دونوں میں سے ہر ایک یہی سوچتا تھا کہیں ہمارے آنسو دوسرے کا سفینۂ دل غرق نہ کر دیں، کہیں ہماری کمزوری دوسرے کے لئے موت کا سبب نہ بن جائے۔

وہی گھر تھا، وہی بوڑھا سلیمان، اسلم کا ننھا بچہ سالم اس کی گود میں تھا، اور اس وقت بڑے جوش سے رو رہا تھا، سلیمان بار بار تھپک تھپک کر اسے بہلانے کی کوشش کرتا، لیکن وہ کسی طرح چپ ہونے کا نام نہ لیتا، آخر جب ہر داؤ ناکام ہو گیا تو سلیمان نے بلی، بکری اور اونٹ کی آوازیں نکالنا شروع کیں، پہلے تو سالم نے غور سے سلیمان کی اس قلبِ ماہیت کو رونا ملتوی کر کے دیکھا، اور پھر یکایک وہ ہنسنے لگا، بوڑھے سلیمان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ یہ آنسو بہ بہ کر اس کی اس سفید داڑھی پر گر رہے تھے، اور وہ بے تاب ہو ہو کر سالم کو پیار کر رہا تھا،

"میرا بچہ، میرا بیٹا —————— میرا اسلم!"

اور پھر ضبط کا بند ٹوٹ گیا، وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا!

NATIONAL SCHOOL
BLOCK 'D' SCHEME NO. 2.
NORTH NAZIMABAD,
KARACHI-33.

بُوڑھا سلیمان!

وہی گھر ہے، وہی بُوڑھا سلیمان، لیکن اب وہ اور بوڑھا ہو گیا ہے، جیسے جھکی ہوئی کمان،

اب وہ بالکل گوشہ نشین ہے، کہیں جاتا نہیں، کسی سے ملتا نہیں، نہ وہ محفلیں ہیں نہ مجلسیں، نہ یاروں کے جمگھٹے، نہ دوستوں کی ٹولیاں، نہ سیر نہ شکار، نہ تفریح، نہ شعر و شاعری، اس کی زندگی کا مقصد صرف یہ رہ گیا ہے کہ عائشہ کو خوش رکھے۔ اس کا دماں میلا نہ ہونے دے۔ اُسے خوش رکھنے کے وہ لاکھ جتن کرتا تھا لیکن جس کا دل مرچکا ہو، اُسے خوشی سے کیا سروکار؛ عائشہ بوڑھے سلیمان کے غم کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ بشاش رہنے کی کوشش کرتی، لیکن اس کی سوگواری اور افسردگی چھپائے نہ چھپتی، بوڑھا سلیمان عائشہ کے غم دل کو بھلانے کی ہر کوشش کرتا۔ بڑے جوصلے سے اس کے سامنے لطیفے بیان کرتا، قہقہے لگاتا، لیکن یہ قہقہے کتنے کھوکھلے تھے، عائشہ محسوس کر لیتی، ان قہقہوں کے شور میں بھی وہ بوڑھے سلیمان کے روتے ہوئے دل کی آواز سن لیتی، دونوں ایک دوسرے